
عید نمبر
خواتین کے لیے صاف ستھرا فکری ادب
ماہنامہ
آنچل
کراچی



ابتدائیہ

دانش کدہ

ہمارا آنچل

سروے

سلسلے وار ناول

مکمل ناول

ناول

ناولٹ

[illegible]

پبلشر مشتاق احمد قریشی پرنٹر جمیل حسن مطبوعہ ابن حسن پرنٹنگ پریس ہائی اسٹیڈیم کراچی

دفتر کا پتا آنچل [illegible] عبداللہ ہارون روڈ کراچی



سرورق: ماڈل: ماریہ ثنا...... آرائش: ماہ روز بیوٹی پارلر...... عکاسی: امجد صدیقی

مستقل سلسلے

خط و کتابت کا پتا ماہنامہ آنچل پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی 74200 فون نمبرز 021-35620771/2

فیکس 021-35620773 کے از مطبوعات نئے افق پبلی کیشنز ای میل info@aanchal.com.pk

"اے ایمان والو! جب پکارا جائے نماز کے لئے جمعہ کے دن تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو، یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم سمجھو۔"
(الجمعہ:۹)

سرگوشیاں

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
ستمبر ۲۰۱۱ء کا آنچل حاضر مطالعہ ہے۔

قارئین کرام کو عیدالفطر مبارک ہو

محترمہ فرحت آرا کو ہم سے جدا ہوئے تقریباً نو ماہ گزر چکے ہیں۔ یقیناً ان کی جدائی کا صدمہ بڑا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے انسانی فطرت میں جو لچک ودیعت فرمائی ہے وہ بھی اپنی جگہ بہت اہم ہے۔ وقت بڑے سے بڑے زخموں پر مرہم رکھ دیتا ہے۔ محترمہ فرحت آرا کی دست راست اور ان سے ٹوٹ کر محبت کرنے والی ان کی چھوٹی بہن قیصر آرا جنہوں نے اپنی بڑی بہن کی تنہائی اور اکیلے پن کے باعث دوبار امریکہ جانے سے انکار کر دیا تھا جبکہ ان کے لیے امریکہ کا امیگرینٹ ویزہ (رہائشی ویزہ) بھی آچکا تھا۔ دونوں بہنوں کی محبت مثالی محبت تھی بلکہ اب بھی ہے۔ قیصر آرا ہمارے لیے بھی ایک محترم نام ہے قیصر آرا کا آپ کے آنچل سے یوں تو تعلق تقریباً گزشتہ بیس سالوں سے رہا ہے جب سے فرحت آرا نے آنچل کی ادارت کی ذمہ داری سنبھالی تھی تو قیصر آرا تدریس کے پیشے سے منسلک تھیں لیکن گزشتہ بارہ سالوں سے جب سے وہ اپنی ملازمت سے ریٹائرڈ ہوئیں تب سے وہ مستقل اور مستقل طور پر فرحت آرا مدیرہ آنچل کی معاون خصوصی کے طور پر ان کے ساتھ کام کر رہی تھیں۔ آنچل کی تقریباً تمام ہی کہانیوں کا ابتدائی انتخاب اور پھر آخری انتخاب بھی ان ہی کی ذمہ داری رہا۔ فرحت آرا ان کی منتخب کردہ کہانیوں کی نوک پلک سنوارنے اور انہیں مرتب کرنے کی ادارتی ذمہ داریاں ادا کیا کرتی تھیں۔ محترمہ فرحت آرا کی رحلت کے بعد ہماری خواہش بھی کہ آنچل کی ادارت پر بہن قیصر آرا کا نام دے دیا جائے کیونکہ یہ ان کا آنچل سے تعلق کا اور محبت کا تقاضہ بھی تھا۔ پھر یہ بھی کہ وہ آنچل کے قارئین کی خوب مزاج آشنا بھی ہوگئی ہیں۔ گو کہ کہانیوں کا انتخاب اب بھی وہی کر رہی تھیں لیکن صد شکر کہ وہ اپنے غم اور دکھ کے حصار سے باہر آچکی ہیں۔ اب اس ماہ سے ہی انہوں نے آنچل کی ادارت کی ذمہ داریاں باقاعدہ سنبھال لی ہیں۔ ہم یقیناً پورے وثوق سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ اپنی بہن فرحت آرا کا پرتو ہیں۔

دوسری اہم بات یہ کہ ان کی معاونت کے فرائض فروری ۲۰۱۱ء سے چند باصلاحیت اور محنتی خواتین۔ سیماب عاصم، جویریہ اور روبینہ کو سونپ دی گئی ہیں۔ انہوں نے گزشتہ چھ ماہ سے نہ صرف اپنی صلاحیتوں کو منوالیا ہے بلکہ ثابت بھی کر دیا ہے کہ وہ کسی سے کم نہیں۔ اب آپ ان کو آنچل کی نائب مدیروں کے طور پر جان سکیں گے۔ فرحت آرا مدیرہ آنچل کی رحلت کے بعد آپ کے اور آنچل کی ادارت کے درمیان جو پردہ حائل ہوا تھا اب وہ اٹھ گیا ہے تمام ہی بہنیں اپنی پسند ناپسند سے براہ راست قیصر آرا اور سیماب عاصم سے رابطہ کر سکیں گی۔ امید ہے کہ آپ کی مشاورت اور تعاون سے وہ آپ کے آنچل کو خوبصورتی سے سجا سنوار کر پیش کر سکیں گی۔

بس اب میں اجازت چاہتا ہوں یہی میری آخری بات ہے اللہ حافظ۔

اس ماہ کے ستارے۔

یوم دفاع کے حوالے سے دو خصوصی تحریریں۔ خواہش ناتمام سمیرا نگاہ اور آزادی وطن نوریہ سعید سردار۔
عید کے حوالے سے خصوصی تحریر حصار محبت سمیرا۔
تمام قارئین آنچل سے درخواست ہے کہ وہ نازیہ کنول نازی کی والدہ محترمہ کے لیے خصوصی دعائے صحت کریں۔

دعاگو مشتاق احمد قریشی۔

حمد

ذکر ہے میری زباں پر اے خدا تیرا
الحمدللہ کرم کس کا ہے تیرا تیرا
قلب ہر پل دھڑکے بس عطا ہے تیری
ذرے ذرے میں ہے موجود اجالا تیرا
تیری مخلوق ہیں سب جن و بشر، حور و ملک
دونوں عالم پہ ہے لاریب اجالا تیرا
یہ الگ بات کہ عرفانِ سماعت ہی نہیں
ذرے ذرے کی زبان پر ہے وظیفہ تیرا
نحن اقرب بھی کہا سامنے آیا بھی نہیں
کوئی سمجھا ہی نہیں راز انوکھا تیرا
تیرے محبوب کو دیکھا تو تجھے دیکھ لیا
ورنہ مشتاق کو عرفان نہ ہوتا تیرا

نادیہ عباس...... موسیٰ خیل

تیرا اخلاق اخلاقِ فاضلہ ہے
تیرا کردار اُسوہ حسنہ ہے
تیرا نام نامِ محمد ﷺ ہے
جس پر خاص فیضانِ حق ہے
تو سارے عالم کے لیے رحمتِ باراں ہے
تو شارع ہے تو تابشِ آفتاب ہے
تجھ سا نہ کوئی معلمِ قدس ہے
تجھ سا نہ کوئی پیشوا ہے
تجھ سا نہ کوئی رقیق القلب ہے
تجھ سا نہ کوئی زاہد ہے
تو نے نکالا دنیا کو ظلمتِ خانہ سے
بھر دیے دل ان کے نورِ ایمانی سے
تیرا وجودِ مبارک ہے اک بشارت ہے
تیری حیاتِ پاک ہمارے لیے نمونہ ہے

فریحہ سحر چوہدری

در جواب آں

مدیرہ

حنا عندلیب...... سرگودھا

عزیزی حنا! خوش رہو آنچل کے لیے نئے سلسلوں کی پسندیدگی کا شکریہ۔ تازہ تحریر موصول ہوگئی ہے۔ جلد پڑھ کر رائے سے نوازیں گے۔ تحریر کا عنوان مناسب نہ ہو تو کوئی بہتر عنوان خود ہم ہی دے دیتے ہیں آپ بے فکر رہیں۔ اب آتے ہیں آپ کے سوال کی طرف کہ افسانہ ناولٹ اور ناول میں کیا فرق ہے۔ عزیزی! افسانہ ہو ناولٹ یا ناول کسی جامع اور بھرپور موضوع کو اختتام تک پہنچانے کا نام ہے۔ البتہ ناولٹ یا ناول وسعت اور طوالت کے حوالے سے زیادہ مواد کا طلب گار ہوتا ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ کسی افسانے یا کہانی کو محض ناول بنانے کی غرض سے خوامخواہ کھینچ کر طول دے دیا جائے۔ امید ہے آپ کی تسلی ہوگئی ہوگی۔ کچھ بھی سیکھنے کے لیے بغور مطالعہ کیجیے کہانیوں کا ان شاء اللہ آپ خود بخود دیکھ جائیں گی۔

شبیہ مظہر رانجھا...... بھلوال

پیاری شبیہ! سلامت رہو جان کر خوشی ہوئی کہ آپ باقاعدہ کالسٹ، تبصرہ نگار اور شاعرہ بھی ہیں اور آنچل نے آپ کے قلم کے جمود کو توڑا ہے۔ فرحت آپا سب ہی کی پسندیدہ ہستی تھیں ان کے لیے آپ کا اور ہمارا غم یکساں ہے مگر مشیت رب پر صبر کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ آپ کا انداز تحریر بتاتا ہے کہ آپ میں ایک اچھی لکھاری موجود ہے۔ آنچل کے صفحات آپ کے منتظر ہیں۔ ہم اچھی تحریروں کی پزیرائی ضرور کرتے ہیں۔ ہاں سچ بولنے کی عادت اچھی ہے۔ آنچل سے متعلق آپ کا کھٹا میٹھا سا سچ ہمیں اچھا لگا خوش رہو۔ دعاؤں کے لیے اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے آمین۔

مریم مسکان رضوانہ احسن پاکیزہ سحر...... تلہ گنگ

مریم رضوانہ اور پاکیزہ خوش رہیے۔ دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔ آنچل کے تمام سلسلے آپ سب کے لیے ہی ہیں۔ سب میں شرکت کے لیے نگارشات ایک ساتھ بھیجی جاسکتی ہیں البتہ ہر سلسلے کے لیے الگ کاغذ استعمال کیا جائے۔ پاکیزہ آپ کا مکمل ناول "محبت جیت ہوتی ہے" ہمیں موصول نہیں ہوسکا ہے۔ دیگر افسانوں کے لیے معذرت۔ شاعری کے لیے باری کا انتظار کرنا پڑے گا۔ آپ کے اسلوب میں فلسفہ کی آمیزش ہے مگر یاد رکھیے کہ زیادتی ہر چیز کی بری ہوتی ہے۔ افسانہ لکھنے کے لیے زیادہ غور طلب کہانی کا پلاٹ ہوتا ہے۔ تحریر جامع اور بھرپور ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ جگہ نہ بنا سکے۔ ہم آپ کی نئی اور بہتر تحریر کے منتظر رہیں گے۔

ام ثمامہ...... جھنڈو سندھ

ام ثمامہ! جیتی رہو آپ کے قلمی سفر کی بابت جان کر خوشی ہوئی۔ امید ہے کہ آنچل کی رائٹرز میں بھی آپ بہترین اضافہ ثابت ہوں گی۔ آنچل کے سلسلوں کے لیے آپ سب کی رائے ہمارے لیے اہم ہے۔ خواہ وہ مثبت ہو کہ منفی افسانہ ابھی پڑھا نہیں جاسکا ہے۔ پڑھنے کے بعد ان ہی صفحات میں رائے دے دی جائے گی۔ شاعری متعلقہ شعبے تک پہنچادی گئی ہے۔ آپ نے ٹھیک کہا کہ وہ لوگ بہت خوش قسمت ہوتے ہیں کہ جنہیں لوگ ان کے جانے کے بعد بہت اچھے لفظوں میں یاد کرتے ہیں۔ فرحت آپا بھی ان ہی لوگوں میں سے ہیں۔ دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

شہناز رانا...... گوجرانوالہ

اچھی شہناز! خوش رہو آنچل کی پسندیدگی پر ہم بھی آپ کے تہہ دل سے مشکور ہیں۔ آپ کا انداز تحریر بہتر ہے۔ مگر موضوع بہت پرانا تھا۔ اس کے علاوہ کئی تفصیل طلب امور کو نظر انداز کیا گیا۔ لہٰذا اس کے لیے معذرت جلد ہی کوئی اچھا افسانہ لکھ کر بھیجیں۔ ہم منتظر رہیں گے۔ دعاؤں کے لیے اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے آمین

مہر گل...... کراچی

مہر گل! سلامت رہو آپ کی تعلیمی قابلیت اور قلمی ہنر کی

بابت جان کر خوشی ہوئی اور اس پر بھی کہ آپ سے لکھوانے میں آنچل اور فرحت آپا کا بڑا ہاتھ تھا آپ مایوس نہ ہوں۔ آنچل آپ کا اپنا ہے۔ آنچل کے صفحات آپ کی تحاریر کے منتظر ہیں۔ ہاں یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ جانے والوں کی جگہ کوئی نہیں لے سکتا۔ آپ کو کچھ بھی لکھنے کے لیے اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔ افسانہ ابھی پڑھا نہیں گیا ہے۔ دعاؤں میں یاد رکھنا۔

کنول...... نامعلوم

کنول! خوش رہو آنچل کی پسندیدگی اور اس سے محبت پر ہم تہہ دل سے آپ کے مشکور ہیں آنچل میں لکھنے کے لیے سب سے بڑی سفارش خود معیاری تحریر ہوتی ہے۔ جو بنا کسی سفارش کے جگہ بنا لیتی ہے۔ کسی چیز کا شائع نہ ہونا ہمیشہ ناکامی کا باعث نہیں بلکہ بہتری کی جانب اگلا قدم ہوتا ہے۔ انسان کو مایوسی کے بجائے کوشش جاری رکھنی چاہیے۔ امید ہے آپ مزید بہتر لکھنے کی کوشش کریں گی۔ آپ بے فکر رہیں۔ ہم تمام کہانیاں بہت غور سے پڑھنے کے بعد ہی منتخب اور رد کرتے ہیں اور یہ یقین رکھیں کہ صلاحیتیں اپنے آپ کو خود منوا لیتی ہیں۔ بس لگن ہمت اور حوصلہ ہاتھ سے نہ جانے دیں۔

عابدہ نسیم...... چیچہ وطنی

عابدہ! سلامت رہو ہمیں آنچل کے حصول کی بابت آپ کی دشواریوں کا بخوبی اندازہ ہے۔ اس سلسلے میں یہی مشورہ دے سکتے ہیں کہ زر سالانہ بھیج کر سالانہ خریدار بن جاؤ آنچل گھر بیٹھے ملتا رہے گا۔ آپ کی نگارشات موصول ہوگئی ہیں۔ معیاری رہیں تو ضرور شائع ہوجائیں گی۔ آپ کے خط کا جواب شامل اشاعت ہے۔

رانی اسلام...... گوجرانوالہ

رانی! خوش رہو آنچل کے صفحات کے لیے آپ کا نام اجنبی نہیں ہے۔ آپ جیسے قارئین آنچل کا سرمایہ ہیں۔ سلسلوں میں شائع ہونے کے لیے باری کا انتظار کرنا پڑتا ہے شاید تو دیگر کے ساتھ زیادتی رہے گی کہ آپ اپنی کسی بھی نگارش کے لیے ہمیں پابند فرمائیں کہ اس ماہ لازمی شائع ہونی چاہیے۔ آپ کی انتہائی کی گزارش پر خط شامل اشاعت ہے۔ اگرچہ اس میں جواب طلب کوئی بات نہیں۔ اب خوش؟

شمائلہ اکرم...... فیصل آباد

شمائلہ! خوش رہو آپ کو بھی رمضان المبارک اور عید کی مبارک باد مگر یہ کیا...... اتنی ناراضگی؟ ڈھیر ساری دعاؤں کے بعد شکایات کا دفتر کھول دیا آپ کے تمام شکوے سر آنکھوں پر مگر ایک جملہ ہم بھی کہہ کہہ کر تھک چکے ہیں کہ نگارشات معیاری ہوں تب بھی باری آنے پر ہی شائع ہوتی ہیں آنچل پر تو آپ سمیت سب ہی قارئین کا حق ہے نا! کچھ ہماری مجبوریوں کا بھی خیال کریں۔ ہر شعبے کے لیے ہمارے پاس ڈاک کثیر تعداد میں موصول ہوتی ہے۔ باری لگانا ہماری مجبوری ہے۔ آنچل کا معیار برقرار رکھنے کو معیاری چیز کا ہی انتخاب کرنا پڑتا ہے۔ آپ کے خط کا جواب حاضر ہے۔ امید ہے اب آپ کی ناراضگی ختم ہوگئی ہوگی۔ خوش رہیں۔

حور عین انصاری...... کنڈی صوابی

حور عین! ماشاء اللہ آپ کا نام بہت خوب صورت ہے۔ خوش رہو۔ فرحت آپا کے لیے آپ کے احساسات قابل قدر ہیں مگر کیا کریں کہ انسان کی تمام خواہشات تو پوری نہیں ہوتیں۔ مشیت رب کے سامنے سر جھکا دینا ہی بہتر ہے۔ آنچل کی پسندیدگی کا شکریہ۔ یقیناً آپ نے بہت محنت کے بعد تحریر تخلیق کی ہوگی۔ آپ کا انداز بیاں بہتر ہے مگر کوشش جاری رکھیں مطالعہ وسیع کریں اور مزید بہتری کے لیے کوشاں رہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ کامیابی نصیب نہ ہو۔ فی الحال افسانہ پر ہی طبع آزمائی کریں۔ اللہ آپ کے والدین کو صحت کاملہ عطا فرمائے آمین۔

مریم جبیں...... نکال

مریم! سلامت رہو آپ نے ٹھیک کہا کہ وقت بڑا مرہم ہے۔ فرحت آپا کا دکھ ہم سب کے لیے یکساں ہے۔ ان جیسے لوگ خوش قسمت ہوتے ہیں۔ جن کے لیے کئی لوگ دعائیں کرنے والے موجود ہوں۔ آپ جیسے قارئین و لکھاری آنچل کا سرمایہ ہیں یہ جان کر خوشی ہوئی کہ آپ پرنسپل کی سیٹ سنبھالتی ہیں اور ایم اے کے امتحانات دے چکی ہو۔ اللہ آپ کو ہر میدان میں کامیابی عطا فرمائے آمین

مسرت خاور راجا...... منڈی بہاؤالدین

مسرت! جیتی رہو خوش رہو۔ خوش ہو جائیں کہ آپ کے خط کا جواب حاضر ہے۔ آنچل کی پسندیدگی کا بہت بہت شکریہ۔ یہ آپ کا اپنا ماہنامہ ہے۔ سو بار آئیں جم جم آئیں۔ آنچل کی مصنفات کو سراہنے پر ہم آپ مشکور ہیں۔ آپ کی تعلیمی قابلیت اور دیگر سرگرمیوں کے بارے میں جان کر خوشی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہر امتحان میں کامیابی عطا فرمائے آمین۔ آپ بے فکر رہیں۔ آنچل کے لیے آنے والی ہر تحریر بغور پڑھ کر ہی منتخب یا رد کی جاتی ہے۔ لکھنے کے لیے امید، لگن اور حوصلہ بھی شرط ہے۔ سو اپنا حوصلہ بلند رکھیں۔ آپ کی تحریر ابھی پڑھی نہیں گئی۔ پڑھنے کے بعد ان ہی صفحات میں جواب دے دیا جائے گا۔ دعاؤں کے لیے اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے آمین۔

عتیقہ احمد...... نامعلوم

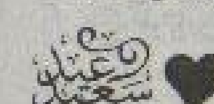
عتیقہ سلامت رہو۔ آنچل پسند کرنے کا بہت بہت شکریہ آپ کے الفاظ آنچل کے لیے نہایت ہی قیمتی ہیں ہمارے لیے تمام ہی قارئین کی آراء نہایت ہی اہمیت کی حامل ہوتی ہیں چاہے وہ تعریف ہو یا تنقید اور ہاں آپ کا اس سے پہلے کوئی خط موصول ہی نہیں ہوا تو ہم کیا جواب دیتے لیجیے آپ کے خط کا جواب حاضر خدمت ہے آپ کی کہانی میں ابھی بہت ہی کچا پن ہے آپ کو بہت مطالعہ کی ضرورت ہے آپ جو بھی کہانیاں پڑھا کریں تو بغور پڑھیں تاکہ آپ کو اندازا ہو سکے کہ کون سی بات کہاں کہنی ہے۔ ابھی آپ کو بہت محنت کی ضرورت ہے۔ محنت جاری رکھیں ایک دن کامیابی آپ کے قدم ضرور چھوئے گی ان شاءاللہ۔

اور اب کچھ خطوط کے مشترکہ جوابات۔

ریما اکرم قریشی، نیلم اکرم قریشی۔ ڈگری۔ آپ دونوں کی تعریف اور سلام آنچل کی تمام رائٹرز کو ان سطور کے ذریعے پہنچایا جا رہا ہے۔ ہر شعبہ کی شرکت کے لیے الگ الگ کاغذ استعمال کیجیے۔ یہ سب ضائع ہو گئیں۔ **طوبیٰ بلال، ڈیرہ غازی خان**۔ شاعری کی اشاعت پر شکریہ کیسا؟ جو معیاری ہو وہ اپنی جگہ بنا ہی لیتی ہے البتہ اس شاعری کے لیے آپ کو مزید محنت کی ضرورت ہے۔ **سائرہ لنگڑیال، سیال موڑ**۔ آنچل کے صفحات کے لیے آپ کا نام اجنبی نہیں ہے۔ آپ کی آمد ہمیں خوشی دیتی ہے۔ **اجالا شبیر سحر، تونسہ شریف**۔ خوش آمدید۔ شاعری کے لیے آپ کو بہت محنت کی ضرورت ہے۔ کوشش جاری رکھیے۔ **حما احمد، فیصل آباد**۔ آنچل کے کسی بھی سلسلے میں شرکت کے لیے باری کا انتظار کرنا پڑتا ہے! آپ کا تعارف باری آنے پر شائع کر دیا جائے گا خوش؟ **عائشہ سلیم، فیصل آباد**۔ آپ کا جذبہ قابل ستائش ہے۔ اچھی بات سب تک پہنچانا بھی اچھا عمل ہے چیز معیاری ہو تو اپنی ضرور جگہ بناتی ہے۔ تعارف کے لیے باری کا انتظار کیجیے۔ **طیبہ طاہرہ، صبور**۔ آپ کی تمام شکایات سر آنکھوں پر اب بتائیے کہ نام درست شائع ہوا ہے نا! سلسلوں کے لیے بس معیاری ہونا شرط ہے۔ لہٰذا خوب محنت کر کے اچھا انتخاب روانہ کریں۔ ضرور شامل اشاعت ہوگا۔ **عزوہ جاوید، مقام نامعلوم**۔ اتنی مایوس اچھی نہیں ہوتی۔ افسانہ مل گیا ہے پڑھنے کے بعد رائے دے دی جائے گی۔ **سعدیہ ملک، جلال پور پیروالا**۔ دعاؤں کے لیے شکریہ۔ شاعری کی غلطیاں درستگی پر معلوم ہو جائیں گی۔ باری کا انتظار کریں۔ **فریحہ شبیر، شاہ کوٹ**۔ دعاؤں کے لیے شکریہ۔ "آنچل کے ہمراہ" کے لیے جوابات وقت پر موصول ہو جائیں تو ضرور شامل اشاعت ہو جاتے ہیں۔ تعارف باری آنے پر شائع ہوگا۔ **طیبہ نذیر، گجرات**۔ خطوط میں تبصرہ یا جواب طلب بات ہو تو ضرور شائع ہوتا ہے۔ آنچل آپ کا اپنا ہے اس کے تمام صفحات آپ کے لیے ہیں اور آپ تو بہت باقاعدگی سے شرکت کرتی ہیں اب ناراضی ختم کر دیجیے۔ **تحریم احمد، جوہر آباد**۔ آپ کا انتظار ختم۔ تعارف باری آنے پر شائع ہو جائے گا۔ **نورین فاطمہ، ڈگری**۔ آپ کی شاعری لگ جائے گی۔ **ہما ایوب، عارف والا**۔ ناول مل گیا ہے لیکن ابھی پڑھا نہیں گیا۔ اگر منتخب ہو جائے تب بھی اتنی جلدی اشاعت ممکن نہیں ہوتی اس لیے دھیرج رکھیے۔ ویسے نوآموز رائٹرز کو ہم پہلے افسانہ پر طبع آزمائی کا مشورہ دیتے ہیں۔ آپ بھی اس پر عمل کیجیے۔ **آمنہ حیات، خوشاب**۔ تعارف شائع ہونے پر شکریہ کیسا؟ آنچل آپ کا اپنا ماہنامہ ہے۔ دیگر سلسلوں کے لیے بھی نگارشات بھیجنے کے لیے اجازت کیسی۔ معیاری رہیں تو ضرور جگہ ملے گی۔ دوست کا پیغام کے لیے ڈاک کثیر تعداد میں موصول ہوتی ہے۔ اس لیے باری کا انتظار کرنا پڑے گا۔ **یاسمین عندلیب، شورکوٹ کینٹ**۔ اتنا غصہ اچھا نہیں ہوتا۔ تحریر معیاری ہو تو ضرور اپنی جگہ بناتی ہے آپ کا ناول "دو دلوں کا ملن" پڑھ کر اندازہ ہوا کہ آپ کو بہت محنت کی ضرورت ہے۔ ناول یا ناولٹ رد ہونے کی صورت میں ہمیں خود افسوس ہوتا ہے اس لیے نوآموز لکھاریوں کو پہلے افسانہ پر طبع آزمائی کا مشورہ دیا جاتا ہے۔ عید سے پہلے آپ کا افسانہ ہمیں موصول نہیں ہوا ہے۔ تعارف عنقریب لگ جائے گا۔ اب خوش۔ **ام صبا معیار، چوکناہ نوالی کنجاہ**۔ افسانے موصول ہو گئے ہیں ابھی پڑھے نہیں گئے ہیں۔ پڑھنے کے بعد ان ہی صفحات میں رائے دے دی جائے گی۔ **نبیلہ خان مون، عبدالحکیم**۔ آپ کا افسانہ "عید نمبر" سے فارغ ہو کر ہی پڑھ سکیں گے۔ اس لیے انتظار۔ یہی جواب **مون عابد، ہزارہ** کے لیے ہے۔ **العرض، مقام نامعلوم**۔ افسانہ کے لیے ہدایات آپ کو ان ہی صفحات کے آخر میں مل جائیں گے۔ امید ہے کہ آنچل کی رائٹرز میں بہترین اضافہ ثابت ہوں گی۔ **زاہدہ ملک، دیپال پور**۔ آپ کا پیغام نازیہ کنول نازی، انا شہزادی، جبہ شانزے، عطروبہ سکندر، فریش انور اور بشریٰ باجوہ کو ان سطور کے ذریعے پہنچایا جا رہا ہے کہ آپ ان سے دوستی کی خواہش مند ہیں۔ آپ کا نمبر ہمارے پاس امانت ہے۔ **ارسہ عرفان، عارف والا**۔ افسانہ بھیجنے کے لیے ضروری شرائط آپ کو ان ہی صفحات میں مل جائیں گی۔ **عقیلہ یونس، واہ کینٹ**۔ آپ کے ناولٹ "کوئی ہم سفر تم سا ہو" کے بارے میں جواب دیا جا چکا ہے کہ وہ قابل اشاعت نہیں ہے۔ آپ نے ٹھیک کہا مایوسی کفر ہے کوشش جاری رکھیے۔ **عنبرین اشرف، غیر گوجرانوالہ**۔ نگارشات کے لیے سیاہ یا نیلا قلم استعمال کیجیے۔ **تبسم شاہین، اٹک**۔ اسکیچز کے لیے ادارہ خود انتظام کرتا ہے۔ لہٰذا معذرت۔ **رحمان ملک، جھنگ صدر**۔ آپ کا پیغام ان سطور کے ذریعے عائشہ انجم ایش اور نازیہ کنول نازی تک پہنچایا جا رہا ہے کہ آپ کو ان دونوں کا رابطہ نمبر مطلوب ہے۔ **فوزیہ سعید، سردار ملتان**۔ تمہاری نظم متعلقہ شعبے میں ہے۔ **طیبہ افتخار، دبئی**۔ افسانہ موصول ہو گیا ہے۔ **عمرانہ شاہین، ڈیوک ایم**۔ آپ کا تعارف باری آنے پر شائع ہو جائے گا۔ آپ کی مبارک باد ان سطور کے ذریعے انا شاہزادی تک پہنچائی جا رہی ہے۔ **زویا خان، مقام نامعلوم**۔ آپ کے پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ بچھڑی دوست کا مل جانا نعمت ہے۔ لہٰذا نظر انداز نہ کیجیے اور دوسرے کا یہ کہ ظاہری خوب صورتی سے بڑھ کر باطنی خوب صورتی کو اپنائیے۔

ناقابل اشاعت

انعام، ایک جواب، کینہ پرور، کہیں نظر نہ لگا دو، تجھ کو کچھ خواب ادھورے، دل کی بات، محبت روگ ہوتی ہے، اے وطن پیارے وطن، اک مسیحا، اک دیا روشن، ڈاکٹر کا عینک، دل کے راستے، ناقابل قبول، عید کے رنگ خوشیوں کے سنگ۔



مصنفین سے گزارش

☆ مسودہ صاف خوش خط لکھیں۔ ہاشیہ لگائیں صفحہ کی ایک جانب اور ایک سطر چھوڑ کر لکھیں اور صفحہ نمبر ضرور لکھیں اور اس کی فوٹو کاپی کرا کر اپنے پاس رکھیں۔

☆ قسط وار ناول لکھنے کے لیے ادارہ سے اجازت حاصل کرنا لازمی ہے۔

☆ نئی لکھاری بہنیں کوشش کریں پہلے افسانہ لکھیں پھر ناول یا ناولٹ پر طبع آزمائی کریں۔

☆ فوٹو اسٹیٹ کہانی قابل قبول نہیں ہوگی۔

☆ مسودے کے آخری صفحہ پر اپنا مکمل نام پتا خوشخط تحریر کریں۔

☆ اپنی کہانیاں دفتر کے پتا پر رجسٹرڈ ڈاک کے ذریعے ارسال کیجیے۔

شیطان کی حقیقت قرآن کی روشنی میں

مولف: مشتاق احمد قریشی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ترجمہ:۔ اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا۔ اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور وہ کافروں میں شامل ہوگیا۔ (البقرہ۔۳۴)

آیت مبارکہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے کہ جب فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو وہ بلا چون وچرا بلا کسی پیشگی حجت کے سب کے سب اللہ کے حکم کے مطابق سجدے میں چلے گئے لیکن ابلیس نے سجدہ نہیں کیا اور اللہ کے حکم سے سرتابی کی کیونکہ اسے یہ اختیار حاصل تھا کہ وہ اپنی مرضی سے حکم الٰہی کی تعمیل کرے یا نہ کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جنوں کو انسان کی تخلیق سے بہت پہلے آگ کے شعلے سے پیدا کیا تھا اور انہیں یہ اختیار دیا تھا کہ وہ اپنی مرضی سے اللہ کی عبادت واطاعت کریں یا نہ کریں' مخلوقات الٰہی میں جن اللہ کی ایسی مخلوق تھی جس کو اللہ تعالیٰ نے انسان سے بہت پہلے زمین پر بھیجا تھا یا زمین کے لئے پیدا کیا تھا انہوں نے اپنے اختیار کے شرف کو جو اللہ نے ان سے پہلے کسی اور مخلوق کو نہیں دیا تھا صرف اُنہیں ہی عطا کیا تھا کا استعمال کرکے زمین پر خوں ریزی اور فساد برپا کیا جیسا کہ سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۳۰ میں انسانوں کی تعلیم وآگاہی کے لئے ارشاد فرمایا ہے۔ ''اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں' تو انہوں نے کہا کیا زمین پر کسی ایسے کو پیدا کرنے والا ہے جو زمین پر فساد کرے اور خون بہائے؟ اور ہم تیری حمد وثناء اور پاکیزگی بیان کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا! جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔ (البقرہ۔۳۰) جیسا کہ قرآن کریم سے یہ بات واضح ہے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی نوری مخلوق ہیں جو ہر دم احکام الٰہی کو بجالانے اور اس کی حمد وثناء اور پاکیزگی بیان کرنے میں ہر لحہ مصروف رہتے ہیں وہ کسی بھی طرح سے اللہ کے کسی بھی حکم سے سرتابی نہیں کرسکتے کیونکہ انہیں یہ اختیار ہی نہیں دیا گیا انسان سے پہلے یہ اختیار صرف جنوں کو ہی دیا گیا تھا جنہوں نے اس کا غلط استعمال کرکے زمین پر خوں ریزی اور فساد برپا کیا۔ فرشتوں نے اللہ کے حکم پر صرف اپنے علم کے لئے دریافت کرنے کے لئے پوچھا تھا کیا یہ بھی زمین پر بھیجی گئی پہلی مخلوق جو جنوں پر مشتمل تھی کی طرح خون خرابہ تو نہیں کریں گے کیونکہ انہوں نے انسان سے پہلی مخلوق جنوں کو خون خرابہ کرتے ہوئے ہی دیکھا تھا۔ فرشتوں کے بارے میں خود قرآن کریم میں ہے کہ وہ ''جس بات کو دریافت کرنے کی اجازت نہ ہو اس میں وہ لب نہیں ہلاتے۔'' فرشتوں پر حقیقت واضح ہوگئی تو انہوں نے اپنی فطرت سلیم کے مطابق سر جھکا دیا جبکہ ابلیس نے سرکشی کی اور نافرمانی کی۔

علامہ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر کثیر میں سورہ البقرۃ کی زیر نظر آیت ۳۴ کی تفسیر میں تحریر فرمایا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابلیس فرشتوں (یعنی جنوں) کے ایک قبیلے سے تھا جو آگ کے شعلوں سے پیدا ہوئے تھے۔ ابلیس کا نام حارث تھا اور وہ جنت کا خازن تھا اس کے قبیلے کے سوا تمام فرشتے نوری تھے۔ قرآن نے بھی ان جنوں کی پیدائش بیان کی ہے۔ ''من مارج من نار'' (آگ کے شعلے سے) جن پہلے زمین پر بستے تھے جب انہوں نے زمین پر خوں ریزی وفساد برپا کیا تو اللہ تعالیٰ نے حارث (ابلیس) نامی جن جو اُن کا سردار تھا کو جنوں کا لشکر دے کر زمین پر بھیجا۔ (حارث) یعنی ابلیس نے لڑ بھڑ کر مارتے ہوئے اور سرکش جنوں کو قتل کرتے ہوئے انہیں سمندر کے جزیروں اور پہاڑوں کے دامن میں پہنچادیا۔ ابلیس نے اپنے خیال میں وہ کام کیا جو کسی اور سے نہیں ہوسکا تھا اس سے اس کے دل میں تکبر سما گیا۔ اللہ تعالیٰ جو اپنی مخلوق کی سوچ تک سے پوری طرح باخبر رہتا ہے شیطان کے دل کی بدی جس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہی تھا' جب اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا کہ میں زمین پر خلیفہ پیدا کرنا چاہتا ہوں تو فرشتوں نے عرض کیا کہ تو ایسوں کو کیوں پیدا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ تم نہیں جانتے جو میں جانتا ہوں یعنی ابلیس کے دل میں جو تکبر و غرور ہے مجھے اس کا علم ہے تمہیں خبر نہیں۔ پھر جب حضرت آدم علیہ السلام کی مٹی اٹھائی تو وہ چکنی اور اچھی تھی جب اس کا خمیر اٹھا تب اس سے اللہ تعالیٰ نے (خود ہی حضرت آدم علیہ السلام کا پتلا بنایا جو) چالیس دن تک یونہی پتلے کی شکل میں رہا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابلیس نافرمانی سے پہلے فرشتوں میں شامل تھا اور اس کا نام عزازیل تھا' زمین پر اس کی رہائش تھی وہ اجتہاد اور علم میں بہت بڑا تھا اسی لئے اس کے دماغ میں رعونت تھی' اس کا اور اس کی جماعت کا تعلق جنوں سے تھا' اس کے چار پر تھے' جنت کا خازن تھا' زمین اور دنیائے آسمان کا سلطان تھا' (ابن کثیر)

حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ ابلیس فرشتہ نہیں تھا اس کی اصل جنات سے ہے جیسے حضرت آدم علیہ السلام کی اصل انس سے ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن زید بن اسلمؒ اور شہر بن حوشب کا بھی یہی قول ہے۔ یہ تمام اسناد صحیح ہیں۔ (ابن کثیر)

سعد بن مسعودؒ کا قول ہے کہ فرشتوں نے جنات کو جب مارا تھا اس وقت ابلیس (عزازیل۔ جو اُن کا سردار تھا) کو قید کیا تھا اور آسمان پر لے گئے تھے وہاں عبادات کی وجہ سے وہ رہ پڑا۔ ابلیس کا سب سے پہلا گناہ تکبر تھا جو اس سے سرزد ہوا۔ صحیح حدیث میں ہے کہ جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ اسی تکبر کی وجہ سے ابلیس کے گلے میں لعنت کا طوق پڑا ہے وہ رحمت سے مایوس ہوگیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسے دھتکار دیا۔ (ابن کثیر)

قرآن حکیم میں جہاں جہاں مسجود ملائکہ کا ذکر آیا ہے اور فرشتوں کی اطاعت اور تعمیل حکم کو دہرایا گیا ہے وہیں شیطان کی ابلیسیت وسرکشی کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔

ترجمہ:۔ اور ہم نے تمہیں پیدا کیا' پھر ہم ہی نے تمہاری صورت بنائی' پھر ہم نے فرشتوں سے

کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا بجز ابلیس کے وہ سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا۔
(الاعراف۔ ۱۱)

آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ اپنی تین مخلوقات کا ذکر فرما رہا ہے۔ انسان' فرشتے' اور ابلیس۔ تخلیق آدم علیہ السلام کے بارے میں جتنی بھی قرآنی آیات آئی ہیں ان میں اس بات کی شہادت ملتی ہے کہ انسان کو اس کی تخلیق کے ساتھ ہی تمام انسانی خصائص اور فرائض منصبی دے دیئے گئے تھے۔ انسانی تاریخ میں جو ترقی ہمیں نظر آتی ہے وہ انہی صلاحیتوں کی وجہ سے ہے انسان کے تجربے اور مہارت میں بتدریج اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ قصہ آدم علیہ السلام سے جو پہلی حقیقت معلوم ہوتی ہے وہ یہ کہ اس ساری کائنات اور انسان میں اللہ تعالیٰ نے ایک فطری ہم آہنگی رکھی ہے جو اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے قانون قضاء و قدر میں کام کرتی ہے' انسان کی تخلیق ایک منصوبے کے تحت عمل میں آئی کسی اتفاقی حادثے کے سبب نہیں ہوئی۔ ابلیس بھی اللہ کے اسی منصوبے کا حصہ ہے۔ انسان کی تخلیق کا اعلان اللہ تعالیٰ نے عالم بالا میں ایک نہایت پروقار تقریب میں کیا جیسا کہ آیات قرآنی سے ہمیں علم ہورہا ہے کہ اس تقریب خاص میں اللہ تعالیٰ نے ایک مکمل انسان کو پیش کیا اور یہ اعلان فرمایا کہ وہ زمین کا خلیفہ ہے۔

جنت میں جو صورت پیدا ہوئی وہ بھی اسی غرض کے لیے تھی کہ انسان خلافت ارض کے اپنے فرائض منصبی کے لیے مکمل طور پر تیار ہوجائے اور ان سے غفلت نہ برتے' اسے یوں بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ جنت میں آدم علیہ السلام سے غلطی کرا کر انہیں یہ احساس دلایا گیا کہ اگر تم اپنی ذمہ داری خلافت فی الارض میں کوئی غلطی کروگے تو اس کی تمہیں سزا بھی ملے گی اور جب تم اپنی غلطی کا ادراک کرلوگے اور ندامت و اپنی شرمندگی کا اظہار کرکے معافی مانگو گے تو تمہیں معاف بھی کردیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں نسیان یعنی بھول کا عنصر بھی رکھا ہے۔ انسان کے الف کو واؤ سے بدل کر مرتب کیا جائے تو وہ نسیان بن جاتا ہے۔ یہی انسانی فطرت ہے کہ اس کے مزاج و فطرت میں بھولنے کی عادت کو شامل کردیا گیا ہے اگر وہ اپنی عقل و فہم کو کام میں لاکر اپنی بھول و غلطی کا ادراک کرکے اسے درست کرکے اللہ سے غلطی کی معافی مانگ لے تو اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والا ہے وہ بڑا ہی غفور و رحیم ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ کے حکم کے خلاف عمل کرنے، نافرمانی کرنے کے بعد معافی مانگنے پر معاف فرمادیا۔ یہ دراصل وہ شکل ہے جو یہ بتارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ صرف معافی کو پسند کرتا ہے بلکہ وہ معافی مانگنے والے کو معاف بھی کردیتا ہے۔ جیسے انسان اول حضرت آدم علیہ السلام کو معافی مانگنے پر معاف کردیا اور ابلیس نے اپنی ندامت و شرمندگی کا اظہار نہ کیا اور تکبر کیا تو اللہ نے روز اول ہی حضرت آدم و ابلیس کی فرمانبرداری و نافرمانی کا منظر بھی دکھادیا کہ جب ابلیس نے تکبر کیا اور سجدے سے انکار کیا تو وہ نافرمان ٹھہرا اور مردود و لعین قرار پایا یہ وہ عملی ہدایت تھی جو انسان کو اور انسان اول کی آنے والی تمام نسلوں کے لیے ہدایت کا ذریعہ بھی ہے' کہ جب بھی تم سے غلطی ہوجائے تو اللہ رب العزت کے سامنے اپنی ندامت و شرمندگی کا اظہار کرکے معافی مانگ لیا کرو۔

آیت مبارکہ میں دوسری مخلوق فرشتے ہیں جو ہر طرح سے اللہ کے مطیع و فرماں بردار ہیں۔ یہ اللہ کی ایسی مخلوق ہے جو کسی طرح بھی اللہ کے احکام کی خلاف ورزی نہیں کرسکتی۔ انہیں جو حکم دیا جاتا ہے اس کی تعمیل کرتے ہیں۔ اسی لیے ہی انہوں نے اطاعت کے تحت حکم الٰہی کی تعمیل کی اور سجدہ کردیا' کیونکہ کسی معاملے میں نہ وہ کسی قسم کا غرور رکھتے ہیں نہ ان میں تکبر کی ذرا بھی خو بو ہے' ان کی فطرت میں اللہ نے نافرمانی رکھی ہی نہیں اس لیے وہ نافرمانی کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے' یہ ان کا مزاج ہی نہیں ہے' اطاعت شعاری فرماں برداری انکی خصوصیت ہے اور یہ ان کے فرائض منصبی میں شامل ہے۔ آیت مبارکہ سے جہاں انسان کی عظمت کا وہیں اللہ کے نزدیک اس کی اہمیت کا بھی اندازہ ہورہا ہے۔

آیت مبارکہ میں جس تیسری مخلوق کا ذکر کیا گیا ہے وہ ابلیس ہے جس نے سجدہ نہیں کیا اور اپنے اس عمل کی وجہ سے بارگاہ الٰہی میں مردود و ملعون قرار پایا۔ ابلیس جس کا تعلق جنوں میں سے ہے' وہ بھی اللہ تعالیٰ کی ایک مستقل نوع کی مخلوق ہے خود قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ''یہ جنوں میں سے تھا اس نے اپنے رب کی حکم عدولی کی۔'' جنات فرشتوں سے الگ ایک مخلوق ہے ان کے بارے میں آئندہ صفحات میں تفصیل آرہی ہے۔ ان کے بارے میں ہمیں صرف اتنا ہی علم ہے جتنا کہ اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے۔

ابلیس چونکہ جنوں میں سے ہے اور جنوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے یہ اختیار دیا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے اطاعت الٰہی کریں یا نافرمان الٰہی بن جائیں یہی اختیار انسان کو بھی دیا گیا ہے۔ جب اللہ نے سجدے کا حکم صادر فرمایا اس وقت ابلیس فرشتوں کے ساتھ تھا اس وقت تک وہ لعین و مردود نہیں ہوا تھا اس وقت اس نے اپنے اختیار کو استعمال کرتے ہوئے نافرمانی کردی۔ اس کے دل میں یہ خلجان پیدا ہوا کہ میں انسان سے برتر ہوں۔ برتری کے اس تصور نے اسے تکبر میں مبتلا کردیا حالانکہ وہ خوب اچھی طرح جانتا تھا کہ اللہ ہی سب کا خالق و مالک ہے سب کا رازق و پروردگار ہے اس کے ہی علم وقدرت سے سارا نظام قائم ہے اس کے باوجود اس کی عقل پر پردہ پڑ گیا۔ اس نے اپنی رائے کو اہمیت دی اور اس پر عمل کر گزرا۔ حالانکہ جب نص صریح آجائے تو پھر فکر و نظر کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ اس کے بعد تو صرف اطاعت کرنا اور حکم کا نفاذ ہی کرنا ہوتا ہے۔ لیکن ابلیس نے سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے کہ کوئی بات' کوئی کام حکم الٰہی کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے۔ اس نے اپنے اختیار کا غلط استعمال کرکے حکم عدولی کرڈالی جس سے وہ ملعون قرار پایا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ جو بڑا ہی باخبر رہنے والا ہے اسے سب معلوم تھا لیکن اس نے حجت تمام کرنے کے لیے ابلیس سے اس کی نافرمانی کی وجہ دریافت فرمائی تو اس نے تکبر کیا اور بولا۔

(جاری ہے)



حصارِ محبت

سمیرا

ہجر کی تمازت سے وصل کے الاؤ تک
لڑکیوں کے جلنے میں دیر کتنی لگتی ہے
بات جیسی بے معنی بات اور کیا ہوگی
بات سے مکرنے میں دیر کتنی لگتی ہے

گاڑی کو ایک جھٹکا لگا تھا وہ ایک دم ہڑبڑا کر سیدھی ہوئی تھی۔ شام کے گہرے سائے پہاڑیوں کی چوٹیوں سے جھانک رہے تھے۔ آنکھیں ملتے اس نے سامنے دیکھا۔ باوردی ڈرائیور گاڑی چلا رہا تھا جبکہ اس کے ساتھ بیٹھا موسیٰ منیر دھیمے سروں میں گاڑی کے سناٹے میں گونجتی آواز کا ساتھ دے رہا تھا۔

ہم تیرے شہر میں آئے ہیں مسافر کی طرح
صرف اک بار ملاقات کا موقع دے دے

منتہیٰ نور کو اپنی اعصاب جھنجناتے محسوس ہوئے۔

یہ انداز...... یہ غزل...... یہ الفاظ!

یہ دلفریب پرسوز آواز اس کے اندر گہری چوٹ لگانے کو کافی تھی۔

میری منزل ہے کہاں، میرا ٹھکانا ہے کہاں
صبح تک تجھ سے بچھڑ کے مجھے جانا ہے کہاں
سوچنے کے لیے اک رات کا موقع دے دے

اس کے اعصاب پر سب سے بھاری موسیٰ کی آواز تھی۔ جیسے مذاق اڑاتی ہوئی...... تضحیک کرتی ہوئی ہو۔

"ایسا بھی کیا خاص ہے اس غزل میں...... عام سی تو ہے۔"

اس کے دماغ کے گوشے میں جھنجناتی آواز گونجی تھی۔

"موسیٰ منیر! تم جیسے انسان جو اوروں کو جوتے کی نوک پر رکھیں وہ کیا جانیں ہیں کہ شاعری اور احساسات کیا ہیں؟ یہ عام سی غزل ہے یا خاص تمہیں کیا تکلیف ہے؟ جاؤ اپنا کام کرو۔"

منتہیٰ نور کو اپنا ہی طنزیہ لہجہ سنائی دیا تو اس نے ہونٹ چبا لیے۔

"اتنے بڑے بول بولتی ہو" منتہیٰ نور کہ خود ہی منہ کے بل گر پڑو۔ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر موسیٰ منیر صاف اس کی تضحیک کر گیا تھا۔ اور اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ سامنے کھڑے شخص کا منہ نوچ دے۔

اپنی آنکھوں میں چھپا رکھے ہیں جگنو میں نے
اپنی پلکوں پہ سجا رکھے ہیں آنسو میں نے

میری آنکھوں کو بھی برسات کا موقع دے دے

خیالات کی تکلیف دہ لہر اسے مکمل طور پر بھگو گئی تھی۔ نجانے کیا کچھ یاد آیا تھا آنکھیں چھلکتی چلی گئی تھیں۔

”اور تم خود...... خود کو سمجھتے کیا ہو؟ طاقت کے زور پر عورت کو زیر کرنے والے۔ ایک سنگی جذبات کے مارے انسان کے علاوہ اور ہو کیا تم...... ایک شکی اور منتقم المزاج انسان؟“ نفرت ہی نفرت تھی اس کے لہجے میں۔

رات کے وقت جب سب اپنے اپنے کمروں میں محو خواب تھے تو دونوں اپنے کمرے میں جنگ و جدل کی حالت میں تھے۔

”بکواس بند کرو۔“ چیختا چنگھاڑتا لہجہ اسے ایک پل کو خاموش کروا گیا تھا۔ رات کی تاریکی میں یہ لہجہ اسے سہما گیا تھا۔ ”میں تھوکتا بھی نہیں ہوں تم پر...... مگر تم نے دوسروں کے ساتھ مل کر میری زندگی کو جہنم بنانے کا جو کھیل کھیلا ہے اس کی سزا بہت تکلیف دہ ہے ساری عمر تمہیں اپنی اس غلطی کا خمیازہ بھگتنا ہوگا۔ مجھ سے شادی کی سزا تمہیں بھگتنا ہوگی۔“ اس کے بازو کو اپنی وحشی گرفت میں جکڑے اس نے ایک پل میں اپنا اصل روپ دکھایا تھا۔ گزری رات کی تکلیف دہ باتوں اور وحشت بھری ساعتوں کو یاد کرتے منتھی نور کی آنکھوں میں نمی آتی چلی گئی تھی۔ گاڑی میں گونجتی آواز اس کے اعصاب پر بڑی بھاری تھی۔ لبوں کو کچلتے وہ باہر رخ پھیر گئی۔ کھڑکیوں سے باہر سرمگی پہاڑیاں شام میں اور بھی پراسرار دکھائی دے رہی تھیں۔

آج کی رات میرا درد محبت سن لے
کپکپاتے ہوئے ہونٹوں کی شکایت سن لے
آج اظہار خیالات کا موقع دے دے
ہم تیرے شہر میں آئے ہیں مسافر کی طرح

بھیگتی پلکوں کو لیے بڑے ضبط سے اندر کی طغیانی کو اپنے اندر ہی ہمیشہ کی طرح اتارنے کی کوشش میں وہ بری طرح ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوگئی تھی۔

بھولنا تھا تو یہ اقرار کیا ہی کیوں تھا؟
بے وفا تو نے مجھے پیار کیا ہی کیوں تھا؟
صرف دو چار سوالات کا موقع دے دے
ہم تیرے شہر میں آئے ہیں مسافر کی طرح

یہ شخص اس کی سب سے بڑی آزمائش تھا، جس سے اس نے بلا کی نفرت کی تھی ساری عمر تو انکار کرتے گزاری تھی مگر آج اس کے ساتھ اتنا طویل سفر کرنے پر مجبور تھی۔

اپنی بے بسی پر وہ خود ہی متاسف تھی۔ وہ کبھی اس شخص کے سامنے مجبور نہ ہوئی تھی۔ اینٹ کا جواب ہمیشہ پتھر سے دیا تھا۔ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر للکارا تھا۔

اپنی ذات کے مکمل مان و غرور سمیت اسے بارہا دھتکارا تھا مگر اب......!

غزل دوبارہ ریوائنڈ کی جارہی تھی۔ ضبط کی کوشش میں وہ چیخ کر رہ گئی تھی۔ صبر کی انتہا تھی یا چوٹ دل پر لگی تھی۔ ان الفاظ نے اسے بکھیر کر رکھ دیا تھا۔

”ڈرائیور! یہ ٹیپ بند کرو۔“ چیختا ہوا اعصاب شکن لہجہ نہایت غصیلا تھا۔ ڈرائیور اور موسیٰ نے فوراً پلٹ کر دیکھا تھا۔ ”میرے سر میں بہت درد ہو رہا ہے۔ بند کرو اس کو۔“ موسیٰ نے بغور جائزہ لیا۔ بھیگی پلکوں کی [illegible] دکھائی دی۔ ناراض سے لہجے پر کچھ کہنے کو [illegible] پھر لب بھینچ لیے اور ہاتھ بڑھا کر کیسٹ پلیئر آف کر دیا۔

”رہنے دیتیں بی بی جی! سفر [illegible] جاتا۔“ وہ سر جھٹک گئی۔ اس نے بیک [illegible] پر مرکوز موسیٰ کی مسلسل نگاہوں کو محسوس [illegible] پشت گاہ سے سر ٹکا کر آنکھوں پر [illegible] لیا تھا۔ گاڑی میں خاموشی چھا گئی تھی۔ ایک ایسی ہی خاموشی اس کے اندر بھی تھی جو اسے ہر روز توڑتی [illegible] روز اذیت کی بھٹی میں سلگتی تھی۔ باقی کا سارا سفر بہت خاموشی سے کٹا تھا۔ سارے سفر کے دوران موسیٰ اور ڈرائیور گفتگو کرتے رہے تھے سفر کے دوران انہوں نے کئی بار اسٹاپ کیا تھا مگر منتھی ہر بار گاڑی میں بیٹھی رہی تھی۔

اللہ اللہ کر کے سفر اختتام پزیر ہوا تھا۔

خوب صورت بنگلے کے سامنے باوردی ڈرائیور نے

گاڑی روکی تو وہ سیدھی ہوگئی۔ رات کی تاریکی میں صرف گاڑی کی ہیڈ لائٹس روشن تھیں۔

”آئیں بیگم صاحب! گھر آگیا ہے۔“ موسیٰ گاڑی سے نکل کر سامان نکال رہا تھا اس نے پلٹ کر اس سے مخاطب ہونے کی ضرورت محسوس نہ کی تھی۔ منتھی اپنی اس ازحد ہتک پر ششدر رہ گئی۔ ڈرائیور کے دروازہ کھولنے پر ناچار باہر نکل آئی۔

نجانے اب اس اجنبی شہر میں اپنوں سے اس قدر دور زندگی کیسے گزرنے والی ہے۔

موسیٰ اندر چلا گیا تو وہ بھی کلستے ہوئے اس کے پیچھے چل دی۔

گھر اندر سے خاصا کشادہ اور ہوادار تھا۔ سجاوٹ تو نہیں تھی مگر ضرورت کی ہر چیز موجود تھی۔ وہ بڑے سے ہال میں کھڑے اطراف کا جائزہ لے رہی تھی۔

”محمد خان...... اب تم ادھر ہی رہنا...... کھانے وغیرہ کا اہتمام کروا دینا مجھے کرنل صاحب کے پاس فوری پہنچنا ہے بہت کم وقت رہ گیا ہے شاید صبح تک واپسی ہو...... گھر کا خیال رکھنا۔“ وہ ابھی جائزہ ہی لے رہی تھی جب اچانک ایک کمرے سے یونیفارم بدل کر نکلتے موسیٰ کو دیکھ کر ٹھٹکی تھی اور پھر اسے قطعاً نظر انداز کرتے وہ راہداری کی طرف بڑھ گیا تھا۔

”یس سر!“ منتھی دو قدم دروازے کی طرف بڑھ آئی تھی۔ موسیٰ ڈرائیور سے مخاطب تھا۔

”میں نے کال کر دی ہے۔ صبح تک کرنل صاحب ایک اور ملازم بھیج دیں گے۔ گھر کا خیال رکھنا اور ہاں بی بی سے پوچھ لینا کسی چیز کی ضرورت ہو تو......؟“

منتھی کا جی چاہا کہ وہ چیخ چیخ کر روئے۔ اتنے بڑے گھر میں تنہا ہونے کے احساس سے ہی دل گھبرا اٹھا۔ کیا اس شخص نے اسے سزا دینے کا یہ نیا طریقہ ایجاد کیا تھا......؟

انجان جگہ اجنبی شہر ناآشنا در و دیوار اور اپنوں سے دوری۔ منتھی کے اندر وحشت نے سر ابھارا تھا۔

موسیٰ ملازم کو مزید ہدایات دے رہا تھا اور پھر وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا تھا۔ گاڑی اسٹارٹ ہونے کی آواز پر منتھی کو احساس ہوا کہ اس کا چہرہ بھیگ رہا ہے۔

”یا اللہ......“ اس کے دل سے اک ہوک سی اٹھی۔ موسیٰ کا ابھی انداز قطعی رویہ اور یوں بری طرح نظر انداز کرنا اس کی روح میں گہرے شگاف ڈال گیا تھا۔ وہ بے دم سی ہوگئی۔ اس شخص سے بھلائی کی توقع عبث تھی۔ اس منتقم مزاج شخص کی جانب سے وہ تو کبھی بھی غلط فہمی سے دوچار نہیں رہی تھی مگر اس دفعہ اس کے رویے نے اسے گویا آتش فشاں بنا دیا تھا۔ جی چاہا وہ کچھ بھی سوچے سمجھے بغیر آپا کی تمام ہدایات و یقین دہانیوں کو فراموش کیے یہاں سے چلی جائے۔ مگر وہ بے بس تھی اپنوں کے چہرے آنکھوں میں سمائے تو نڈھال سی تن تنہا اتنے بڑے گھر کے در و دیوار کو بے بسی سے دیکھتی ہال کمرے کے بڑے صوفے پر آ کر گر گئی تھی۔

یہ اس کی سزا تھی مگر انتہائی اذیت ناک اور تکلیف دہ...... وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

❁

اگلے دن شام کے قریب موسیٰ منیر کی واپسی ہوئی تھی۔

”السلام علیکم......“ محمد خان نے فوراً سلام کیا تھا۔

”وعلیکم السلام! بٹلر آ گیا تھا؟“ جواب دے کر محمد خان سے پوچھا تھا۔

”یس سر! صبح صبح پہنچ گیا تھا۔“ وہ سر ہلاتے اندر آ گیا تھا۔ گھر میں بلا کی خاموشی تھی۔ کیپ اتار کر صوفے پر ڈالتے اس نے محمد خان کو دیکھا۔

”بی بی کہاں ہیں؟“ محمد خان بہت پرانا ساتھی تھا۔ رجمنٹ اور مختلف علاقوں کی پوسٹنگ کے ساتھ اکثر ملاقات رہتی تھی۔ آج کل وہ اس کے ڈرائیور کے فرائض انجام دے رہا تھا مگر کسی غمگسار دوست سے کم نہ تھا۔

”بیگم صاحبہ تو رات ہی سے کمرے میں بند ہیں...... میں نے کئی بار دروازے پر دستک دی مگر انہوں نے کھولا ہی نہیں۔“

"کیا مطلب......" موی ٹھٹکا تھا۔ "وہ رات سے کمرے میں بند ہے؟" حیران ہو کر دریافت کیا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ "تمہارا مطلب ہے رات کا کھانا' ناشتا' لنچ' ڈنر کچھ بھی نہیں......؟" تشویش سے پوچھا تو اس نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

"او میرے خدا!" تشویش سے برا حال ہوا۔

"موی! خیال رکھنا...... یہ ہماری بہت پیاری چہیتی لاڈلی بہن ہے' کبھی تنہا نہیں رہی اتنی دور بھی صرف تمہارے بھروسے پر بھیج رہے ہیں دو دن سے رو رو کر اس نے طبیعت خراب کی ہوئی ہے پتا ہو کہ وہاں جاتے ہی تم اپنے کاموں میں الجھ کر اسے بھول جاؤ...... خیال رکھنا۔" جہاں زیب کی آواز اسے اپنے کانوں کے قریب سنائی دی۔

"موی! خیال رکھنا ضدی ہے مگر دل کی بہت اچھی ہے۔ دو دن سے نہ کچھ کھا رہی ہے اور نہ پی رہی ہے اور اوپر سے بخار بھی چڑھا لیا ہے۔ راستے میں پیار سے کچھ کھلانے کی کوشش کرنا۔" باجی زہرا کی ہدایت نے اسے مزید متوحش کر دیا اور پھر اس کو گزری رات کی اپنی ساری وحشت ناکی یاد آ گئی۔ غم و غصے کی کیفیت میں کیسے اس نے اسے بے بس کر دیا تھا۔ ذہنی طور پر تو وہ خود بھی خاصا ڈسٹرب تھا' اوپر سے منتہیٰ کی منہ زوری نے اسے مزید بھڑکا دیا تھا اور تمام سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں مفلوج ہو گئی تھیں کیسے وہ اس کی وحشت کی بھینٹ چڑھی تھی اور ستم یہ تھا کہ موی کو اپنے سلوک پر ذرا سی بھی ندامت محسوس نہ ہوئی تھی۔ صبح ایک دفعہ ٹکراؤ پر منتہیٰ کا بازو چھونے پر اس کے وجود کی حدت کا احساس ہوا تھا مگر وہ اپنے ہی نقصان کا ماتم کر رہا تھا' ذرا بھی توجہ نہ دی تھی اور اب یہاں آنے کے بعد بھی وہ اسے مکمل نظر انداز کر گیا تھا۔

سیالکوٹ سے ایبٹ آباد تک کی فلائٹ اور پھر بائی روڈ طویل رستہ!

موی نے کئی بار دروازہ کھٹکھٹایا مگر جواب ندارد تھا۔ منتہیٰ کی جذباتی کیفیت سے اگر واقف نہ ہوتا تو اسے اس کے حال پر چھوڑ کر اپنے نقصان پر ماتم کرتے ایک طرف ہو جاتا مگر اب جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا غصے کے ساتھ ساتھ تشویش بھی بڑھتی جا رہی تھی۔

"محمد خان...... تالے کی ایک اور چابی ہو گی؟" منتہیٰ کی طرف سے ناامید ہو کر محمد خان کو دیکھا۔

ملازمین کے سامنے عجیب شرمندگی کا احساس ہو رہا تھا۔ جی چاہ رہا تھا کہ لمحوں میں منتہیٰ نور کے حواس ٹھکانے لگا دے مگر......!

"جی سر......!"

"تو جلدی لے کر آؤ......" اگلے ہی لمحے وہ چابیوں کا گچھا لیے چلا آیا تھا۔ موی نے تالا کھول کر دروازہ کھولا تھا۔ اندر داخل ہوا تو پہلی نگاہ ہی بستر پر منہ کے بل دراز وجود پر پڑی۔ اپنے پیچھے دروازہ بند کر کے وہ آگے بڑھا تھا۔ انداز ایسا تھا کہ بس لمحوں میں جھنجوڑ کر رکھ دے گا۔

"منتہیٰ......!" غصے سے پکارتے بازو پکڑ کر ارادہ جھنجوڑ دینے کا تھا مگر موی منیر کو شدید جھٹکا لگا۔ منتہیٰ کا سارا وجود گویا آگ میں دہک رہا تھا۔ ہوش و حواس سے بیگانہ نجانے کب کی ایسے ہی پڑی ہوئی تھی۔

"منتہیٰ......!" انتہائی ضبط کا مظاہرہ کرتے اس نے اس کو سیدھا کیا تھا۔ اس کے رخسار کو سہلایا بھی تو کوئی حرکت نہیں تھی۔ منتہیٰ کا موبائل اس کے قریب ہی پڑا ہوا تھا جہاں صبح سے لے کر اب تک سیالکوٹ سے کئی کالز اور میسجز آ چکے تھے۔ سرخ و سفید امتزاج کے لباس میں وہ اور بھی دہک رہی تھی۔ اسے سیدھا کر کے الماری سے کمبل نکال کر اس پر ڈالتے اس نے محمد خان کو آواز دی۔

"محمد خان......!"

"یس سر۔"

"ہمارے بنگلے کے ساتھ جو ڈاکٹر جمشید کا بنگلہ ہے ان کو بلا لاؤ...... میم صاحبہ کی طبیعت ٹھیک نہیں۔"

"میم صاحبہ زیادہ خراب ہے کیا؟"

"ہوں...... اور سنو بٹلر کو کہو ٹھنڈا پانی اور کوئی پٹی بھیج دے۔ بخار بہت تیز ہے۔" پھر ڈاکٹر کے آنے تک وہ پٹیاں کرتا رہا تھا۔ ڈاکٹر جمشید نے آ کر چیک اپ کے

بعد میڈیسن دیں اور انجکشن لگا دیا تھا۔ ساتھ میں مسلسل پٹیاں کرتے رہنے کی ہدایت بھی کی تھی۔ رات دس بجے کے قریب منتہیٰ کے بخار کا زور ٹوٹا تھا۔ کچھ دیر بعد ایک کراہ کے ساتھ اس نے آنکھ کھولی تھی۔ سارا جسم پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا۔

"اماں!" اس کے لبوں سے نکلتا نام اسے شرمندگی سے دوچار کر گیا تھا۔ کچھ بھی تھا ذاتی اختلافات ایک طرف منتہیٰ کے والدین اس کی بہت عزت کرتے تھے۔ بھروسے اور اعتماد کے ساتھ اپنی چہیتی کے انکار کے باوجود سب کے اصرار پر اس کے ساتھ رخصت کیا تھا۔ اسے اچھی طرح علم تھا کہ اس کی طبیعت خراب ہے کل رات بھی محض ضد میں اسے اکیلی چھوڑ کر بغیر اس کی پروا کیے اس نے اپنی مصروفیات نبھائی تھیں۔ اور اب......!

"منتہیٰ......" نیم غنودگی میں تھی اس پکار پر ذرا سی ذرا پلکیں وا کی تھیں۔ کچھ دیر میں اس کی غنودگی میں فرق آیا تھا۔ بخار نے گویا ساری سدھ بدھ بھلا دی تھی۔ اپنی بیماری کمزوری توڑ پھوڑ اور ذہنی خلفشار سے اس کے آنسو بہتے رہے۔ وہ اس کی ذرا سی نگاہ برداشت نہ کرنے والی اس وقت اس کے مکمل طور پر رحم و کرم پر تھی۔ وہ خالی پیٹ تھی اور نہایت کمزور بھی موی نے بہلا پھسلا کر دودھ کا ایک گلاس پلایا تھا' ساتھ میں میڈیسن دی تھی۔ موی دوبارہ اسے غنودگی میں جاتے دیکھ کر کمبل اس پر ڈالتے مطمئن ہو کر واش روم میں گھس گیا۔

❋

موبائل فون کی تیز آواز نے منتہیٰ کو ہڑبڑا کر آنکھیں کھولنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس سے پہلے کہ اس کا ذہن صورت حال کا ادراک حاصل کرتا موی عجلت میں اندر آیا تھا۔ منتہیٰ کے سرہانے رکھا موبائل فون اٹھا کر فوراً ریسیو کیا تھا۔

"السلام علیکم زہرا باجی!" منتہیٰ مکمل حواسوں میں تھی۔ کمبل ہٹا کر دیکھا۔ موی کی اس کی جانب پشت تھی۔

"جی بالکل ٹھیک ہوں...... جی...... ایک دم مصروف ہو گیا تھا...... بس خیال نہیں رہا...... جی کرنل صاحب نے رستے میں ہی کال کر لیا تھا اب کیا کرتا......؟ بہت اچھا جب آپ کو ساری رپورٹ مل چکی ہے تو پھر اب اس بار پرس کا فائدہ......؟" تلخی سے جھنجلا کر کہا گیا تھا۔ منتہیٰ نے خاموشی سے آنکھیں بند کر لیں۔ رات آپا سے بات ہوئی تھی وہ اپنے اکیلے ہونے کا بتا دیا تھا۔ "اوف...... اب کیا کہہ سکتا ہوں میری ڈیوٹی ہی ایسی ہے...... پھر آپ کو ہی شوق تھا اسے میرے ساتھ روانہ کرنے کا...... اب میں کیا کر سکتا ہوں۔" مزید تلخی سے کہا گیا تھا۔ "آپا پلیز...... میں پہلے ہی "منتہیٰ نامہ" سن سن کر بیزار ہو چکا ہوں۔ میری اپنی بھی ایک زندگی ہے...... اگر اس کے ماں باپ کو اتنا ہی احساس ہے تو اپنی لاڈلی کو پاس رکھتے...... کیوں اماں ابا کے دباؤ میں ساتھ روانہ کیا ہے......؟"

اتنا اجنبی اور تلخ رویہ......! منتہیٰ کا دل بھر آیا۔

"آپا کوئی نصیحت نہیں...... زور زبردستی سے ہی بیاہ کر لے گیا ہوں اب تو سکھ کا سانس لینے دیں۔" منتہیٰ نے لب دانتوں تلے دبا لیے۔ "منتہیٰ! ٹھیک ہے وہ...... کچھ نہیں ہونے والا اسے...... بعد میں بات کر لیجیے گا...... باتھ لے رہی ہے وہ۔ تبھی تو اس کا سیل میرے پاس ہے......" منتہیٰ حیران ہوئی اس کے جھوٹ پر۔ "آپ بلاوجہ تحقیقات مت کرتی رہا کریں۔ اوف! کہا نا وہ باتھ روم میں ہے...... آپا پلیز! وہ آپ کی اگر نند ہے تو میں بھی آپ کا بھائی ہوں سگا! اتنی بے اعتباری کس بنیاد پر ہے آخر......؟" آخر میں وہ زچ ہی تو ہو گیا تھا۔ "آپا وہ اب میری بیوی ہے۔ یاد رکھیے گا۔" کہتے ہوئے وہ پلٹا تھا۔ منتہیٰ کو جاگتے دیکھ کر ٹھٹکا۔ پھر سر جھٹکا۔ "اچھا آپا...... پھر بات ہو گی...... میں خود ہی کال کر لوں گا...... بے فکر رہیں کیوں نہیں...... اف! اچھا...... اچھا...... سیز فائر...... لڑائی کا قطعی موڈ نہیں پھر بات ہو گی۔ آپ کو تو مجھ سے گلے ہی رہتے ہیں کبھی میرا بھی حال دریافت کر لیا کریں۔ میں بھی اتنا ہی مظلوم ہوں...... او کے اللہ حافظ۔"

منتھیٰ اسے یکسر نظر انداز کیے کمبل ہٹا کر بستر سے نکلی تھی۔ کہنے کو تو وہ ابھی ایک پل میں محاذ کھول لیتی مگر فائدہ ......! اس انسان میں انسانیت ہی نہیں تھی' وہ اس کے سب سلوک دیکھ اور برت چکی تھی۔ کھڑے ہو کر ارادہ باتھ روم جانے کا تھا مگر دوسرے قدم پر ہی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا تھا۔ تین دن سے خالی پیٹ تھی' بیماری' بھوک' کمزوری' یہ حال تو ہونا ہی تھا۔ منتھیٰ نے گرنے سے بچنے کے لیے اطراف میں ہاتھ بڑھایا مگر سہارے کے لیے کچھ ہوتا تو ہاتھ آتا۔ موسیٰ جو دیکھ رہا تھا اس نے فوراً آگے بڑھ کر تھام لیا۔

"کیا ہوا......؟" وہ موسیٰ کے بازو کو جکڑے' کندھے پر سر رکھے خود کو سنبھال رہی تھی۔ اس آواز پر چونک کر سنبھلی۔ سر اٹھا کر خالی نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ خاصی تشویش سے دیکھ رہا تھا۔ منتھیٰ کو کچھ پل میں بے پناہ قربت کا احساس ہوا تو پیچھے ہٹی۔ شرمندگی' خجالت' غم و غصے سمیت نجانے کس کس احساس نے آ کر اس کے قلب و ذہن کو جھنجوڑ دیا تھا۔

"چھوڑو مجھے......!" چیختی ناگوار آواز تھی موسیٰ اس قدر عزت افزائی پر ششدر رہ گیا۔

"شٹ اپ۔" غصے سے پیچھے دھکیلتے وہ بھی غرایا۔ "مجھے کوئی شوق نہیں تمہیں چھونے کا......" بڑا توہین آمیز انداز تھا۔ منتھیٰ تو اتنا پر مرنے والی تھی' حالت اس قدر خراب نہ ہوتی تو وہ کہاں اس شخص کو برداشت کرتی۔ کہاں اس کا احسان لیتی۔ اس کے ہاتھوں کو جھٹکتے وہ نفرت سے پیچھے ہٹی تھی۔

"ہاں جانتی ہوں کتنا اختیار ہے تمہیں خود اپنے پر...... مجھ سے بہتر کون جانتا ہوگا تمہیں......" ایسی چوٹ تھی کہ موسیٰ ایک دم سلگ اٹھا۔

"تم حد سے گزر رہی ہو منتھیٰ!" بے پناہ اشتعال انگیزی سے باور کروایا تھا۔

"مجھے حد کی بات نہ سناؤ...... اگر حد کی بات ہوتی تو میں اس وقت اس اجنبی جگہ بیٹھی رو رہی ہوتی' بلکہ میرے اردگرد میرے اپنوں کا ہجوم ہوتا۔ تمہیں کیا پتا موسیٰ منیر حد سے گزرنا کسے کہتے ہیں؟" وہ اس سے زیادہ غصے سے بھڑکی تھی نقاہت کی وجہ سے آواز میں کپکپاہٹ تھی مگر وہ اس کے سامنے اب خود کو مزید ارزاں نہیں ہونے دینا چاہتی تھی۔ "میں اپنوں کی محبتوں کی وجہ سے مجبور ہوں جو ادھر آ گئی ہوں ورنہ تمہارے ساتھ ساری عمر رونے سے بہتر ہے کہ میں کچھ کھا کر مر جاؤں۔" نفرت ہی نفرت تھی۔ موسیٰ منیر لب بھینچے اسے دیکھتا رہا۔ نقاہت سے ہانپتی کانپتی آواز میں وہ اسے سنا رہی تھی۔ اس نے اسے کچھ کہنا چاہا مگر پھر لب بھینچ کر اس پر ایک تیز غصیلی نگاہ ڈال کر کمرے سے نکل گیا تھا اور منتھیٰ بے دم سی دوبارہ بستر پر گر گئی تھی۔

......◉......

دو تین دن میں اس کی طبیعت بھی بحال ہو گئی تو اپنی تنہائی سے گھبرا کر اس نے خود کو گھرداری میں مصروف کرنا چاہا۔ محمد خان اور بٹلر کی موجودگی میں اس کے لیے کرنے کو کچھ باقی نہیں رہتا تھا۔ کچن بٹلر کے ذمے اور باہر کی ذمہ داریاں محمد خان کے سپرد تھیں۔ اس گھر میں اتنا سامان تھا نہیں کہ وہ خود کو چیزوں کو درست کرنے یا سلیقے سے سجانے میں مصروف رکھتی۔ بیڈ روم میں بیڈ الماری اور ہال کمرے میں صوفوں کے علاوہ باقی ضرورت کا ہلکا پھلکا فرنیچر تھا۔ ہاں کچن میں ضرورت کا سامان تھا۔ ان سے بھی وہ کب تک دل بہلاتی۔ دو تین دنوں میں ہی وہ اکتانے لگی تھی۔ وہ بھرے پرے گھر سے آئی تھی' اماں کو نوکروں سے کام کروانا بہت برا لگتا تھا۔ میکے سسرال دونوں جگہوں میں ہی ملازم نہ تھے سب کام خود ہی کرنے پڑتے تھے۔ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنے کی عادت تھی ہی نہیں۔ موسیٰ کا وہی معمول تھا۔ صبح کا گیا رات گئے لوٹتا' دونوں ہی ایک دوسرے سے پہلو بچانے کی کوشش میں تھے۔

......◉......

وہ کل پانچ بھائی اور چار بہنیں تھیں۔ منتھیٰ سب سے

چھوٹی اور گھر بھر کی لاڈلی تھی' بھانجے بھانجیوں اور بھتیجے بھتیجیوں کی ایک فوج تھی۔ منیر چاچا کا گھر گاؤں میں ان کے پڑوس میں تھا۔ منیر چاچا کے دو بیٹے اور چار بیٹیاں تھیں باجی زہرا سب سے بڑی تھیں پھر نواز بھائی اور دو بیٹیوں کے بعد موسیٰ اور سب سے چھوٹی عیشہ تھی۔ ابا اور چچا منیر کا بچپن سے بھی بڑا پیار تھا۔ چاچا منیر ملازم آدمی تھے جبکہ ابا کی اپنی زمینیں تھیں جو انہوں نے ٹھیکے پر دے رکھی تھیں۔ اماں ابا بہت زیادہ پڑھے لکھے نہ تھے مگر انہوں نے اپنا شوق اپنی اولاد کو پڑھا لکھا کر پورا کیا تھا۔ وقت کے تقاضوں کے مطابق ساری اولاد کو ہی تعلیم کے زیور سے آراستہ کیا تھا۔ بڑے بھائی کی شادی منیر چاچا کی زہرا باجی سے ہونے سے بڑوں کا محبت بھرا یہ تعلق رشتہ داری میں بدل گیا تھا۔ زہرا بھابی بہت اچھی اور سلیقہ مند واقع ہوئی تھیں۔ سسرال کو انہوں نے جس احسن ذمہ داری اور سلیقہ مندی سے سنبھالا تھا سب ان کے گرویدہ ہو گئے تھے۔ زہرا بھابی کی تو وہ کچھ زیادہ ہی چہیتی تھی مزید ان کے بچوں نے کسر پوری کر دی تھی۔ جہاں زیب بھائی عیشہ کو پسند کرتے تھے اماں ابا نے بھائی کی خواہش پر عیشہ کا رشتہ منیر چاچا سے مانگا تو انہوں نے جواباً اپنے کیپٹن بیٹے موسیٰ منیر کے لیے منتھیٰ نور کا رشتہ مانگ لیا۔ اماں ابا کو بظاہر تو کوئی انکار نہیں تھا مگر سوچ کر جواب دینے کو کہا۔ منتھیٰ کو پتا چلا تو اس نے زمین آسمان ایک کر دیا۔

"موسیٰ سے شادی سے بہتر ہے میں زہر کھا لوں۔" وہ ایسی ہی منہ پھٹ تھی۔ زہرا بھابی کو برا لگا۔

"کیوں کیا خرابی ہے موسیٰ میں......؟"

"یہ پوچھیے کیا خوبی ہے آپ کے بھائی میں......؟ مجھے تو وہ منیر چاچا کا بیٹا لگتا ہی نہیں...... سارا بچپن تو اس نے میرے ساتھ دشمنیاں پالتے گزارا ہے' دنیا میں اور لڑکے ختم ہو گئے ہیں کیا؟" اس نے خاصے تیکھے پن سے کہا تھا۔ بھابی ہنس دیں۔

"اب ایسا بھی نہیں...... لاکھوں میں ایک ہے میرا بھائی...... کیپٹن ہے۔ ترقی کے مواقع ہیں جو بھی لڑکی آئے گی عیش کرے گی۔" انہوں نے بڑی محبت سے کہا تھا وہ جل بھن گئی۔

"ہاں تو کروا دیجیے عیش مجھے تو بخشیں...... میں نے اول تو ابھی شادی کے بارے میں سوچا ہی نہیں اگر ایسا ہوا بھی تو ہرگز وہ موسیٰ منیر نہیں ہوگا۔" صاف جواب تھا۔

"کیوں......؟"

"بھابی پلیز! آپ میرے اور موسیٰ کے تعلق کو اچھی طرح جانتی ہیں۔ ساری زندگی ہماری ایک دوسرے کے خلاف نبرد آزما رہتے گزری ہے۔ میں زمین ہوں وہ آسمان...... ہمارے خیالات' احساسات ہر چیز میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ میں تو اس کے لیے انتہائی ناقابل برداشت ہوں۔ ہم ایک جگہ اکٹھے بیٹھ کر سکون سے ایک منٹ نہیں گزار سکتے' آپ لوگ ساری زندگی کی بات کرتے ہیں۔ ہرگز نہیں...... ناممکن!"

"مگر منتھیٰ! یہ ہم سب کی خواہش ہے!"

"مگر میری نہیں اور مجھے یقین ہے موسیٰ منیر بھی ایسا نہیں چاہے گا۔" زہرا بھابی خاموش ہو گئی تھیں۔ بظاہر یہ رشتے والی بات دب گئی تھی عیشہ اور جہاں زیب کی منگنی کے بعد تو وہ مطمئن ہو گئی تھی کہ اماں ابا نے اس کے موقف کو سمجھ لیا ہے۔

گاؤں میں رہائش ہونے کے باوجود ان کے گھروں میں ہر چیز موجود تھی۔ دنیا کی ہر سہولت تھی۔ مشترکہ خاندانی سسٹم تھا سارے بھائی اور ان کی اولادیں اکٹھی تھیں۔ باجیاں اپنے اپنے گھروں میں اب صرف وہ اور جہاں زیب ہی بیاہنے والے رہ گئے تھے۔

وہ اور عیشہ ماسٹر کر رہی تھیں۔ روز سیالکوٹ جاتی تھیں۔ عیشہ کی شادی اس کے ایگزیمز کے بعد طے تھی جبکہ منتھیٰ کے انکار کے بعد اماں ابا نے دوبارہ اس کی شادی کا موضوع نہیں چھیڑا تھا۔ اس دن وہ تیار ہو کر عیشہ کو لینے سامنے گھر آئی تو سامنے چاچی تخت پر براجمان تھیں۔

"السلام علیکم چاچی!"

''وعلیکم السلام...... بیٹھو'' انہوں نے کہا تو اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''نہیں چاچی! دیر ہو رہی ہے۔ عیشہ کدھر ہے؟ ابھی تک آواز نہیں دی میں انتظار کرتے کرتے نکلی ہوں' وین آ گئی ہوگی۔''

''پتا نہیں تیار تو ہو گئی تھی...... اندر کہیں ہوگی تو خود دیکھ لے......'' منتھی نے کوفت سے کلائی کی گھڑی دیکھتے فٹافٹ اندر کی طرف قدم بڑھائے۔

''عیشہ......!'' وہ سیدھی اس کے کمرے کی طرف آئی تھی۔

''عیشہ...... عیشہ......!'' اس نے جیسے ہی پردہ ہٹایا تھا عیشہ کی بجائے موسیٰ منیر کو سامنے دیکھ کر حیران ہوئی......

''یہ کب آئے؟'' دل میں سوچا۔ پھر ادھر ادھر جھانکا۔ ''عیشہ کہاں ہے؟'' بغیر اس کو کوئی اہمیت دیے لٹھ مار انداز میں پوچھا۔

''دو مسلمان جب آپس میں ملیں تو سلام کرنا فرض بنتا ہے۔'' موسیٰ کا وہی انداز تھا۔ منتھی کے چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ بکھر گئی۔

''جی ضرور...... السلام علیکم اعیشہ......!'' ایک طنزیہ مسکراہٹ اس کی طرف اچھال کر سلام کہہ کر اس نے پھر آواز دی۔

''وعلیکم السلام۔ وہ میرے کمرے میں ہے۔'' اس کی طرف دیکھتے اس نے سکون سے جواب دیا تو وہ چونکی۔

''کیوں؟''

''میرے کپڑے پریس کر رہی ہے۔'' اب کے اسے غصہ آیا۔

''اوف......! ہمیں دیر ہو رہی ہے' وین والا کب سے آیا کھڑا ہے' اس گھر میں کوئی اور نہیں رہتا' کسی سے بھی پریس کروا لیتے۔ صبح صبح لیٹ کروا کر رکھ دیا ہے۔'' وہ کوفت سے دوچار ہوتی کچھ غصے سے کہتی پلٹی تھی۔

''سنو......'' وہ پلٹی سر سے پھسلتا دوپٹا دوبارہ سر پر جمایا مگر موسیٰ کی نگاہیں دوپٹے سے جھانکتی اس کی دراز چوٹی

کے بلوں پر اٹک گئیں۔

''جی فرمایئے اب کیا حکم ہے؟'' خاصے تیکھے پن سے پوچھا تھا۔

''نہیں رہنے دو اس وقت تو تم لوگوں کو دیر ہو رہی ہوگی پھر بھی سہی۔ میں عیشہ کو بلواتا ہوں۔'' بڑی شرافت سے وہ کہہ کر اس کی سامنے سے نکل گیا تھا اور منتھی حیرت زدہ رہ گئی خود ہی روک کر اب بنا بات کیے چلا گیا تھا۔ دوسرا اتنا پرسکون انداز وہ دونوں تو عام حالات میں بھی جنگ وجدل کی کیفیت میں رہتے تھے۔ منتھی کو اس کا انداز ہضم نہ ہوا۔ عیشہ کو آتے دیکھ کر اس نے سر جھٹکا۔

''کہاں مر گئی تھیں تم...... اتنی لیٹ ہو گئی ہیں ہم...... اب وہ وین والا سو نخرے کرے گا اور تم کر کیا رہی تھیں......؟'' اب کے اس نے غصے سے اسے لتاڑا۔

''آرام سے سکون سے...... ایک تو تم بنا رکے شروع ہو جاتی ہو۔'' اپنی کتابیں لے کر وہ فوراً چادر اوڑھ کر اس کے ساتھ کمرے سے نکل آئی تھی۔ ''اچھا اماں! ہم جا رہی ہیں ناشتا تیار کر دیا ہے۔ موسیٰ بھائی کو کہیے گا کہ کریں اور نواز بھائی کو بھی......'' اماں سے کہہ کر وہ اس کے ساتھ گھر سے نکل آئی تھی۔ وین والا کھڑا تھا۔ سو باتیں سنی پڑی تھیں اس کی۔ منتھی نے بھی دس سنا کر سیٹ سنبھالی تو عیشہ اس کے سوجے منہ کو دیکھ کر مسکرا دی۔

''بات نہیں کرو مجھ سے صرف تمہاری وجہ سے اس ''کالو'' کی سو باتیں سنی پڑ گئیں......''

''صبح موسیٰ بھائی آئے تھے فوراً گھنٹے بعد کہیں کام کے لیے جانا تھا۔ بس ان کے لیے ناشتا تیار کرنے اور کپڑے پریس کرنے میں دیر ہو گئی۔ رات سے ساجدہ بھابی بھی میکے گئی ہوئی ہیں۔ تو تمہیں پتا ہے موسیٰ بھائی کی پسند کا ناشتا تیار کرنا اماں کے بس کا کام نہیں۔'' اس نے کہا تو وہ سر جھٹک گئی۔ موسیٰ کے ذکر پر اس کا ہمیشہ یہی انداز رہا تھا۔ اس کی موسیٰ سے کوئی خاص دشمنی نہ تھی مگر جانے کیوں وہ اسے شروع سے ہی اچھا نہیں لگتا تھا۔ شروع سے ہی اسے موسیٰ سے چڑ تھی۔ کبھی بنی ہی نہ تھی۔ اور

جب سے رشتے کی بات چلی تھی تو وہ اس سے کچھ زیادہ ہی خار کھانے لگی تھی۔

رات کھانے کے بعد عیشہ اور موسیٰ چلے آئے تو سب سے مل کر جہاں زیب اور موسیٰ کا چہل قدمی کا پروگرام بنا تھا۔ جہاں زیب نے ساتھ چلتے ہوئے انہیں بھی پیش کش کی تو وہ فوراً تیار ہو گئیں۔ اماں سے اجازت لے کر وہ بچوں کو ساتھ لیے ان کے ساتھ ہی چلی آئی تھیں۔ بچے اودھم مچا رہے تھے وہ کھیتوں کی طرف نکل آئے تھے۔ چاندنی رات کی ہر سو روشنی بکھری پڑی تھی۔ وہ اور عیشہ دونوں ٹیوب ویل کے ساتھ کی دیوار پر چڑھ کر بیٹھ گئیں جبکہ بچے کھیتوں میں آنکھ مچولی کھیلنے لگے تھے۔

''کتنی اچھی رات ہے......'' عیشہ نے چاند کی طرف دیکھتے کہا تو وہ ہنس دی۔ ''جہاں زیب بھائی کا ساتھ ہے تمہیں تو اچھی لگے گی ہی نا!'' اس نے چھیڑا تو وہ جھینپ گئی۔

''کیوں نہیں۔''

''میں بھی کہوں آج تمہارا دل باہر چہل قدمی کو کیسے مچل گیا ہے۔ خوب موقع ڈھونڈا ہے تم نے۔'' وہ کہاں باز آنے والی تھی۔

''ہاں بڑا اچھا موقع دے رہے ہو تم اور موسیٰ بھائی...... تم نے تو مجھے اپنے پہلو میں بٹھا رکھا ہے اور موسیٰ بھائی نے اسے۔'' وہ بھی شرارت سے گویا تھی۔

''ہائیں......! اتنا بڑا الزام؟ دفع ہو جاؤ' جا رہی ہوں میں...... مرو تم...... ایک تو تمہاری وجہ سے سارے کام چھوڑ کر آئی ہوں اوپر سے یہ الزام! تمہارا بھائی ہے جیسے مرضی اسے یہاں سے دفع کرو۔ میں آم کے باغ میں جا رہی ہوں خبردار میرے پیچھے آئیں تو......!'' وہ فوراً برا مان کر وہاں سے اٹھی تھی۔

''رکو تو...... منتھی! رکو......!'' وہ آوازیں دیتی رہ گئی تھی مگر وہ اب کہاں رکنے والی تھی۔

''کیا ہوا ہے......؟'' موسیٰ اور جہاں زیب قریب ہی تھے اس کے آوازیں دینے پر فوراً چلے آئے تھے۔

''منتھی اکیلی آموں کے باغ میں چلی گئی ہے ناراض ہو کر......''

''کیوں؟''

''ہماری کسی بات پر بحث ہو گئی تھی۔''

''میں دیکھتا ہوں......'' جہاں زیب نے کہا تو وہ دونوں بہن بھائی بھی ساتھ ہو لیے۔ باغ میں آئے تو وہ بچوں سمیت باغ میں تھی۔

''تو یہ ہے تم نے تو ڈرا کر رکھ دیا تھا۔'' عیشہ نے سکون کا سانس لیا۔

''میرے سامنے ہی بچے ادھر گھسے تھے سو میں بھی ادھر آ گئی تھی۔'' اس نے بے پروائی سے سر جھٹکا۔

''تمہیں تو موقع دیا تھا اب کیوں ادھر آ گئی ہو؟'' وہ جیسے ہی قریب آئی اس نے طنز کیا۔

''میں باز آئی بابا ایسے موقعوں سے۔'' اس نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔ موسیٰ اور جہاں زیب خاموشی سے ادھر ہی ٹہلنے لگے۔ کچھ دیر میں بچوں کو لے کر وہ لوگ واپس پلٹ آئے تھے۔

''آؤ! تمہیں بہت اچھی چائے پلاؤں گی۔'' اپنے گھر کے دروازے پر کھڑے ہو کر عیشہ نے پیش کش کی تھی۔

''میں اکیلی نہیں ہوں۔'' اس نے جہاں زیب اور بچوں کی طرف اشارہ کیا تھا۔

''بچوں کو گھر بھیجو اور آ جاؤ۔'' موسیٰ اور جہاں زیب پیچھے آ رہے تھے۔ اس لیے بچوں کو اس نے گھر بھیجا تھا تب تک وہ دونوں بھی دروازے تک پہنچ گئے تھے۔

''چلو بھئی اب کیا ارادہ ہے؟'' جہاں زیب نے منتھی کو دیکھا۔

''میں چائے پلا رہی ہوں آپ دونوں پی کر جایئے گا۔'' عیشہ اس کا بازو پکڑ کر اندر لے گئی تو جہاں زیب بھی چلا آیا تھا۔

"ساجدہ بھابی رہنے گئی ہیں کیا......؟" وہ اس کے ساتھ ہی کچن میں چلی آئی تھی۔ عیشہ نے چائے بناتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔ "ایک بات پوچھوں؟" چائے بنا کر مگوں میں ڈالتے عیشہ نے پوچھا تو وہ چونکی۔

"ہاں پوچھو؟"

"تم نے موسیٰ بھائی نے کے لیے انکار کیوں کیا تھا؟" کئی دنوں بعد اس کے لبوں پر پھر وہی سوال تھا جو وہ بارہا پوچھ چکی تھی۔

"میری مرضی...... تم کیوں پوچھ رہی ہو؟"

"میری بھی مرضی......" اس نے اس کے جواب پر ناراضگی سے جتایا اور اس کو مگ تھما کر باہر کی راہ لی تھی۔ "تم میرے کمرے میں چل کر بیٹھو۔" وہ جاتے جاتے ہدایت دے گئی تھی۔

وہ بڑے آرام سے اس کے بستر پر نیم دراز چائے کی چسکیاں لے رہی تھی جب دروازے پر دستک ہوئی تھی وہ چونکی۔

"اپنے کمرے میں آنے کے لیے تمہیں کب سے دستک کی عادت پڑ گئی ہے۔" بغیر نشست بدلے وہ بولی تھی مگر عیشہ کی بجائے موسیٰ کی صورت دیکھ کر وہ ایک پل میں سیدھی ہوئی تھی۔ سوالیہ نظروں سے موسیٰ کو دیکھا۔

"مجھے تم سے ایک بات کرنی ہے۔" وہ پھر بھی کچھ بھی بولے بغیر دیکھے گئی۔ "تم نے میرے لیے انکار کیوں کیا تھا؟" بغیر تمہید کے اس نے براہ راست سوال کیا۔

"میری مرضی۔"

"میں وجہ پوچھ رہا ہوں منتہٰی!" اس نے بڑی سنجیدگی سے ٹوکا تھا۔

"بس تم مجھے پسند نہیں ہو۔" موسیٰ کے لیے اس کا وہی دوٹوک صاف انداز تھا۔ بے لحاظ سا بے لچک۔

"کیوں......؟" بڑا شدید احتجاج ہوا تھا۔ اسے شاید اتنی صاف گوئی کی امید نہ تھی۔

"میری مرضی۔"

"منتہٰی!" اس نے کچھ تیزی سے ٹوکا تو وہ اس سے زیادہ تیزی سے بولی۔

"چلاؤ مت موسیٰ منیر! کسی کو رد کرنے کے لیے ضروری نہیں کہ کوئی خاص وجہ بھی ہو اور میں دل میں کینہ رکھنے والی لڑکی نہیں ہوں۔ تم سے میری ذہنی مطابقت نہیں ہے، ہم دونوں کی سوچ میں بلا کا تضاد ہے۔ ہم دونوں عام حالات میں مل بیٹھ کر گزارا کرنے والے انسان نہیں تو پھر ساری زندگی گزارنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور سب سے بڑی وجہ یہ کہ میں تمہیں جیون ساتھی کی حیثیت سے پسند نہیں کرتی بس!" اس نے بے پروائی سے کہتے ہوئے کندھے اچکائے تھے بے سوچے اور دیکھے بغیر کہ اس کے ذرا سے الفاظ کسی کے اندر کس قسم کے جذبات پیدا کرسکتے ہیں۔ کسی کی نظر میں اپنا آپ رد ہوجانا موسیٰ منیر نے بڑے ضبط سے اسے دیکھا۔

"بہت اچھی بات ہے۔ میں بھی بس یہ بات صاف کرنا چاہتا تھا۔ زہرا چاچی کے بقول تم سے شادی کرکے ایک اچھی زندگی گزر سکتی ہے۔ جبکہ میں ایسا نہیں سمجھتا بظاہر تمہارے انکار سے یہ موضوع ختم ہوچکا ہے مگر بڑوں کے ذہنوں میں کیا چل رہا ہے میں بے خبر ہوں ہاں تمہیں بس یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جس طرح تم نے اب انکار کیا ہے آئندہ بھی کوئی ایسی صورت حال ہوئی تو انکار [illegible] خود بھی تم جیسی لڑکی سے شادی نہیں کرنا چاہتا [illegible] بھی بڑے پرسکون انداز میں کندھے اچکائے تھے اور اس کے انداز نے منتہٰی کو بڑی [illegible] سے دوچار کیا تھا۔

"ہاں تو ہر [illegible] انکار کروں تم خود کرلینا۔" اس نے [illegible] کہا تھا اور "تم جیسی لڑکی" سے کیا مراد ہے [illegible] سی لڑکی ہوں میں؟" موسیٰ کے الفاظ [illegible] بڑی توہین محسوس ہوئی تھی۔

"ہاں انکار تو میں نے پہلی بار بھی کیا تھا اور آئندہ بھی کروں گا اور تم جیسی لڑکی سے مراد وہی مطلب ہے جیسا تمہارے ذہن میں میرے بارے میں تاثر ہے۔ ہاں چند الفاظ کا اضافہ ضرور کروں گا۔ میں ایک پرسکون اور مطمئن زندگی گزارنے کے لیے شادی کرنا چاہوں گا تاکہ عمر بھر کا نقصان اپنے مقدر میں لکھوالوں......؟ اور تم سے شادی کرنے کا مطلب ہے عمر بھر کا خسارہ، ذہنی اذیت اور خلفشار......" بڑے سکون سے وہ منتہٰی نور کی ذات کے پرخچے اڑا گیا تھا اور وہ ششدر رہ گئی تھی۔

"اور تم خود کیا ہو؟ اچھی شکل و صورت کا غرور ہی کم نہیں ہوتا۔ ایک اچھی جاب پر فائز ہو تو ہم بھی کسی سے کم نہیں۔ تم سے شادی کے نہ میں نے خواب دیکھے ہیں اور نہ ہی ایسی نوبت آئے گی۔ ساری عمر [illegible] رونا نہیں ہے۔" وہ کیوں چپ رہتی اس سے زیادہ تلخی سے بولی تھی۔

"بکواس بند کرو۔" وہ غصے سے بولا تھا۔

"تم بھی بکواس بند کرو۔" اس نے لب بھینچ کر اسے گھورا وہ بھی بنا لحاظ کیے اسے گھور رہی تھی۔

"کیا ہوا؟" دونوں کو اس قدر برے انداز میں دوبدو تلخ کلامی کرتے دیکھ کر عیشہ فوراً اندر آئی تھی۔ منتہٰی نے اسے گھورا۔

"عیشہ اپنے بھائی کو سمجھالو آئندہ میرے منہ لگنے کی ضرورت نہیں۔ اس کی راہ الگ ہے اور میری الگ۔ شادی سے انکار میرا شرعی حق تھا جو میں نے استعمال کیا۔ یہ اونچے عہدے پر فائز ہے یا شکل صورت اچھی ہے تو مجھے اس سے کوئی غرض نہیں۔ جب ذہن ہی نہ ملتے ہوں تو بڑوں کی سوچ کوئی معنی نہیں رکھتی۔ دونوں طرف بہترین رشتے مل سکتے ہیں اور مل بھی جائیں گے میں نے انکار کردیا میرا مقصد کسی کی توہین کرنا نہیں تھا اگر اس نے توہین محسوس کی مجھ سے باز پرس کی ہے تو یہ اس کا ذہنی خلل ہے۔ آئندہ یہ میری راہ میں آنے یا بات کرنے سے سو بار سوچ لے۔" غصے سے موسیٰ کو دیکھتے عیشہ سے کہتی وہ بستر سے اتر آئی تھی۔ موسیٰ پر منتہٰی کے الفاظ نے کسی اور ہی انداز میں اثر کیا تھا۔

"مائی فٹ! یہاں کون مر رہا ہے تمہارے لیے؟"

"تو پھر اس سارے ڈرامے کا مقصد؟" انتہائی سلگ کر پوچھا تو وہ ایک دم غصے سے بے قابو ہوا تھا۔

"تم انتہائی بدتمیز اور بدتہذیب لڑکی ہو۔" منتہٰی زہرخند انداز میں ہنس دی۔

"شکریہ! اور کوئی ارشاد......" وہ غصے سے گھورتا پاؤں پٹختے وہاں سے چلا گیا تو اس نے بھی سر جھٹکا۔ عیشہ نے بڑی بے چارگی سے اسے دیکھا۔

"موسیٰ بھائی نے ویسے ہی پوچھ لیا ہوگا تم نے خوامخواہ برا منالیا۔"

"اب تم میرا دماغ چاٹنے نہ بیٹھ جانا اور اپنے بھائی کو اچھی طرح سمجھا دو آئندہ اس نے میرے ساتھ الٹی سیدھی بات کی تو میں سیدھا چاچی کے پاس چلی آؤں

گی۔ ڈرتی نہیں ہوں کسی سے۔" غصے سے اسے جواب دے کر وہ جہاں زیب کا بھی انتظار کیے بغیر وہاں سے نکل آئی تھی۔

اس کے بعد موسیٰ منیر کا جب بھی گاؤں آنا ہوا دونوں کے درمیان عجیب سی سرد جنگ چھڑ گئی تھی۔ دونوں میں سے کوئی ایک چلتے پھرتے کوئی نہ کوئی ایسی بات کر جاتا کہ دوسرا فریق اپنی جگہ سلگتا رہ جاتا تھا۔

⁂

اس دن وہ عیشہ کے ساتھ کالج کے میدان میں اپنے گروپ سمیت بیٹھی ہوئی تھی۔ ماہ جبیں اپنی بہن کی منگنی کی تصاویر لے کر آئی تھی وہ سب مل کر ہر تصویر پر تبصرے کر رہی تھیں۔

"واہ زبردست' بڑی پیاری لڑکی ہے۔ کون ہے؟" ستارہ ایک تصویر کو دیکھ کر ماہ جبیں سے پوچھ رہی تھی۔ لڑکی واقعی بہت پیاری تھی۔ منتہیٰ نے بھی سر اٹھا کر ماہ جبیں کو دیکھا۔

"یہ فاروق بھائی (بہن کا منگیتر) کی بہن ہے۔ اپیا کی نند نتاشا۔" ستارہ نے تصویر پلٹی تھی۔ اگلی تصویر دیکھ کر جہاں عیشہ چونکی تھی وہیں وہ بھی حیران ہوئی تھی۔

"یہ لڑکا کون ہے؟" ستارہ پوچھ رہی تھی دونوں نے پھر ماہ جبین کو دیکھا۔

"ویسے تو یہ فاروق بھائی کے دوست ہیں' ان کے ساتھ ہی آرمی میں ہوتے ہیں۔ فاروق بھائی کی منگنی والے دن ہر کام میں پیش پیش رہے تھے۔" منتہیٰ نے موسیٰ کی تصویر پر ایک دفعہ پھر نگاہ ڈالی اور پھر بے پروائی سے اگلی تصویر پلٹ دی مگر اگلی تصویر دیکھ کر وہ دونوں ٹھٹکی تھیں۔

"یہ لڑکا لگتا ہے کچھ زیادہ ہی تمہارے بہنوئی کی فیملی کے ساتھ انوالو ہے۔" ستارہ تصویر کو دیکھ کر تبصرہ کر رہی تھی۔ منتہیٰ کے چہرے پر نجانے کیوں اک استہزائیہ مسکراہٹ آئی تھی۔ اس نے مسکرا کر عیشہ کو دیکھا تو وہ چڑ گئی۔ منتہیٰ نے دوبارہ تصویر کو دیکھا۔ وہ لڑکی نتاشا اور موسیٰ ساتھ کھڑے تھے۔ بڑا مسکراتا ہوا کلوز اپ تھا۔

"ویسے مزے کی بات بتاؤں' نتاشا بہت پسند کرتی ہے اس کو۔ نتاشا کیا فاروق بھائی کی پوری فیملی موسیٰ کی دیوانی ہے۔ انکل آنٹی تو نتاشا اور اس لڑکے کے بارے میں خاصے سنجیدہ ہیں۔ یہی حال نتاشا کا بھی ہے۔"

"اور موسیٰ......! وہ کیا چاہتا ہے؟" ماہ جبیں کے انکشاف پر ایک دم اس کے لبوں سے پھسلا تھا۔

"وہ تو مجھے نہیں معلوم مگر فاروق بھائی کی فیملی کی خواہش سے بے خبر تو نہیں ہوگا موسیٰ۔ جس طرح یہ دونوں اکٹھے تصویر میں کھڑے ہیں' اندازہ لگالو۔" اس نے مسکرا کر کندھے اچکائے تو عیشہ نے کچھ کہنے کو لب کھولے مگر پھر بھینچ لیے۔ کسی کو بھی اس نے نہیں بتایا تھا کہ یہی موسیٰ اس کا بھائی ہے۔ آگے بھی کئی تصاویر میں موسیٰ اس لڑکی کے ساتھ تھا۔ منتہیٰ کے سامنے عیشہ کو بڑی شرمندگی ہورہی تھی وہ تو پہلے ہی موسیٰ سے بدظن تھی اب رہی سہی کسر ان تصاویر نے پوری کردی ہوگی۔

"ماہ جبیں یہ تصاویر ایک دن کے لیے مجھے دوگی؟ بہت پیاری تصاویر ہیں۔ میں گھر میں دکھاؤں گی۔" عیشہ کے کہنے پر منتہیٰ نے تعجب سے اسے دیکھا۔ دو دن سے موسیٰ آیا ہوا تھا۔ ایسے میں ان تصاویر کے مانگنے کا جانے کیا مطلب تھا۔

"کیوں نہیں' ضرور لے جاؤ۔" اس نے فوراً ہامی بھری تھی۔

"شکریہ!" وہ مشکور ہوئی۔

"تم نے یہ تصویریں کیوں لی ہیں؟" واپسی میں منتہیٰ نے پوچھا تھا۔

"موسیٰ بھائی ادھر ہی ہیں ان سے پتا کروں گی کہ یہ کیا چکر ہے۔ یہاں ہم لوگ کیا کچھ سوچے بیٹھے ہیں اور ادھر کوئی اور ہی کہانی ہے۔ ایک تصویر کی بات ہوتی تو میں درگزر کر جاتی مگر یہاں تو پورا البم ہے۔"

"چھوڑو یار! اس کی زندگی ہے وہ جیسے مرضی گزارے پھر اپنے لیے جیون ساتھی کے انتخاب کا ہر انسان کو حق حاصل ہے۔ اگر اس نے ایسا کرلیا ہے تو کیا مضائقہ ہے؟ تمہیں تو خوش ہونا چاہیے کہ اتنی پیاری اور امیر کبیر فیملی سے بھابی مل رہی ہے تمہیں۔"

"یہ تم کہہ رہی ہو؟ حیرت ہے۔ تمہاری تو بھائی سے ازلی دشمنی ہے۔ اتنے نیک خیالات کس لیے......؟" عیشہ نے اس سے پوچھا تو وہ ہنس دی۔

"میری اس سے کوئی دشمنی نہیں اور جو حق پر ہے اس کا ساتھ دیتی ہوں۔" وہ سر جھٹک گئی۔ چند لمحے بعد پھر منتہیٰ کو دیکھا۔

"مگر منتہیٰ! ہم لوگ ابھی بھی صرف تمہیں ہی موسیٰ کے لیے اپنے گھر لانا چاہتے ہیں۔ تمہاری جگہ کوئی نہیں لے سکتا۔ تمہارے انکار سے سب نے وقتی طور پر خاموشی ضرور اختیار کرلی ہے مگر ہمارے بڑوں میں یہ طے ہوچکا ہے کہ تمہاری شادی موسیٰ سے ہی ہوگی۔" اس نے منتہیٰ کے اعصاب پر دھماکا کیا تھا۔

"کیا بکواس ہے یہ......؟"

"بکواس نہیں حقیقت ہے۔ بھلے زہرہ باجی سے پوچھ لینا۔" منتہیٰ لب بھینچے اسے دیکھے گئی۔

"اگر یہ سچ ہوا تو......!" اس کے دل و دماغ میں اک جنگ سی چھڑ گئی تھی۔ اچانک کچھ خیال آنے پر اس نے عیشہ کو دیکھا اور پھر اس کی گود میں پڑے تصاویر والے البم کو۔

"یہ تصاویر تم مجھے دو' میں ماہ جبیں کی بہن کی تصاویر گھر والوں کو دکھاؤں گی۔" عیشہ نے تعجب سے اسے دیکھا تو منتہیٰ نے اس کی گود سے البم اٹھالیا۔

"مگر ان میں صرف ماہ جبیں کی بہن کی تصاویر نہیں ہیں۔ موسیٰ بھائی اور اس لڑکی کی بھی ہیں۔" اس نے الجھ کر اسے دیکھا وہ مسکرادی۔

"تو کیا ہوا؟ اچھا ہے نا سب گھر والے موسیٰ اور اس کی پسند کو دیکھ لیں گے اور میرے لیے انکار کرنا آسان ہوجائے گا۔"

"ہرگز نہیں' واپس کرو یہ البم...... میں نے اس نیت سے ماہ جبیں سے نہیں لیا تھا۔" اس نے فوراً سمجھ کر غصے سے اسے گھورتے ہاتھ سے البم لینا چاہا مگر اس نے ہاتھ پیچھے ہٹالیا۔

"سوری ڈیئر! اب یہ تمہیں تب ہی ملے گا جب موسیٰ اور اس لڑکی کی تصاویر میرے اور تمہارے گھر کے سب لوگ دیکھ لیں۔" اس نے بڑے آرام سے البم بیگ میں ڈال کر بیگ کندھے پر چڑھالیا تھا اور عیشہ نے بڑی بے بسی سے اسے دیکھا تھا۔

⁂

نتیجہ منتہیٰ کی سوچ کے مطابق تھا۔

زہرا بھابی تو تصاویر دیکھ کر گنگ سی ہوگئی تھیں۔

"موسیٰ ایسا کیسے کرسکتا ہے؟ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ ہر حال میں اسے تم سے ہی شادی کرنا ہوگی۔"

"میں کیا کہہ سکتی ہوں۔ یہ تصاویر آپ کے سامنے ہیں' میں نے موسیٰ سے شادی نہیں کرنی کیوں......؟ ثبوت آپ کے پاس ہیں۔"

"میں موسیٰ سے بات کرتی ہوں۔ مذاق ہے کوئی بھلا یہ سب...... اور تم تب تک خاموش رہوگی' کسی اور سے تصاویر کا فی الحال ذکر نہیں کروگی۔ میں موسیٰ سے سب کلیئر کروں گی۔ ہوسکتا ہے جیسا ان تصاویر میں نظر آرہا ہے ویسا نہ ہو۔" وہ پرامید تھیں۔ منتہیٰ نے کندھے اچکا دیے۔ وہ تصاویر لے کر فوراً اپنے گھر پہنچی تھیں۔ موسیٰ اپنے کمرے میں تھا کل اس نے واپس چلے جانا تھا۔ آپا کو دیکھ کر مسکرا دیا۔

"آیئے آپا! بیٹھیں۔"

"یہ کیا ہے موسیٰ؟ کون ہے یہ لڑکی......؟" انہوں نے انتہائی غصے سے تصویروں والا البم اس کے سامنے پٹخ دیا تھا۔

"کیا ہوا ہے۔ کس بات کا غصہ ہے؟" ایک نظر البم کو اور پھر بہن کو دیکھ کر پوچھا تو انہوں نے غصے سے البم کھول کر تصویر اس کے سامنے کردی۔

"کون ہے یہ؟" موسیٰ تصویر دیکھ کر دنگ رہ گیا تھا۔

"فاروق کی بہن نتاشا!"

"کب سے ہے یہ سلسلہ؟"

"کیسا سلسلہ آپا؟"

"کیا شادی نہیں کرنا چاہتے تم اس سے؟" موسیٰ نے الجھ کر انہیں دیکھا۔ اچانک خیال آیا یہ البم اور معلومات انہیں کہاں سے ملی تھیں؟

"پہلے آپ یہ بتائیں یہ البم کہاں سے آیا ہے اور میرے بارے میں یہ معلومات آپ کو کس نے دی ہیں؟"

"منتہیٰ نے...... منتہیٰ کی کسی دوست کی بہن کی منگنی اس لڑکے کے بھائی سے ہوئی تھی۔ وہیں اس نے سب دیکھا اور معلومات ملی تھیں۔ شکر کرو اس نے ابھی بڑوں میں سے کسی سے ذکر نہیں کیا۔ سیدھا مجھے لا کر البم دے دیا۔" غصے سے کہتے انہوں نے موسیٰ کو دیکھا تو اس کا جی چاہا ایک منٹ بھی ضائع کیے بغیر جائے اور منتہیٰ کا سر پھاڑ دے۔ پھر بڑے تحمل سے بہن کو دیکھا۔

"آپا! اتنی لمبی چوڑی میں نے کوئی پلاننگ نہیں کی ہوئی۔ یہ فاروق کی فیملی ہے امیر کبیر لوگ ہیں۔ نتاشا خود بھی بڑی سلجھی ہوئی تعلیم یافتہ لڑکی ہے۔ منتہیٰ سے لاکھ درجے بہتر ہے اگر میں اس کے بارے میں سوچوں بھی تو کوئی حرج نہیں ہوگا۔"

"ہرگز نہیں! تم اچھی طرح جانتے ہو کہ ہم سب کیا چاہتے ہیں۔ منتہیٰ سے تمہاری شادی کا سلسلہ محض الفاظی نہیں ہے۔" انہوں نے غصے سے باور کروایا تھا۔

"آپا! میں منتہیٰ کے سلسلے میں صاف اور واضح انکار کر چکا ہوں۔ ایسا ہی وہ بھی کر چکی ہے تو پھر نتاشا کے سلسلے میں سوچا جا سکتا ہے۔" بڑے آرام سے اس نے بہن کو سمجھانا چاہا تھا۔

"تمہارے اور منتہیٰ کے انکار کو محض تم دونوں کی کم عقلی سمجھتے ہوئے بڑوں نے چپ سادھ لی تھی مگر دونوں گھروں میں تم دونوں کا رشتہ طے ہے اس سے تم بے خبر نہیں ہو۔ ہاں منتہیٰ ضرور بے خبر تھی اور میرا نہیں خیال اب اس معاملے کو مزید لٹکایا جائے گا۔"

"آپا! مجھے منتہیٰ سے شادی نہیں کرنی۔ آپ لوگ ایک بار نتاشا اور اس کی فیملی سے تو مل لیں وہ بہت اچھی اور سلجھی ہوئی فیملی ہے۔" اس نے آپا کے دوٹوک انداز پر غصے سے کہا تو وہ کچھ لمحے تک بغور دیکھے گئیں۔

"ہمیں کوئی ضرورت نہیں کسی سے ملنے کی اور بہت افسوس کی بات ہے موسیٰ! تمہارے سامنے ساری بات تھی تم نے ذرا بھی نہ بتایا کہ تم کسی اور لڑکی کی وجہ سے انکار کر رہے ہو؟ اگر تم بتا دیتے تو کم از کم میں اماں ابا کو منتہیٰ سے متعلق کوئی حتمی فیصلہ کرنے سے باز رکھتی۔ اب کچھ نہیں ہو سکتا۔" انہوں نے بہت دکھ سے کہا تو وہ فوراً بولا۔

"میں نے کسی وجہ سے پہلے انکار نہیں کیا تھا۔ ٹھیک ہے فاروق کی فیملی سے بہت پرانے تعلقات رہے ہیں مگر پہلے ایسا نہیں سوچا تھا۔ اب اگر سوچ رہا ہوں تو بات آپ تک بھی پہنچ گئی ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ یہ اتنی بڑی بات ہے جسے مسئلہ بنایا جائے۔ زندگی مجھے گزارنی ہے تو اپنی زندگی کے ساتھی کا انتخاب کرنے کا بھی مجھے حق حاصل ہونا چاہیے۔"

"کیا کمی ہے منتہیٰ میں؟"

"وہ بہت بدتمیز، منہ پھٹ اور زبان دراز لڑکی ہے۔ خوب صورتی کو میں نے کبھی اہمیت نہیں دی مگر جس طرح کے لوگوں اور سوسائٹی میں اٹھتا بیٹھتا ہوں [illegible] سمجھتا کہ منتہیٰ اس ماحول میں ایڈجسٹ [illegible]" آپا نے بڑی خفا نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"اتنا کچھ تم سوچ چکے ہو اور تم نے کوئی لمبی چوڑی پلاننگ نہیں کی۔ ٹھیک ہے میں اماں ابا تک تمہارے دل کی بات پہنچا دیتی ہوں آگے جو ہوگا تم خود دیکھ لینا۔ ویسے موسیٰ تم نے ہمیں بہت مایوس کیا ہے۔ منتہیٰ بہت اچھی لڑکی ہے کاش تم اسے سمجھ سکتے۔ منتہیٰ سے متعلق اتنی بری سوچ رکھتے ہو تم...... حیرت ہے۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ منتہیٰ کے ذکر پر موسیٰ کی بھنویں تن گئی تھیں۔

اسے سارے فساد کی جڑ ہی منتہیٰ نور لگ رہی تھی۔

اچھی خاصی پرسکون زندگی تھی مگر جب سے گھر والوں نے منتہیٰ نام کا شوشا چھوڑا ہوا تھا، سارا سکون آرام غارت ہو گیا تھا۔ اور اب نجانے کہاں سے وہ یہ البم اٹھا لائی تھی جو آپا اس کی کلاس لینے پہنچ گئی تھیں۔ جی تو چاہ رہا تھا کہ ابھی جائے اور منتہیٰ نور کو اس دھاندلی پر خوب سنائے۔ اسے بھلا کس نے حق دیا تھا کہ وہ کسی کی ذاتیات میں دخل اندازی کرے۔ اس نے بڑی مشکل سے خود پر قابو پایا تھا۔ آپا چلی گئی تھیں اور اماں ابا کے سامنے جا کر انہوں نے نجانے کس انداز میں نتاشا اور اس کی فیملی کا ذکر کیا تھا کہ انہوں نے فوراً اسے بلوا لیا تھا۔

"کون ہے یہ لڑکی؟" ابا جی کے کمرے میں اماں اور آپا ایک طرف بیٹھی ہوئی تھیں۔ اس نے ایک نظر میں ہی ابا جی کے تیور بھانپ لیے۔

"فاروق میرے ساتھ ہی آرمی میں ہے اس کی بہن ہے۔"

"کیا تعلق ہے تمہارا اس سے؟" سوال ایسا تھا کہ موسیٰ کا غصے سے برا حال ہوا۔

"میرا اس سے کسی بھی قسم کا کوئی بھی تعلق نہیں۔ وہ اچھی لڑکی ہے پڑھی لکھی اور مہذب۔"

"ان پڑھ اور جاہل تو منتہیٰ بھی نہیں ہے۔" انہوں نے دوبدو کہا تھا۔

"یہاں منتہیٰ کا بھلا کیا ذکر؟" اس نے اپنے غصے پر بمشکل قابو پا کر کہا تھا۔

"ذکر ہے ضرور ہے، ہم اس کے ماں باپ کو زبان دے چکے ہیں۔" انہوں نے بے پناہ غصے سے کہا تھا۔

"میں نے صاف انکار کر دیا تھا۔ میرا اس مسئلے سے اب کوئی تعلق نہیں ہے۔" اس نے بھی بدلحاظی سے کہا تو کئی ثانیے تک ابا جی اسے دیکھے گئے۔ موسیٰ منیر کے تیور بڑے باغیانہ تھے۔ انہوں نے پل میں اندازہ لگا لیا تھا کہ موسیٰ سے غصے سے بات کرنا نقصان دہ ہے۔ انہوں نے بڑے تحمل سے خود کو سنبھالا۔

"کہاں رہتی ہے یہ فیملی؟" موسیٰ نے حیران ہو کر باپ کو دیکھا۔

"اسلام آباد۔"

"ٹھیک ہے کل تم نوکری پر تو جا رہے ہو، مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلنا۔ میں اس لڑکی کو دیکھنا چاہتا ہوں اور اس کی فیملی سے بھی ملنا چاہتا ہوں۔" موسیٰ نے ایک دم چونک کر انہیں دیکھا۔ ابا جی کے الفاظ ناقابل فہم تھے وہ اتنی جلدی قائل ہو جانے والوں میں سے نہ تھے۔ "اب کیا دیکھ رہے ہو؟" انہوں نے موسیٰ کے بے یقینی سے دیکھنے پر ٹوکا تو وہ ایک دم خوش ہو گیا۔

"جی ضرور، میں کل آپ کو ساتھ لے جاؤں گا۔ وہ بہت اچھی فیملی ہے آپ ان لوگوں سے مل کر بہت خوش ہوں گے۔" ابا جی خاموش ہی رہے تھے۔ "مگر ابا جی چاچا جی اور چاچی جی کو کیا جواب دیں گے ہم؟" باپ کو یہ فیصلہ کرتے دیکھ کر زہرا باجی فوراً بولی تھیں۔

"پہلے ادھر تو مل لیں۔ دیکھ لیتے ہیں کیسے لوگ ہیں پھر ادھر بھی جواب دے دیں گے اور بات سن موسیٰ ان لوگوں سے ملنے کے بعد اگر میرا دل نہ مانا یا وہ لوگ مجھے پسند نہ آئے تو تُو مجھے مجبور نہیں کرے گا۔" ابا جی نے آپا کو جواب دے کر اسے بھی کہا تو اس نے فوراً سر ہلایا۔ فی الحال تو ابا جی کا ہاں جانا ہی کافی تھا۔ اسے یقین تھا ابا جی کو نتاشا اور اس کی فیملی ضرور پسند آئے گی۔

اگلی صبح منتہیٰ عیشہ کو بلانے آئی تو صحن میں ہی موسیٰ سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ وہ موسیٰ پر ایک نگاہ ڈال کر اندر چلی جانا چاہتی تھی کہ موسیٰ نے اسے روک لیا۔

"سنو!" اس نے پلٹ کر موسیٰ کو دیکھا۔ "بہت اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آئی ہو تم۔ تمہارا کیا خیال ہے تمہاری ان حرکتوں سے متاثر ہو کر میں اپنا فیصلہ بدل لوں گا۔" ایک دم اس نے گولہ بارود کی بوچھاڑ کر دی تھی اور منتہیٰ وہ تو ناسمجھی سے دیکھے گئی۔

"کیا مطلب ہے تمہارا...... کیا کیا ہے میں نے؟" وہ بھی فوراً تڑخی تھی۔

"آپا کو تصویریں لا کر تم نے دکھائی تھیں نا؟"

"ہاں تو پھر؟" اس نے کافی تلخی سے اسے دیکھا تو موسیٰ کا جی چاہا کہ اس بدلحاظ لڑکی کا منہ توڑ دے۔

"تو پھر یہ کہ تمہاری کوئی بھی کوشش کامیاب نہیں ہوگی۔ نفرت محسوس ہونے لگی ہے مجھے تمہارے ذکر سے بھی...... تمہارا کیا خیال تھا کہ تم آپا سے ذکر کر کے اپنے لیے راہ ہموار کرلوگی؟ مگر افسوس! تمہارے اس عمل سے میرے دل میں موجود ناپسندیدگی و نفرت میں اضافہ ہوا ہے۔" وہ اس درجہ توہین پر اتر آیا تھا کہ منتہیٰ کا چہرہ سلگنے لگا۔

"چپ رہو۔ میرا کوئی غلط مقصد نہ تھا۔ تصاویر گھر عیشہ لائی تھی میں نے تو محض آپا کو اس لیے بتایا تھا کہ وہ لوگ جو بھی سوچ رہے ہیں اس سے باز رہیں مگر افسوس......" اس نے سلگتی اور غصہ بھری نگاہ موسیٰ پر ڈالی۔

"مجھے تم سے کوئی غرض نہیں...... تم مجھے ناپسند کرتے ہو تو میں بھی تم سے اتنی ہی نفرت کرتی ہوں۔ کسی خوش فہمی میں مت رہنا موسیٰ منیر! تم سے کوئی تعلق بنانے سے بہتر ہے کہ میں کسی اندھے کنویں میں چھلانگ لگا دوں۔ اتنے ہی تو تم شہزادہ گلفام ہو نا! ہونہہ! نجانے کن خیالوں میں رہ رہے ہو۔ میں تم پر تھوکتی بھی نہیں۔ اتنی گری پڑی پسند نہیں ہے میری......" اس نے اپنی توہین کا بدلہ بڑے بھرپور وار سے لیا تھا۔ موسیٰ اس درجہ توہین پر بلبلا اٹھا۔

"بکواس بند کرو۔"

"مجھے بھی کوئی شوق نہیں تمہیں اپنے نادر خیالات سنانے کا...... اور خبردار آئندہ میرے رستے میں آئے یا مجھے روکا تو...... منتہیٰ نور اتنی عام گری گزری لڑکی نہیں ہے۔ جن خوش فہمیوں میں ہو، باہر نکل آؤ تم جیسے منتہیٰ نور کے قدموں میں ہوتے ہیں۔" غصے سے اسے سنا کر وہ اندر بڑھ گئی تھی اور وہ غصے سے اپنی جگہ ساکت کھڑا رہ گیا تھا۔

٭

ابا جی موسیٰ کے ساتھ اسلام آباد آئے تھے اور نتاشا کی فیملی سے ملے تھے۔ وہ لوگ اچھے خاصے سلجھے ہوئے اور ملنسار تھے۔ چائے کے بعد گفتگو کے دوران انہوں نے وہ خاص موضوع چھیڑ دیا تھا جس کے لیے یہاں تک آئے تھے۔

"بڑی پیاری اور سلجھی ہوئی بچی ہے آپ کی' ماشاء اللہ!" نتاشا نے مسکرا کر موسیٰ کو دیکھا وہ بھی مسکرا دیا۔ اسے یقین تھا کہ ابا جی ایک بار نتاشا سے مل کر بھی انکار نہیں کریں گے۔ "موسیٰ نے مجھ سے آپ لوگوں کی فیملی کا ذکر کیا تھا آج آیا بھی بطور خاص اسی سلسلے میں ہوں۔ اس سے پہلے ہم نے موسیٰ کی بات کہیں اور طے کر رکھی تھی۔ میری بڑی بیٹی کی نند ہے' چھوٹی بیٹی بھی وہیں دے رہا ہوں ہمارے ساتھ ہی گاؤں میں رہنے والا خاندان ہے۔ شروع سے بڑی محبت اور آپس میں بڑا پیار ہے۔ وہ بچی پڑھی ہے' خوب صورت بھی ہے' بتایا ہوگا موسیٰ نے آپ لوگوں کو؟" ابا جی بڑی سنجیدگی سے بتا رہے تھے اور موسیٰ کے چہرے کا رنگ اڑتا جا رہا تھا۔ وہاں موجود سب لوگ حیران ہو کر موسیٰ اور اس کے دیہاتی باپ کو دیکھ رہے تھے۔ نتاشا نے بڑی شکایتی نظروں سے موسیٰ کو دیکھا تو وہ نظریں چرا گیا۔ "دیکھیں دو بیٹیوں کا سسرال ہے' اچھے لوگ ہیں مگر بیٹی کا رشتہ لے کر اب انکار کرتا ہوں تو میری بیٹی کا رشتہ بھی وہ لینے سے انکار کر سکتے ہیں مگر موسیٰ کو سب نظر نہیں آ رہا۔ زندگی تو بچوں نے گزارنی ہے' ہمارا کیا ہے' موسیٰ جہاں خوش ہے۔ [illegible] آیا تھا' آپ کی بیٹی کا رشتہ مانگنے [illegible] ہامی بھرتے ہیں تو میں اسے اپنے [illegible] شگون سمجھوں گا۔ مجھے آپ لوگوں کا خاندان [illegible] پسند آیا ہے۔ اب آپ لوگ بتا [illegible]" ابا جی [illegible] ڈراما کر کے بڑے آرام سے سب [illegible] رہے تھے۔ موسیٰ کا جی چاہا کہ زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔ اسے اگر گمان ہو جاتا کہ ابا جی کی اسلام آباد آمد کے پیچھے یہ محرک ہے تو وہ کبھی ان کو ساتھ لے کر نہ آتا۔

"آپ آئے آپ نے ہمیں عزت بخشی بہت بہت شکریہ۔ موسیٰ بہت اچھا اور فرمانبردار لڑکا ہے۔ ہمارے

لیے یہ بڑے بخت کی بات ہے کہ ہماری بیٹی اچھی فیملی میں جائے۔ سلجھا ہوا ہم سفر ہو اس کا' مگر مجھے بڑا افسوس ہے کہ موسیٰ نے کبھی ہم سے اپنی منگنی وغیرہ کا ذکر نہ کیا اور نہ ہی کچھ اور بتایا۔ پھر بھی ہم آپ لوگوں کو سوچ کر جواب دیں گے۔ یہ رشتے ناتے یوں تو نہیں ہو جاتے' آپ کی صاف گوئی مجھے پسند آئی۔" فاروق نے بہت ٹھہر ٹھہر کر کہا تھا۔

"کیوں نہیں' آپ ضرور سوچیں۔ ماں باپ تو اولاد کے لیے ہر فیصلہ ہی سوچ سمجھ کر کرتے ہیں مگر اولاد...... آپ بیٹی کے ماں باپ ہیں' میری صاف گوئی کو ایک بیٹی کے باپ کی مجبوری سمجھیے گا۔ دھوکا دہی میری فطرت نہیں' اگر میں کسی [illegible] کے لیے انکار کروں گا تو یقیناً اپنی دوسری بیٹی [illegible] دوں گا۔ بے شک وہ بچہ بہت اچھا پڑھا لکھا ہوا ہے مگر باپ ہوں نا' وہ بھی بیٹی کا [illegible] دوسروں کی بیٹی کی توہین کرتے ہوئے بھی ڈرتا ہوں۔" موسیٰ ششدر سا ابا جی کا دوغلا پن دیکھ رہا تھا۔ فاروق نے بڑی شکایتی اور غم و غصے سے بھرپور نگاہ سے اسے دیکھا تو اسے لگا وہ زمین میں دھنس گیا ہے۔ اس سے زیادہ ان مخلص لوگوں کی توہین اور کیا ہو سکتی تھی۔ ابا جی نے موسیٰ کے تیوروں کو دیکھا اور پھر مسکرا کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

"مجھے بہت خوشی ہوئی ہے آپ لوگوں سے مل کر...... امید ہے آپ لوگ سوچ سمجھ کر وہی جواب دیں گے جس میں بچوں کی خوشی ہوگی۔ دیکھیں جی ہم تو زندگی گزار چکے ہیں اب تو ان بچوں کا دور ہے۔ ان کی خوشی کی بات ہے......" وہ نتاشا کے ماں باپ سے الوداعی کلمات ادا کرتے ہوئے بھی موسیٰ اور باقی لوگوں کو تکلیف دینے سے باز نہ آئے تھے۔

"جی ضرور......" فاروق کے والد صاحب نے بڑی خوش اخلاقی سے بھرم رکھا تھا۔ اور موسیٰ! وہ تو کسی سے نظر ملانے کے قابل بھی نہ رہا تھا۔ کتنی عزت تھی اس کی اس گھر میں...... فاروق جیسا مقام تھا ان ماں باپ کی نظر میں اور اب......!

نجانے وہ کیسے اور کن قدموں پر چل کر وہاں سے واپس آیا تھا۔

"ابا جی اگر آپ نے یہ سب ہی کرنا تھا تو مجھے بتا دیا ہوتا میں خود ہی انکار کر دیتا۔ آپ نے ان لوگوں کی تذلیل کی ہے وہ بھی ان کے گھر میں بیٹھ کر...... بہت برا کیا آپ نے۔" وہ باہر آتے ہی پھٹ پڑا تھا۔ انہوں نے بڑے تحمل سے اسے دیکھا۔

"میں نے کوئی کسی کی تذلیل نہیں کی۔ اصل صورت حال بتائی ہے۔ میں ان لوگوں سے متاثر ہوا ہوں۔ وہ بچی بھی بہت پسند آئی ہے مجھے اسی لیے میں نے پرانی بات بتا دینا مناسب سمجھا کہ اگر کسی اور ذریعے سے انہیں خبر ہوتی تو ایویں ہی یہ لوگ پریشان ہوں گے۔" ابا جی کے بیان پر موسیٰ نے لب بھینچ لیے تھے۔ ابا جی سے کچھ بھی کہنا فضول تھا' جو ہونا تھا وہ ہو چکا تھا۔

٭

آخر وہی ہوا تھا جس کا موسیٰ کو ڈر تھا۔ فاروق کی فیملی نے فون کر کے نتاشا کے رشتے سے انکار کر دیا تھا۔ موسیٰ نے فاروق سے ملنے اور نتاشا سے بات کر کے سمجھانے کی اپنی سی کوشش کر دیکھی مگر نتیجہ صفر رہا۔ وہ لوگ موسیٰ کے اتنی بڑی بات چھپانے پر اس سے بری طرح ناراض ہو گئے تھے۔ موسیٰ لاکھ وضاحتیں کرتا رہا مگر ان لوگوں کی "ناں" ہاں میں نہ بدلی تو وہ گھر والوں سے ناراضگی کے اظہار کے طور پر کئی ماہ تک واپس پلٹ کر نہ آیا۔ ابا جی مطمئن تھے جس طرح انہوں نے دوغلے پن کا مظاہرہ کر کے اس رشتے سے جان چھڑوائی تھی' موسیٰ کو وہ سراسر قصوروار لگتے تھے۔ وہ نتاشا کی فیملی کے انکار کا سراسر ذمہ دار ابا جی کے رویے کو قرار دیتا تھا مگر ابا جی مطمئن تھے۔ انہوں نے موسیٰ کو کچھ عرصہ اس کے حال پر چھوڑ دیا تھا اور یہ رشتے والی بات آپا' اماں' ابا اور موسیٰ کے علاوہ کسی دوسرے فرد کو معلوم نہ ہو سکی تھی۔

عیشہ اور منتہیٰ ایگزیمز دے کر فارغ ہوئیں تو ابا جی

نے دونوں طرف گفت وشنید کے ذریعے باقاعدہ منتہیٰ اور موسیٰ کا نا صرف رشتہ طے کردیا بلکہ عیشہ اور جہاں زیب کی شادی کے ساتھ ہی ان دونوں کی بھی تاریخ طے کردی۔ منتہیٰ جسے اپنے اماں ابا سے اس دھاندلی کی امید نہ تھی وہ یوں اچانک صورت حال بدلتے دیکھ کر خوب بگڑی۔ لاکھ اعتراض کیے سر پٹختی رہ گئی تھی مگر کسی نے اس کے انکار کو بچکانہ فیصلہ سے زیادہ اہمیت نہ دی تھی۔ شدید احتجاج' بھوک ہڑتال اس نے ہر حربہ آزما ڈالا مگر لگتا تھا کہ جیسے ہر کسی نے جان بوجھ کر اس کی طرف سے آنکھ بند کرلی ہے۔ ایک دن اباجی اسے خود بٹھا کر سمجھانے لگے۔

"دیکھ منتہیٰ پتر! میں تیرے جتنا پڑھا لکھا نہیں ہوں مگر زندگی نے جو سبق پڑھایا ہے وہ تم نے ابھی نہیں پڑھا۔ ماں باپ کبھی اولاد کا برا نہیں چاہتے۔ ہم تیرے دشمن نہیں۔ موسیٰ اچھا لڑکا ہے' آج کل تو دیکھ تو رہی ہے کیسے اچھے رشتوں کا کال پڑا ہوا ہے' اگر میں باہر بھی دیکھ لوں تو دل پھر بھی مطمئن نہیں ہوگا کہ نجانے کوئی کیسا ہو' یہاں یہ تو اطمینان ہے نا کہ وہ اچھا سلجھا ہوا باکردار لڑکا ہے۔ فوج میں ہے' زندگی میں ترقی کرنے والا انسان ہے۔ تو خوش رہے گی۔ میں نے بہت سوچ سمجھ کر ہاں کی ہے' تو نے پہلے بھی انکار کیا ہم چپ رہے' اب بھی تمہیں سمجھا رہا ہوں' جو ہو رہا ہے اسے پتر چپ کرکے قبول کرلے۔ شریف عزت دار گھرانوں کی لڑکیاں ایسے معاملوں میں ماں باپ کے سامنے زیادہ احتجاج کرتی اچھی نہیں لگتیں' تو تو میری بہت اچھی اور سمجھدار دھی ہے۔ تو میری بات سمجھ گئی ہے نا!" اباجی کے سمجھانے پر وہ لب دانتوں تلے دبائے چپ چاپ رہ گئی۔ کئی دلائل تھے جو وہ دے سکتی تھی مگر اب کوئی فائدہ ہی نہ تھا' اباجی کا انداز فیصلہ کن اور دوٹوک تھا۔ وہ اسے سمجھانے آئے تھے نا کہ اس کے احتجاج اور دلائل کو سننے...... اس کے بعد اس نے لب سی لیے تھے' موسیٰ کا کیا ردعمل تھا اسے علم نہ تھا [illegible] اچھی طرح جانتی تھی کہ موسیٰ بھی اس [illegible] نہ ہوگا۔ جس طرح تاریخ طے ہونے اور بعد کے دنوں میں بھی موسیٰ گاؤں نہیں لوٹا تھا۔ منتہیٰ کے اندر سے ہر احساس ہی مرگیا تھا۔ ان چاہے ہونے کا احساس اس سب پر حاوی تھا۔ اس کے دل میں موسیٰ کے لیے کوئی بھی جذبہ نہ تھا' اسی طرح موسیٰ کے دل میں اس کے لیے پھر نباہ ہوتا بھی تو کیسے......؟ وہ اپنے بڑوں کو سمجھانے سے قطعی قاصر تھی۔ جوں جوں شادی کے دن قریب آرہے تھے اس کے اندر کی وحشت واضطراب بڑھتا جارہا تھا۔ موسیٰ گاؤں سے تقریباً ہر رابطہ منقطع کیے بیٹھا ہوا تھا۔ اباجی سے اس کی ناراضگی اس قدر شدت اختیار کرگئی تھی کہ اماں اٹھتے بیٹھتے ہولتی رہتی تھیں۔

شادی کی تاریخ طے کرنے کے بعد جوں جوں دن گزر رہے تھے اماں جی کا دل موسیٰ کی لاتعلقی پر ہولتا جارہا تھا۔ تاریخ طے ہونے پر اباجی نے اسے اسلام آباد فون کرکے اطلاع دے دی تھی مگر اس کی بے حسی جوں کی توں تھی۔

"آپ کو کتنی دفعہ کہہ چکی ہوں خود جاکر اسے لے کر آئیں۔ آپ کو پتا ہے وہ اب خود سے نہیں آنے والا...... چند دن رہ گئے ہیں شادی میں' میرا دل ہول رہا ہے۔ پوری برادری اکٹھی ہے۔ کہا بھی تھا اتنی جلدی [illegible] ابھی غصے میں ہے کچھ عرصہ گزر جائے گا [illegible] پڑ جائے گی' غصہ ٹھنڈا ہوجائے گا تو شادی [illegible] مگر آپ اپنی ہی کرتے ہیں۔" اماں جی اباجی سے الجھ بیٹھی تھیں۔ انہوں نے [illegible] سوچ انداز میں اپنی بیوی کو دیکھا اور پھر سر ہلا دیا۔ اب واقعی انہیں خود ہی اسلام آباد کا چکر لگانے [illegible] تھی۔ شادی میں محض آٹھ دن رہ گئے تھے [illegible] اس کے سوا کوئی اور راہ بھی نہ تھی۔ اولاد [illegible] جائے تو اسے کیسے نکیل ڈالتے ہیں وہ اچھی طرح [illegible] تھے۔

"ہاں کل پرسوں میں بھی سوچ رہا ہوں اسلام آباد جاؤں۔ بڑا بدلحاظ اور بے حس ہوگیا ہے موسیٰ' اچھی خاصی کلاس لینے کی ضرورت ہے اب۔" وہ اپنی رائے دے کر

اٹھ گئے تھے۔ اگلے دن تو انہیں کام تھا مگر اس سے اگلے دن وہ صبح صبح ہی اسلام آباد کے لیے روانہ ہوگئے تھے۔ پچھلے دو سالوں سے موسیٰ مستقل اسلام آباد ہی پوسٹ تھا۔ اباجی کو سامنے دیکھ کر موسیٰ کے اندر اپنے نقصان کا احساس مزید شدت اختیار کرگیا تھا۔

"کتنے پیغام بھیجے' کتنے فون کیے تھے۔ چھ دن بعد تیری شادی ہے اب تک تو پوری برادری اکٹھی ہوگئی ہے۔ اللہ خیر کرے میرے گھر کی دو اکٹھی شادیاں اور آخری خوشی ہے' سو ارمان ہیں مگر تم ابھی تک ادھر ہی ٹکے ہوئے ہو؟" انہوں نے بات شروع کی تو موسیٰ کا غصے سے برا حال ہوگیا۔ ایک تو اباجی کا انداز دوسرا منتہیٰ سے شادی کا تصور...... وہ ابھی تک نتاشا لوگوں کے سامنے ہونے والی [illegible] نہیں بھول پایا تھا۔ اب اچانک یہ سب کیسے قبول کرلیتا۔

"مجھے کوئی شادی نہیں کروانی۔" وہ ایک دم پھٹ پڑا تھا۔ اباجی نے بغور دیکھا۔

"میں تجھ سے تیری مرضی نہیں پوچھ رہا۔ میں تجھے ساتھ لے کر گاؤں جانے کے لیے آیا ہوں۔ چھٹی کی درخواست دے اور میرے ساتھ چل۔"

"اباجی گستاخی معاف...... آپ نتاشا کی فیملی کے ساتھ جو کرچکے ہیں اور جواباً مجھے جو ذلت اٹھانا پڑی ہے میں ابھی تک وہی نہیں بھولا۔ آپ کو اگر میری خوشی کی پروا نہیں تو مجھے بھی کوئی مطلب نہیں۔ میں آپ کے ساتھ نہیں جاؤں گا۔" دوٹوک انداز تھا۔

"یہ تیرا آخری فیصلہ ہے؟" اباجی نے بڑی سنجیدگی سے پوچھا تھا۔

"آخری بھی اور حتمی بھی۔" موسیٰ کا بھی انداز بے لچک تھا۔

"چل کوئی بات نہیں...... مگر ایک بات یاد رکھنا! چھ دن بعد تیری بارات ہے اور ساتویں دن تیری بہن کی۔ چوتھے دن تم گاؤں پہنچ جانا۔ ابھی میں بہانا بنالوں گا کہ تجھے چھٹی نہیں مل رہی اس لیے لیٹ آئے گا۔ مگر چوتھے دن تو گاؤں میں ہوگا۔ اگر پانچواں دن ہوا تو موسیٰ یاد رکھنا! چھٹے دن میں تیری بہن کو بھی زہر دے کر خود بھی کھالوں گا اور تو جانتا ہے جو میں کہتا ہوں وہ کرتا بھی ہوں۔ بشیر کی بیٹی اگر بیاہی نہیں جائے گی تو تیری بہن بھی نہیں بیاہی جائے گی۔ تیرے پاس صرف تین دن ہیں اچھی طرح سوچ لے۔ چوتھے دن کا مطلب ہے چوتھا دن۔ پانچواں دن نہ آئے موسیٰ!" وہ سخت پتھریلے لب ولہجے میں موسیٰ کے سامنے چٹان کی طرح مضبوطی سے کھڑے کہہ رہے تھے اور موسیٰ حیران وششدر اباجی کے بے لچک انداز میں چٹانوں کی سی سختی دیکھ رہا تھا۔

"اباجی! یہ زیادتی ہے۔" وہ اگلے ہی پل چیخ اٹھا تھا۔

"میں پوری برادری میں بیٹھا ہوا ہوں۔ میرا سر ہمیشہ اپنی برادری میں بلند رہا ہے۔ تو نہیں آئے گا تو جو میں کہہ رہا ہوں وہ میں کر جاؤں گا۔ اچھی طرح سوچ لے۔ چوتھے دن تجھے گاؤں میں ہونا چاہیے ورنہ......" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے غضب ناک تیوروں سے سرد لب ولہجے میں کہتے اپنی دستار کو سر پر جماتے بڑے بڑے قدم اٹھاتے وہاں سے نکل گئے تھے اور موسیٰ نے بے بسی سے مٹھیاں بھینچ لی تھیں۔

......◈......

چوتھے دن کا سورج ڈوبا اور ہر طرف شام کا ملگجا اندھیرا پھیلنے لگا۔ منیر صاحب کے ماتھے پر سوچ کی لکیریں گہری ہوتی چلی گئیں۔ شام کے بعد رات کا اندھیرا ہر سو چھا جاتا تھا اور شام کے بعد گاؤں میں آنے والے تانگے نہیں چلتے تھے۔ موسیٰ ابھی تک نہیں آیا تھا۔ انہوں نے یہاں آکر بظاہر سب کو مطمئن کردیا تھا مگر اب خود غیر مطمئن ہوگئے تھے۔ گھر مہمانوں سے بھرا پڑا تھا۔ بشیر بھائی کے گھر میں بھی ایسی ہی رونق تھی' دونوں گھروں میں ڈبل شادیاں تھیں۔ مہمان داری' شور شرابا' خوشی' گیت کیسا سماں تھا دونوں گھروں میں۔

"اباجی! پریشان ہیں؟" نواز نے محسوس کیا تو پوچھ

لیا۔

”ہاں بس موسیٰ کی طرف سے فکر لگی ہے۔ فون پر کہہ رہا تھا کہ آج آجائے گا مگر آیا نہیں۔ فون تو کر کے بتا کر ذرا۔“ انہوں نے نواز کو کہا تو اس نے فوراً سر ہلا دیا مگر بار بار ملانے پر بھی موسیٰ کا نمبر آف تھا۔

”میں بشیر بھائی کے ہاں جا رہا ہوں۔ سب مرد برادری والے ادھر اکٹھے ہیں۔ تو بھی آجانا۔ بارات کا انتظام اور کھانے وغیرہ کا مشورہ کرنا ہے ہم نے۔“ وہ اپنے آپ کو مطمئن کرنے کو نواز کو ہدایت دے کر چل دیئے تھے۔

”ابا جی! موسیٰ آگیا ہے۔“ رات دس بجے سب مرد حضرات نے واپسی کی راہ لی تو وہ بھی نواز کے ساتھ گھر کی طرف چل دیئے۔

”ابا جی موسیٰ آگیا ہے ابھی آیا ہے۔“ زہرا باجی جو کبھی ادھر اور کبھی ادھر چکرائی پھر رہی تھیں۔ فوراً ابا جی کو آتے دیکھ کر قریب آگئی تھیں اور ابا جی کو لگا جیسے کندھوں سے منوں بوجھ اتر گیا ہے۔ ان کا دل اندر تک پرسکون ہوتا چلا گیا۔

”اچھا! چلو اچھی بات ہے۔“ وہ زہرا باجی کے سر پر ہاتھ رکھ کر اپنے کمرے کی طرف چل دیئے تھے۔ موسیٰ وہیں اماں جی کے قریب بیٹھا ہوا تھا۔ ابا جی کو دیکھ کر اس نے منہ پھیر لیا تھا اتنی ناراضگی تھی کہ باپ کو سلام تک کرنا گوارا نہ کیا تھا۔

”اچھا کیا جو آج ہی آگئے...... کل نواز کے ساتھ جا کر بازار سے اپنے لیے کپڑے وغیرہ خرید لانا۔ شادی زندگی میں ایک ہی بار ہوتی ہے بعد میں نہ کہتے پھرنا کہ میری پسند کا لباس نہیں ہے۔“

انہوں نے بڑے پرسکون انداز میں کہتے بستر پر جگہ پکڑی تو وہ لب بھینچے اٹھ کھڑا ہوا۔

”اماں جی! میں اپنے کمرے میں جا رہا ہوں کسی کو بھی میرے کمرے میں مت آنے دیجیے گا۔“ [illegible] سے کہتے وہ کمرے سے نکل آیا تھا اور اپنے [illegible] میں آ کر اس نے زور سے دروازہ بند کر دیا تھا۔ باہر صحن میں ڈھولک بج رہی تھی۔ موسیٰ کا جی چاہا کہ ہر چیز کو آگ لگا دے۔

⁂

منتہیٰ جو ابھی تک اسی گمان میں تھی کہ شاید موسیٰ ہی انکار کر دے مگر آپا زہرا کی زبانی موسیٰ کی آمد کا سن کر اس کا دل پاتال میں اترتا چلا گیا۔ اس کے اندر کی وحشت عجیب سے سرد پن کی لپیٹ میں آگئی اور اس پر اگلے دنوں تک گہری بے حسی کی کیفیت چھائی رہی۔ اماں اور باجی زہرا کو منتہیٰ کے تیوروں سے سخت خوف آرہا تھا وہ جس سرد سی کیفیت میں چلی گئی تھی اس سے آپا کا دل ہول رہا تھا۔ اماں جی تو اس کے ساتھ مسلسل سر کھپا رہی تھیں۔ آتے جاتے اٹھتے بیٹھتے اسے سمجھا رہی تھیں مگر منتہیٰ نے اپنے سارے احساسات سرد برفیلی تہہ میں چھپا کر خود کو ہر احساس سے بے نیاز کر لیا تھا۔ شادی کے دن تک اس کی کیفیت برقرار رہی تھی۔ شہر سے بیوٹیشن بلوائی گئی تھی۔ بیوٹیشن کے ماہر ہاتھوں کا فن تھا جو منتہیٰ نور کا تراشا ہوا حسن ایک ایسی دو دھاری تلوار بن گیا تھا کہ جو دیکھتا تھا دنگ رہ جاتا تھا۔ ایسا حسن جو پانی میں بھی آگ لگا دے۔ پتھروں کو بھی پگھلا دے۔ اماں آخری وقت تک اسے نصیحتوں سے نوازتی رہی تھیں۔ نکاح [illegible] اور دیگر رسموں کے بعد رخصتی کا عمل شروع [illegible] اپنے سرد پن کا خول چٹختا محسوس [illegible] چادر میں اپنوں سے دور ہو جانے کا احساس [illegible] کر دل کو ریزہ ریزہ کر گیا۔ وہ سب [illegible] کی لاڈلی اور چہیتی تھی روتی آنکھوں [illegible] سے رخصت ہو کر وہ موسیٰ منیر کے گھر [illegible] ایک طویل رسموں کے سلسلے کے بعد اس کی [illegible] ہوئی تو ساجدہ بھابی اور زہرا آپا اسے موسیٰ کے بیڈ روم میں لے آئیں۔ بیڈ روم تازہ گلاب کے پھولوں سے سجا ہوا تھا۔ منتہیٰ کے دل کے اندر آنے والے لمحات کا تصور کرتے ہی اک سرد پن سا پیدا ہوتا چلا گیا۔

عیشہ کچھ دیر تک اس کے پاس بیٹھی اس کا دل بہلانے کا سامان کرتی رہی مگر اس کی چپ کا قفل نہ ٹوٹا۔

”منتہیٰ...... اب جو بھی ہے اور جیسا بھی ہے موسیٰ تمہارا شوہر ہے گزری باتوں اور رویوں کو بھلا کر دل سے نئی زندگی کا آغاز کرو۔ میں نے موسیٰ کو بھی سمجھایا ہے تم بھی خیال رکھنا۔ اگر وہ کچھ غلط کہے بھی تو کوشش کرنا کہ برداشت کر لو۔ انکار احتجاج سب کچھ تم نے آزما کر دیکھ لیا اب یہی تمہارا سب کچھ ہے۔“ آپا زہرا ایک بار پھر اسے دھیمے سروں میں سمجھا رہی تھیں اور منتہیٰ کو لگ رہا تھا کہ جیسے اس کا فشار خون بڑھ رہا ہے۔ کچھ دیر بعد دونوں بہنیں چلی گئیں تو کمرے میں تنہائی کا [illegible] اسے اپنی لپیٹ میں لینے لگا۔ وہ بے حس [illegible] اطراف کو دیکھے گئی۔

موسیٰ نے رات [illegible] کمرے میں قدم رکھا تو پہلی نگاہ سیج پر سجی سنوری اپنے انتظار میں بیٹھی منتہیٰ نور پر پڑی تھی۔ منتہیٰ نور کو [illegible] لگا اس کی رگوں میں خون کی جگہ نفرت کے انگارے گردش کر رہے ہیں۔ اس نے ان چند دنوں میں منتہیٰ نور سے اتنی نفرت کی تھی کہ حد نہیں اور اب اسے سامنے دیکھ کر جی چاہا اپنے اندر کی ساری وحشت اس کے وجود میں اتار دے۔ ابا جی کے سلوک نے اس کے غضب کو آتش فشاں بنا ڈالا تھا جو اب بس پھٹ پڑنے کو تھا۔

”منتہیٰ نور! تم تو بڑے بڑے دعوے کر کے گئی تھیں تم تو تھوکتی بھی نہیں تھیں مجھ جیسوں پر پھر تمہاری غیرت نے کیسے گوارا کر لیا میری اس سیج تک آنا......؟“ وہ بولا نہیں تھا گویا آتش فشاں پھٹ پڑا تھا۔ منتہیٰ جو نجانے خود کو کیسے سنبھال رہی تھی اس انداز پر غم و غصے سے اسے دیکھے گئی۔ ”بہت غلط کھیل کھیلا تم نے میرے ساتھ آپا کو ورغلایا تم نے اور پھر ابا جی کے ذریعے تم نے تماشا لوگوں کی تذلیل کروائی۔ میری دوستی ختم ہوگئی میرا بھرم ٹوٹ گیا صرف تمہاری وجہ سے...... اتنی شرمندگی اتنی ندامت...... دیکھنا منتہیٰ نور بہت برا سلوک کروں گا میں تم سے...... ابا جی نے جس طرح مجھے اس شادی پر مجبور کیا ہے میں بھی تمہیں اب اس حد تک مجبور کروں گا کہ تم موت کی بھی دعا کرو گی مگر میں تمہیں اس قابل بھی نہیں چھوڑوں گا کہ موت تمہیں قبول کر لے۔ تم نے میرے بارے میں بہت غلط رائے قائم کی...... موسیٰ منیر! اگر بہت اچھا انسان ہے تو دشمن کے ساتھ بہت برا اور سفاک انسان ہے۔ تم نے میرے غضب کو آواز دے کر اچھا نہیں کیا منتہیٰ بیگم! اب ساری عمر بیٹھ کر رونا۔“ گلے میں پڑی ہوئی مالا کو انتہائی وحشت سے نوچ کر ایک طرف پھینک کر بیچ کی کئی لڑیوں کو بے دردی سے روندتے وہ اس کی طرف آیا تھا۔ اس کے لب و لہجے پر منتہیٰ ششدر رہ گئی تھی۔

”کک...... کیا مطلب ہے تمہارا؟“ موسیٰ نے جیسے بس اس کی کلائی تھامی تھی وہ خوفزدہ ہو کر پیچھے ہٹی تھی۔

”جس طرح میں پل پل مر رہا ہوں سلگ رہا ہوں اب یہ اذیت تم بھی جھیلنا۔“ انتہائی بے دردی سے اسے جھنجوڑتے ہوئے اس نے کہا تھا اور منتہیٰ نور کے اندر اتنی ہمت نہ رہی تھی کہ وہ خود کو موسیٰ کی وحشت و بربریت کا شکار ہونے سے روک پاتی۔ اس کی گھٹی گھٹی چیخیں اس کے حلق میں ہی دم توڑ گئی تھیں۔

⁂

اگلے دن ان دونوں کا ولیمہ تھا اور ساتھ میں عیشہ کی بارات اور موسیٰ عیشہ کا ولیمہ اٹینڈ کرتے ہی اگلے دن اسلام آباد روانہ ہو گیا تھا۔ سب نے روکا اماں ناراض ہوئیں منیر چاچا نے دھمکیاں دیں مگر وہ اب ایک پل بھی رکنے کا روادار نہ تھا۔ اور ان تین دنوں میں وہ اس قدر ویران اور بے جان ہو گئی تھی کہ سب اس کو دیکھ کر بے چین ہو جاتے تھے۔

”منتہیٰ بیٹا! کیا ہوا ہے تجھے؟ لڑکیاں تو شادی کے بعد نکھر کر گلاب کی طرح مہکنے لگتی ہیں تجھے کیا ہو گیا ہے کچھ تو بتا! تو ایسی تو نہ تھی۔“ اماں اور زہرا باجی پوچھ پوچھ کر ہاری تھیں مگر اس کی چپ نہ ٹوٹی تھی۔ مردوں نے توجہ نہ دی تھی کہ ان کے ہاں یہ کوئی اہم بات نہ تھی۔ اماں تو بے چین سی تھیں مگر منتہیٰ کی چپ انہیں چپ رہنے پر مجبور

کر رہی تھی۔ موسیٰ نے پلٹ کر خبر لینا تو ایک طرف ایک کال تک نہ کی تھی اور وہ اماں کے گھر سے سسرال اور سسرال سے میکے...... اسی چکر میں دو ماہ کا عرصہ گزر گیا تو منتہیٰ کے گھر والوں کو تشویش لاحق ہوگئی۔ بشیر صاحب نے موسیٰ کی اس طویل غیر حاضری کا تذکرہ منیر چاچا سے کیا تو انہوں نے بڑی بے بسی سے منتہیٰ کا اجڑا اجڑا روپ دیکھا۔ وہ اول روز سے منتہیٰ کو دیکھ دیکھ کر ہول رہے تھے مگر موسیٰ کے ساتھ جتنی سختی کر چکے تھے اس سے بڑھ کر اب کیا کرتے۔

"میری بات ہوئی ہے کہہ رہا تھا کہ ایبٹ آباد پوسٹنگ ہوگئی ہے۔ اتنی جلدی چھٹی نہیں مل رہی جیسے ہی چھٹی مل جائے گی آجائے گا۔" انہوں نے بشیر بھائی کو مطمئن کرنا چاہا جو کسی حد تک سچ بھی تھا۔ اور وہ کچھ مطمئن بھی ہوگئے۔

"یہ تو اچھی بات ہے پھر وہ تو اب شادی شدہ ہے اسے کہیں کہ حکومت سے گھر کا کہے اب تو مل بھی جائے گا۔ منتہیٰ کو بھی ساتھ لے جائے۔"

"ہاں میں بھی یہی سوچ رہا ہوں......" بشیر بھائی کی بات پر انہوں نے بھی سر ہلایا تھا۔ موسیٰ کی اس طویل غیر حاضری نے منتہیٰ کو سنبھلنے کا کچھ موقع دیا تھا۔ وہ کافی حد تک خود کو سنبھال چکی تھی۔ چند دنوں میں ہی اس نے خود کو سسرال میں ایڈجسٹ کرلیا تھا۔ ساجدہ بھابی اور اماں جی کے ساتھ گھر کے کاموں میں ہاتھ بٹانے سے وقت اچھا گزرنے لگا تھا۔

دن اپنی مخصوص رفتار سے گزر رہے تھے۔ موسیٰ کو گھر والے اکثر کال کرتے تھے۔ خود سے تو اس نے بھی رابطہ نہ کیا تھا اور نہ ہی منتہیٰ نے۔ منیر چاچا جب بھی منتہیٰ کو دیکھتے ان کے دل سے اک ہوک سی اٹھتی۔ اپنی طرف سے تو وہ موسیٰ کی ناراضگی ختم کرنے کی پوری کوشش کررہے تھے اگر وہ اسلام آباد ہوتا تو وہاں خود جا کر اسے مجبور کرتے مگر اب ایبٹ آباد کیسے جاتے۔ فون پر وہ روز اس سے رابطہ کر رہے تھے ان کے جاننے والے ایک بشیر ایسے تھے جنہیں انہوں نے موسیٰ کے لیے جلد از جلد ایبٹ آباد میں ایک بنگلے کا انتظام کرنے کو کہا ہوا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ موسیٰ منتہیٰ کو ساتھ لے جائے شاید اس طرح دونوں کے درمیان حائل یہ بیرونی فضا ختم ہوجائے۔ ان کی کوششیں کامیاب ہوئی تھیں۔ موسیٰ کو وہاں بنگلہ مل گیا تھا۔ انہوں نے موسیٰ کے علم میں یہ بات نہیں آنے دی تھی کہ گھر کے سلسلے میں ان کی کوششیں شامل ہیں۔ اب وہ روز موسیٰ سے رابطے میں تھے اسے کسی نہ کسی طرح ایک چکر گاؤں کا لگانے پر مجبور کررہے تھے۔

اور یہ اتفاق ہی تھا کہ ان دنوں اماں جی کی طبیعت کچھ خراب ہوگئی تھی اور انہیں چند دن اسپتال میں داخل ہونا پڑا تھا۔ اماں بار بار موسیٰ سے ملنے کا اصرار کررہی تھیں۔ منیر صاحب کے بار بار رابطہ کرنے اور اماں جی کی خراب طبیعت کا سن کر اس کا دل پسیجا تھا اور پھر فون پر اماں جی سے بات کرکے ان کی روتے ہوئے کی جانے والی التجا سن کر اس سے اپنا دل مزید پتھر نہ بنایا گیا تھا چند دن کی چھٹی لے کر وہ گاؤں چلا آیا تھا۔ دو دن تو وہ گھر ہی نہیں آیا تھا اماں جی کے ساتھ اسپتال میں ہی رہا تھا۔ اور پھر اماں جی کو فارغ کردیا گیا تو ان کے ساتھ ہی گھر آیا تھا۔ گھر میں اپنے کمرے میں منتہیٰ کو دیکھ کر اسے بہت پچھتاوا سا چلا گیا تھا۔ اس کے دل میں موجود نفرت میں مزید اضافہ ہوا تھا۔ منتہیٰ کے ساتھ کیے جانے والے سلوک پر اسے ذرا بھی ندامت نہ ہوئی تھی بلکہ وہ خود کو حق پر سمجھتا تھا اسے منتہیٰ اس سے بھی برے سلوک کی مستحق نظر آتی تھی۔ پہلے دو دن تو بڑے سکون سے گزر رہے تھے۔ منتہیٰ خود بھی اس کے سامنے آنے سے بچ رہی تھی اس کی ہر ممکن کوشش تھی کہ موسیٰ منیر سے بچ کر رہے اس کا وحشیانہ سلوک وہ بھولی نہ تھی۔ اسے موسیٰ کے نام سے ہی کراہیت ہونے لگتی تھی مگر وہ سمجھوتے پر مجبور تھی شاید یہ بھی خود اذیتی کی ایک کیفیت تھی۔ وہ اپنے گھر والوں کو آخری حد تک باور کروانا چاہتی تھی کہ ان کا فیصلہ غلط تھا اور اب بھی غلط ہے۔

رات گئے جب اسے یقین ہوجاتا تھا کہ موسیٰ سوگیا ہوگا تب کمرے میں قدم رکھتی تھی اور سکڑ سمٹ کر بیڈ کے ایک کونے میں وسوسوں واہموں سے بھری رات کے چند گھنٹے گزار کر وہ اذان کی آواز کے ساتھ ہی کمرے سے نکل آتی تھی۔ اماں کی طبیعت بہتر تھی۔ موسیٰ اپنے کسی دوست سے ملنے گیا ہوا تھا۔ رات کو وہ لیٹ ہوگیا تھا۔ ابا جی نے فون کرکے پوچھا تو اس نے کہہ دیا کہ ابھی وہ دوست کے ہی پاس ہے شاید اس کے پاس ہی رات گزارے۔ منتہیٰ کے سامنے ہی منیر چاچا نے کال کی تھی اس نے شکر کا سانس لیا۔ پچھلی دو راتیں گویا سولی پر لٹکتے گزری تھیں۔ آج رات اگر وہ سوئے۔ نائٹ بلب کی روشنی میں اپنے آپ سے بے نیاز وہ ٹیپ ریکارڈر پر کیسٹ لگا کر سننے لگی۔ فارغ وقت کا یہ اچھا شغل تھا۔ دھیمے سروں میں کوئی آواز کمرے میں عجب سا تاثر پیدا کررہی تھی۔ وہ ہر چیز سے بے نیاز نجانے کن خیالوں میں تھی جب موسیٰ منیر نے دروازے کے اندر قدم رکھا تھا۔

"ہم تیرے شہر میں آئے ہیں مسافر کی طرح
صرف ایک بار ملاقات کا موقع دے دے"

آواز اتنی دلکش تھی کہ وہ چند پل وہ ٹھٹک گیا تھا۔ یہ اس کی پسندیدہ غزل تھی جو اس کے کمرے میں ریکارڈ میں شامل تھی۔ موسیٰ منیر کی نگاہ کرسی پر آنکھیں موندے اطراف سے بے نیاز وجود کے گرد لپٹی تو ساکت ہوگئی۔ منتہیٰ نور کی پلکوں سے پانی تسبیح کے دانوں کی طرح پھسل رہا تھا۔ موسیٰ اسے دیکھ کر پھر اک قیامت سے دوچار ہوا تھا۔

پچھلی دو راتوں سے وہ اس کے سوجانے کے بعد کمرے میں آتی تھی مگر آج......!

اس نے آگے بڑھ کر غصے سے ہاتھ میں پکڑا ہوا شاپر ڈریسنگ پر پٹخ دیا تھا۔ شور کی آواز پر وہ ہڑبڑا کر سیدھی ہوئی تھی۔ اور موسیٰ منیر کو کمرے کے بیچوں بیچ کھڑے دیکھ کر وہ لب سی گئی تھی۔ موسیٰ نے لائٹ جلاتے ہوئے منتہیٰ کو گھورا تو وہ گڑبڑا کر دروازے کی طرف بڑھی۔

"کہاں جارہی ہو......؟" موسیٰ کی پھنکارتی آواز سے منتہیٰ کا دل لرزا۔

"تمہیں مطلب......؟" اس نے اپنی کمزوری کو غالب نہ آنے دیا۔ اب وہ موسیٰ کی کسی بھی انتقامی کارروائی کی نذر نہیں ہونا چاہتی تھی۔ اپنے اعتماد کو بحال کرتے جواب دیا تھا اور موسیٰ حیران رہ گیا۔ منتہیٰ کا اعتماد اسے بہت ناگوار ہوا۔ آگے بڑھ کر منتہیٰ کی کلائی دبوچتے ہوئے اسے واپس دھکیل دیا تھا اور منتہیٰ اس درجہ غیر انسانی سلوک پر ششدر رہ گئی تھی۔

"میری زندگی کو شعلوں کی نذر کرکے تم خود کیسے اس آگ سے بچ سکتی ہو منتہیٰ نور! جس اذیت کی بھٹی میں میں جل رہا ہوں تم بھی اس میں برابر کی شریک ہو۔ اپنا حصہ تو وصول کرو۔" اس کے قریب ہوتے اس نے پھنکار کر کہا تو منتہیٰ کی رعت سے مڑی اسے موسیٰ سے ایک دم خوف محسوس ہوا۔

"ٹیپ ریکارڈ بند کرو۔" بڑے تحکم سے کہا گیا تھا۔ وہ کلس کر رہ گئی۔

"میں نہیں کررہی بند۔" وہ اپنے آپ کو بحال کرتے ہٹیلے پن سے بولی تھی۔ وہ کیوں برداشت کرے یہ سب...... کیوں......؟

"اچھا......" بڑے دھیان سے غزل سنی جارہی تھی۔ ایسا بھی کیا خاص ہے اس غزل میں...... عام سی تو ہے۔" منتہیٰ نے نفرت سے منہ پھیر لیا۔

"موسیٰ منیر! تم جیسے انسان جو اوروں کو جوتے کی نوک پر رکھیں وہ کیا جانتے ہیں کہ شاعری اور احساسات کیا ہیں۔ یہ عام سی غزل ہے یا خاص تمہیں کیا تکلیف ہے؟ میں اب تمہاری کسی انتقامی کارروائی کا نشانہ نہیں بنوں گی۔"

"اچھا......" وہ استہزائیہ ہنسا۔ "اتنے بڑے دعوے مت کرو منتہیٰ نور کہ خود ہی منہ کے بل گر پڑو۔ جو فصل بوئی ہے وہ کاٹو بھی...... جو کرچکی ہو اس کا بدلہ مل رہا ہے تمہیں

......اب اتنی تکلیف کیوں؟" اس کی کلائی پر گرفت جماتے اس کا لہجہ ایک دم بڑا سرد سا ہو گیا تھا۔ "تم ایک دوغلی، فسادی عورت ہو، میری پوری زندگی میں زہر گھول دیا ہے تم نے۔" وہ زہر بھرے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"اور تم خود......! میں فسادی ہوں تو تم کیا ہو؟ تم خود کو کیا سمجھتے ہو...... طاقت کے زور پر عورت کو زیر کرنے والے ایک سطحی جذبات کے مارے انسان کے علاوہ اور کیا ہو تم......؟ ایک شکی اور منتقم مزاج انسان کے سوا......" منتھیٰ کے لہجے میں بھی نفرت ہی نفرت سرائیت کر گئی تھی۔

"بکواس بند کرو۔" وہ دہاڑا تھا۔ منتھیٰ ایک دم خاموش ہو گئی تھی۔

"میں تھوکتا بھی نہیں ہوں تم پر...... مگر تم نے دوسروں کے ساتھ مل کر میری زندگی کو جہنم بنانے کا جو کھیل کھیلا ہے اس کی سزا بہت تکلیف دہ ہے۔ ساری عمر تمہیں اپنی اس غلطی کا خمیازہ بھگتنا ہوگا۔ مجھ سے شادی کی سزا تمہیں بھگتنا ہوگی۔ اور تم اب بھگتو گی بھی۔" اس کے بازو کو اپنی آہنی گرفت سے کچلتے ہوئے ایک دم وحشت پر اتر آیا تھا۔ پھر وہ سسکیاں بھرتی رہ گئی تھی۔ مگر موحد منیر کا انتقام اس کی سسکیوں، آہوں، آنسوؤں سے ٹھنڈا ہونے کی بجائے اور بڑھا تھا اور وہ ایک بار پھر اس کی وحشت کی بھینٹ چڑھ گئی تھی۔

❁

اگلی صبح وہ بخار سے پھنک رہی تھی مگر موحد کو اپنے رویے کا ذرا بھی احساس نہ تھا۔ ذرا سی بھی ندامت نہ تھی اور کیوں ندامت ہوتی اس کا بھی نقصان شدید تر تھا نا! وہ واپسی کی تیاریاں کر رہا تھا اور آتے جاتے منتھیٰ کو بھی سلگا رہا تھا کہ اباجی نے بلوا لیا تھا۔

"جا رہے ہو؟" جیسے ہی وہ ان کے کمرے میں پہنچا تھا اباجی نے پوچھا تھا۔

"جی......"

"بنگلہ مل گیا ہے تمہیں؟"

"جی۔"

"اچھی بات ہے، منتھیٰ کو بھی ساتھ لیتے جاؤ۔ وہ یہاں رہ کر بھلا کیا کرے گی۔ پہلے ہی تم تین ماہ بعد لوٹے ہو اب نجانے کب چکر لگاؤ، اچھا ہے نا وہ تمہارے ساتھ ہی جائے۔ تمہیں بھی سہولت ہو جائے گی۔" اباجی کا انداز حتمی اور فیصلہ کن تھا۔

"ہرگز نہیں! ہر بار آپ نے اپنی منوائی ہے، میں اسے اپنے ساتھ نہیں لے کر جاؤں گا۔ وہ یہیں رہے گی۔" ایک دم غصے میں آ کر اس نے انکار کیا تھا۔

"میرے ساتھ ضد اور بحث کرنے کا کوئی فائدہ نہیں موحد! تم جانتے ہو میں جو کہتا ہوں وہ کرتا بھی ہوں۔ تم اسے ساتھ لے کر نہیں جاؤ گے تو میں کل خود جا کر چھوڑ آؤں گا۔ بہتر ہے تم آج خود ہی ساتھ لے جاؤ۔" ان کے دوٹوک انداز پر موحد نے لب بھینچ لیے۔ پھر وہ ایک دم وہاں سے نکل آیا تھا۔ واپسی کی سفر میں روئی، دھلی منتھیٰ اس کے ہمراہ تھی۔ یہ مجبوری اور زبردستی کا تعلق اسے نبھانا ہی پڑ رہا تھا، اس کے سوا اب کوئی اور چارہ بھی نہ تھا۔ اس طرح وہ اسے لے کر ایبٹ آباد آ گیا تھا۔ مگر یہاں آتے ہی اس کا بخار پہلے سے زیادہ شدت اختیار کر گیا تھا۔ چند دن بیمار رہنے کے بعد وہ اب بہتر ہوئی تو اس نے خود کو گھر کے کاموں میں مصروف کرنے کی کوشش شروع کر دی تھی۔

❁

آنے والے دنوں میں اس نے خود کو پوری طرح اس گھر میں ایڈجسٹ کرنے کی [illegible] اور کامیاب بھی رہی۔ موحد صبح سویرے [illegible] جاتا اس کے سونے کے بعد لوٹتا تھا۔ اس نے موحد کے ہر معاملے سے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ شادی کے پہلے کے تمام اختلافات سینے میں دبائے وہ اب صرف سمجھوتا کر رہی تھی اور شاید یہی عالم موحد کا بھی تھا۔ وہ منتھیٰ سے ہر طرح کا برا رویہ روا رکھنے کے بعد یہ حقیقت جان گیا تھا کہ وہ کچھ بھی کر لے منتھیٰ سے قائم تعلق اب بہر صورت نبھانا ہی پڑے گا۔

گاؤں سے اباجی ہر روز فون کر کے اس کو منتھیٰ سے اچھا رویہ رکھنے کی تلقین کرتے تھے اور اس کا جی چاہتا کہ وہ منتھیٰ کا حشر نشر کر دے مگر ہر بار خود کو سنبھال لیتا کہ وہ پہلے ہی اپنی فطرت و مزاج کے برخلاف کافی برا سلوک کر چکا تھا۔ اباجی کی ضد تھی منتھیٰ کو اس کے ساتھ بھیجنا اور وہ منتھیٰ کو یہاں لا کر بھول جانے کی کوشش میں تھا۔ مگر اس کا ضمیر پھر بھی مطمئن نہ ہوتا تو وہ سارا سارا دن باہر گزار دیتا۔ جب رات گئے گھر لوٹتا تو منتھیٰ کو بیڈ روم میں آرام سے سوتے دیکھ کر اس کے اندر کی وحشت میں کئی گناہ اضافہ ہو جاتا اور ایسے میں جی چاہتا کہ وہ منتھیٰ کو جھنجوڑ کر اٹھا دے مگر وہ ہر بار خود کو روک لیتا کہ وہ خود بھی اپنے غیر انسانی سلوک سے بے چین و مضطرب رہنے لگا تھا۔

منتھیٰ فریش ہو کر منہ ہاتھ دھو کر نکلی تو ہال کمرے میں روز کی طرح موحد کو بڑے صوفے پر سوتا دیکھ کر اس نے ایک سرد سی نگاہ ڈالی تھی۔ نجانے رات وہ کب لوٹا تھا۔ ایک بجے تک تو وہ جاگتی رہی تھی۔ اور تب تک وہ نہیں آیا تھا اور اب......!

وہ سر جھٹک کر واپس کمرے میں چلی گئی۔ فجر کی نماز ادا کر کے کمرے سے نکلی تو بٹلر کچن میں موجود تھا۔

"تم جاؤ میں ناشتا خود تیار کر لوں گی۔" اسے چلتا کر کے اس نے فریج سے سامان نکالنا شروع کر دیا تھا۔ موحد کی آنکھ کھلی تو پہلی نگاہ کچن کی طرف اٹھی۔ سبز آنچل کو لہراتے دیکھ کر اس نے پھر سے آنکھیں موند لی تھیں۔

"ایسا کب تک چلے گا؟" کسی نے اس کے اندر سے سوال اٹھایا۔ "شاید ساری زندگی" اس نے تلخی سے دوبارہ آنکھیں کھول لیں۔

"محمد خان!" اس نے لیٹے لیٹے ہی سختی سے پکارا تو منتھیٰ نے چونک کر باہر جھانکا وہ صوفے پر بیٹھا دکھائی دیا۔

"جی سر!"

"بٹلر کہاں ہے؟" اس نے تحکم سے پوچھا تو منتھیٰ نے ایک گہرا سانس لیا۔ وہی روزانہ کی تکرار تھی۔

"وہ میرے ساتھ صحن کی صفائی کر رہا ہے۔ بیگم صاحب نے آرڈر دیا تھا کہ سارا صحن آدھے گھنٹے میں صاف [illegible]"

"[illegible] اسے بھیجو۔ جس کام کے لیے وہ یہاں ہے وہی انجام دے۔ آئندہ میں نہ دیکھوں کہ کچن کے کام کوئی اور کرے۔ بھجواسے۔" غصے سے کہتا وہ بیڈ روم کی طرف چلا گیا تھا۔

"بیگم صاحب! آپ مجھے ہر روز جھاڑ پلوا دیتی ہیں۔ صاحب کو آپ کا کام کرنا اچھا نہیں لگتا۔" وہ منہ بسورتا چلا آیا تھا۔ منتھیٰ نے بڑی سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

"تم محمد خان اور اپنے صاحب کا ناشتا لے جاؤ اور پھر خود بھی کر لینا۔ سب تیار ہے۔" اس کی بات کو نظر انداز کرتے اس نے خاموشی سے اپنا ناشتا ٹرے میں نکال کر ہال کمرے کی راہ لی۔ صوفے پر بیٹھ کر وہ آرام سے ناشتہ کر رہی تھی جب نک سک سے تیار موحد کمرے سے برآمد ہوا۔ اسے دیکھ کر اس کی بھنویں تن گئیں۔ صوفے پر آلتی پالتی مارے وہ بڑے آرام و سکون سے ناشتا کر رہی تھی۔

موحد کو دیکھ کر منتھیٰ کے ہاتھ رک گئے۔

وہی ہمیشہ والا سرد انداز۔

"میں شام چھ بجے گھر آؤں گا تم تب تک تیار ہو جانا۔ کچھ دوستوں نے مل کر ایک پارٹی ارینج کی ہے۔ تمہیں ساتھ چلنا ہے۔" اپنے اسی بے لچک انداز میں وہ گویا تھا۔ منتھیٰ نے حیرانی سے اسے دیکھا۔ جی چاہا کہ صاف انکار کر دے مگر پھر چپ رہی۔ وہ گھر کی چار دیواری میں بند رہ کر اب اکتانے لگی تھی۔ اس کا جی چاہنے لگا تھا کہ وہ باہر کی کھلی فضا میں سانس لے۔ ہنسے مسکرائے شادی سے پہلے والی بے فکر، بے پروا منتھیٰ نور بن جائے۔ مگر...... آہ! وہ تیار ہو کر اپنے اسی سرد انداز سمیت چلا گیا تو وہ کلس کر رہ گئی۔ موحد کے گھر سے جانے کے فوراً بعد اس نے بٹلر اور محمد خان کے ہمراہ مل کر سارے گھر کی تفصیلی صفائی کی تھی۔ ادھر سے فارغ ہو کر وہ

بیڈروم میں چلی آئی اس کے کپڑوں کا سوٹ کیس اسی طرح پڑا ہوا تھا۔ الماری میں تو مویٰ منیر کی اپنی چیزوں کی کمی نہ تھی وہ بھلا کہاں اپنا سامان رکھتی۔ سارے کپڑے ایک کے بعد ایک نکال کر دیکھتی رہی۔ ایک سیاہ رنگ کا خوب صورت کڑھائی والا لباس نکال کر اس نے بٹلر کو دیا کہ وہ پریس کردے۔ مویٰ منیر کے ساتھ زندگی گزارنا ایک مشکل ترین کام تھا مگر وہ زندگی کو دھکا لگائے ہوئے تھی۔ مویٰ سے نہ اسے پہلے کوئی اچھی امیدیں اور توقعات تھیں اور نہ ہی آئندہ تھیں۔ وہ بس اپنے ماں باپ کی عزت کی خاطر یہ سب برداشت کرنے پر مجبور تھی ورنہ مویٰ منیر کے لیے اس کے دل میں اب سوائے نفرت کے کوئی اور جذبہ نہ تھا اور خالی خولی نفرت سے بھی آخر کب تک گزارا کرتی۔ اگر آپا زہرا، اماں عیشہ اور منیر چاچا روزانہ کالز کر کر کے اسے مویٰ کے ساتھ نباہ کرنے اور سمجھانے کی کوشش نہ کررہے ہوتے تو وہ مویٰ کے ساتھ ایک دن بھی نہ رہ پاتی۔ اپنوں سے اس قدر دور محض ان تسلی دلاسوں کی وجہ سے ہی ابھی تک یہاں رہ رہی تھی ورنہ یہاں رہنے کے لیے اب کچھ بھی نہ تھا۔

ہر چیز تیار کیے وہ شام تک منتظر رہی وہ صرف تیار نہیں ہوئی تھی کیا پتا اس شخص کی نیت کب بدل جائے اور ذلت علیحدہ...... وہ ہال کمرے کی کھڑکی کھولے باہر دیکھ رہی تھی جب مویٰ لوٹ آیا تھا۔ وہ دیکھ کر بھی انجان بنی رہی۔

"تم ابھی تک تیار نہیں ہوئیں؟" وہ اسے سارے گھر میں دیکھ کر آیا تھا اور اب اسے صبح والے حلیے میں دیکھ کر اس کے تیور بگڑے تھے۔ منتہیٰ نے اسے ایک نظر دیکھا اور کھڑکی سے ہٹ گئی۔ مویٰ کے لیے منتہیٰ کا یہ انداز بڑا توہین آمیز تھا۔ وہ مویٰ کے سامنے اب نہیں بولتی تھی دونوں ہی کلام نہیں کرتے تھے۔ مویٰ تو بھی کبھار مخاطب کرہی جایا کرتا تھا جبکہ وہ یہ بھی نہیں کرتی تھی۔ مویٰ اس کے پیچھے ہی کمرے میں آیا تھا۔ محمد خان نے اس کا لباس پریس کردیا تھا۔ تب لباس بدل کر باہر نکلی تو مویٰ دیکھ کر رک گئی۔

"پانچ منٹ میں تیار ہوجاؤ، ہمیں ابھی نکلنا ہے۔"

اسے کہہ کر وہ اپنا لباس لیے باتھ روم میں گھس گیا تھا۔ اس نے کون سا خصوصی اہتمام کرنا تھا۔ بال بنا کر اس نے کانوں میں سونے کے ٹاپس پہنے اور ہونٹوں پر ہلکی سی نیچرل کلر کی لپ اسٹک لگالی۔ وہ بستر پر بیٹھی سینڈل پہن رہی تھی جب بالوں میں برش پھیرتے مویٰ نے اسے بھی دیکھا۔ لمبے گھنے بال اس کے پہلو میں سمیٹ آئے تھے جنہیں وہ ایک ہاتھ سے سنبھالے دوسرے سے سینڈل بند کررہی تھی۔ خوب صورت لباس اور ہلکی سی لپ اسٹک کے باوجود وہ بڑی سوگوار سی لگی۔ مویٰ نے شاید پہلی بار اسے غور سے دیکھا تھا۔ اس کی نگاہ چند پل کے لیے اس کے چہرے پر جم سی گئی تھی۔ منتہیٰ نے سر اٹھایا تو مویٰ کو خود کو دیکھتے پاکر پٹپٹا سی گئی۔ مویٰ بھی پلٹ کر برش رکھ کر اپنا والٹ اور موبائل اٹھانے لگا۔

"تیار ہو......؟" وہ اٹھ کھڑی ہوئی تو وہ اسے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتے باہر نکل آیا۔

"مویٰ! تم بہت خوش قسمت ہو۔ تمہاری وائف بہت پیاری اور باوقار ہیں۔" اس کے دوست مرتضیٰ نے برملا تعریف کی تو منتہیٰ جھینپ گئی۔

"اور خوب صورت بھی بلا کی ہیں۔" کسی اور نے بھی لقمہ دیا تھا۔

"بڑی شرم وحیا والی...... ایسی بیوی پر مرد کو فخر ہوتا ہے۔" اس کے سینئر نے مویٰ کے کان میں سرگوشی کی تھی۔

"اب سمجھ آئی تم بھابی کو لانے سے کیوں انکار کردیا تھا۔ بھابی تو پہلی نظر میں کسی کو بھی متاثر کرسکتی ہیں جبھی تم ٹال رہے تھے۔" کسی اور نے بڑی شرارت سے کہا۔ ایسے تبصروں اور جملوں سے وہ قدم قدم پر سراہی گئی تھی۔ وہ خاصی پر اعتماد لڑکی تھی مگر مویٰ نے اس کا سارا اعتماد نچوڑ لیا تھا۔ بڑے عرصے بعد اسے اپنی ذات کا فخر دوبارہ حاصل ہوا تو طبیعت کچھ ہلکی پھلکی سی لگنے لگی۔ یہ پارٹی خاصی کامیاب رہی تھی رات گئے

جب دونوں لوٹ رہے تھے تو منتہیٰ تھکن سے بے حال پچھلی سیٹ کی پشت گاہ سے کمر ٹکا کر آنکھیں موندے تھی۔ محمد خان ڈرائیو کررہا تھا جبکہ فرنٹ سیٹ پر اس کے ساتھ بیٹھا مویٰ گاہے بگاہے بیک ویو مرر سے منتہیٰ کے نظر آتے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ منتہیٰ سے اسے اتنی نفرت تھی کہ وہ کبھی بھی اس کے بارے میں مثبت رائے نہیں رکھ سکتا تھا مگر آج کی تقریب میں جس طرح اسے ہاتھوں ہاتھ لیا گیا تھا، قدم قدم پر سراہا گیا تھا مویٰ بھی چونک گیا تھا اور پہلی بار اسے منتہیٰ کے وجود کی ساری خوب صورتی بڑے خوب صورت انداز میں متاثر کررہی تھی۔ اس کے لمبے گھنے بال، خوب صورت سراپا، سرو قد اور ہیرے کی لونگ سے دمکتی ستواں ناک جو اس کے مغرورانہ سراپا کو اور بھی نمایاں کردیتی تھی۔ وہ پہلی بار بڑے غور سے اس کے خدوخال کا نا صرف جائزہ لے رہا تھا بلکہ اس کا روپ بڑے غیر محسوس انداز میں اس کے دل کے تاروں کو بھی چھیڑ رہا تھا۔ منتہیٰ سے اس کا صرف ایک ہی رشتہ تھا نفرت کا رشتہ وہ کسی اور تعلق کو نہ مانتا تھا اور نہ ہی قبول کرتا تھا۔ محض منتہیٰ کی زندگی اجیرن کرنے، اسے سخت سے سخت سزا دینے کو وہ اس کے ساتھ ہر برا رویہ رکھنے پر خود کو حق بجانب سمجھتا تھا تو پھر اب دل کے اندر یہ اک نیا احساس کیونکر تھا۔

گھر واپس آکر وہ بیڈروم میں چلی آئی تھی۔ پہلے دن سے وہ اسی بیڈروم میں تھی۔ رات وہ بیڈروم میں ہوتی تھی تو مویٰ ہال کمرے کے صوفے پر...... دونوں کے درمیان یہ معمول خود بخود بندھ گیا تھا۔ دوپٹا بیڈ پر ڈال کر آئینے کے سامنے کھڑی وہ کانوں سے ٹاپس اتار رہی تھی کہ مویٰ کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر ٹھٹک کر رہ گئی۔ وہ جب سے یہاں تھی مویٰ کو ہال کمرے میں سوتے دیکھ کر سمجھی تھی کہ شاید اس کے اندر کچھ انسانیت پیدا ہوگئی ہے مگر اب اسے پھر روم میں دیکھ کر اس کا چہرہ تاریک ہوا تھا۔ آگے بڑھ کر دوپٹا اٹھا کر دوبارہ سے کندھوں پہ پھیلا لیا۔ مویٰ لباس لے کر باتھ روم میں چلا گیا تو وہ گم صم کھڑی رہی۔ مویٰ دوبارہ کمرے میں لوٹا تو اسے گم صم کھڑے دیکھ کر چونکا۔ اس نے بھی مویٰ کو دیکھا اور پھر نگاہیں جھکالیں۔ وہ باہر جانے کی بجائے بستر پر دراز ہوگیا تھا۔

"آج کھڑے کھڑے سونے کا ارادہ ہے کیا......؟"

اسے اس طرح کھڑے دیکھ کر مویٰ نے ٹوکا۔ انداز سخت تھا۔ وہ خاموشی سے لباس بدل کر بستر پر چلی آئی۔ مویٰ کو چت لیٹے خوف زدہ نظروں سے دیکھتے اس نے آنکھوں پر بازو رکھ لیا۔

دن اپنی مخصوص رفتار سے گزر رہے تھے۔ اگلے ماہ رمضان شروع ہوجانا تھا، درمیان میں چند دن باقی تھے اسے یہاں آئے بھی ایک ماہ ہونے والا تھا۔ ان دنوں کا خوشگوار واقعہ عیشہ اور جہاں زیب کی آمد تھی ہنی مون ٹرپ پر اسلام آباد آئے ہوئے تھے چند دن ان کے ہاں بھی ٹھہرنا تھا۔ عیشہ اور بھائی کو دیکھ کر منتہیٰ خوش ہوگئی تھی۔ جہاں زیب اور مویٰ کی آپس میں شادی سے پہلے کافی دوستی تھی۔ جہاں زیب کے آنے کا مویٰ پر اچھا اثر پڑا تھا۔ وہ اب جلد گھر آنے لگا تھا اور جہاں زیب اور عیشہ کہیں نہ کہیں گھومنے پھرنے کا پروگرام بنالیتے تو دونوں کو بھی ان کا ساتھ دینا پڑتا تھا۔ آج بھی مغرب کے قریب وہ لوگ قریبی ٹیلے پر آئے ہوئے تھے۔ مویٰ قریبی دکان سے عیشہ کی فرمائش پر کچھ کھانے کو لینے گیا ہوا تھا۔ جہاں زیب ان کو ایک طرف بیٹھتے دیکھ کر پیچھے کی طرف چلا گیا تھا۔

"منتہیٰ! مویٰ بھائی کے رویے میں کچھ بہتری آئی ہے؟ مجھے تو وہ شادی کے بعد والے مویٰ بھائی سے خاصے بہتر لگ رہے ہیں۔"

ادھر ادھر کی باتوں کے دوران ایک دم عیشہ نے کہا تو وہ چپ کر گئی۔

"پتا نہیں...... مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا...... میرے دل میں پہلے اس شخص کے لیے کوئی احساس نہ تھا رہی سہی کسر بعد میں اس کے رویوں نے پوری کردی۔ اب تو

کوئی جگہ بنے دل میں ناممکن سی بات ہے۔“ منتہٰی کے انداز پر عیشہ تڑپ اٹھی تھی۔

”تمہیں اباجی نے فون کرکے ساری صورت حال بتائی تو تھی۔ وہ نتاشا لوگوں کے انکار اور پھر اباجی کے رویوں سے بگڑے ہوئے تھے اور سارا غصہ لامحالہ تم پر ہی نکالنا تھا انہوں نے۔“

”بہت غلط کیا چاچاجی نے...... اپنی زبان کی پاسداری کا انہیں اتنا احساس تھا تو موسیٰ کی زبان کا بھی خیال کرتے...... یہ شخص میرے ساتھ جیسا بھی سہی مگر اس لڑکی کے ساتھ خوش تو رہتا۔ ایک انکار سے کم از کم اتنی اذیت تو نہ میں سہتی۔ اس نے اپنی ساری نفرت مجھ پر نکالی میرا تو سرے سے قصور تھا ہی نہیں۔ وہ اب تک سمجھتا ہے کہ نتاشا لوگوں کے انکار اور زہرا باجی کے ذریعے چاچاجی کو ورغلانے والی میں ہوں۔ خدا کی قسم! میں نے تو کبھی ایسا سوچا بھی نہ تھا۔ موسیٰ سے بس اختلافات ضرور تھے مگر اس سے شادی کرنے یا اس کی زندگی میں داخل ہونے کا کبھی گمان تک دل میں نہ لائی۔ اگر میرے بس میں ہوتا تو کبھی اس سے شادی نہ کرتی۔“ وہ بات کرتے کرتے ایک دم روئی اور عیشہ کی فرمائش پر کھانے پینے کا سامان لے کر آتا موسیٰ الٹے قدموں واپس پلٹ گیا۔

....

وہ کئی راتوں سے سو نہیں پایا تھا۔ وہ سو تو تب سے ہی نہیں پایا تھا جب سے منتہٰی نام کی اذیت اس کے مقدر میں لکھی گئی تھی اور پھر اس سے شادی اور بعد کے اپنے سلوک نے اسے خود سے ہی اس قدر برگشتہ کردیا تھا کہ وہ مسلسل کئی ماہ تک دوبارہ گھر نہ جاسکا تھا اور پھر گیا بھی تو وہی نفرت پھر سے عود کر آئی تھی۔ منتہٰی پاس تھی تو وہ اس کے ساتھ برا سلوک کرنے سے خود کو ہر طرح سے باز رکھتا تھا مگر عیشہ لوگوں کی آمد نے صورت حال بدل دی تھی۔ منتہٰی اور عیشہ کے درمیان ہونے والی گفتگو سن کر وہ اپنی ہی نظروں سے گر گیا تھا۔

”تو منتہٰی نور اس سارے کھیل میں بے قصور تھی؟“

وہ جوں جوں سوچتا تکلیف بڑھتی جاتی۔ موسیٰ نے گردن گھما کر بستر کے دوسرے کنارے پر محو خواب وجود کو دیکھا۔ کئی دنوں سے منتہٰی کا وجود اسے بری طرح ڈسٹرب کررہا تھا مگر اب تو حد ہی ہوگئی تھی۔ اس کی راتوں کی نیندیں تک اڑ چکی تھیں۔ اسے شادی کے بعد منتہٰی سے روا رکھا جانے والا اپنا سلوک یاد آیا تو نظریں ندامت سے جھک گئیں۔ وہ اتنا حقیر انسان ثابت ہوا تھا اسے خود سے نفرت ہونے لگی۔ اگر منتہٰی قصوروار تھی بھی تو اسے کوئی حق نہیں تھا کہ اسے اتنی بڑی سزا سناتا اور اب......؟

منتہٰی نے کروٹ بدلی تھی۔ موسیٰ نے گردن موڑ کر دیکھا اس کا خوب صورت سراپا نگاہوں کے سامنے تھا۔ لمبے بالوں کی چوٹی بستر پر پڑی ہوئی تھی۔ مخروطی ہاتھ کی انگلیاں...... اس نے آہستگی سے اس کی انگلیوں کو چھوا۔ ہاتھ کا گداز منتہٰی کے ہاتھ پر ٹھہرا تو اس نے سرعت سے ہاتھ کھینچ لیا اور لائٹ بند کرتے کمرے سے نکل آیا۔

رات کا ایک بج رہا تھا مگر سکون ندارد تھا۔

ساتھ والا کمرا عیشہ اور جہاں زیب کے لیے سیٹ کیا گیا تھا۔ لائٹ روشن تھی قریب سے گزرتے اندر سے آوازیں سن کر وہ رک گیا۔

”زیبی! آپ موسیٰ بھائی کو سمجھائیں نا پلیز۔“ عیشہ کی آواز پر وہ چونکا۔

”دیکھو میں اس طرح کیسے سمجھا سکتا ہوں۔ منتہٰی کا بھائی ہوں۔ موسیٰ سے لاکھ بے تکلفی سہی مگر ایک بھائی بھی ہوں۔ آپا زہرا نے ہمیں سارے حالات سے آگاہ کرکے ہمیں یہاں بھیجا ہے ایسے عالم میں موسیٰ کو چھیڑنا نری حماقت ہے۔ یہاں آکر ساری صورت حال کا جائزہ لینے کے بعد میرا تو دل چاہ رہا ہے کہ میں منتہٰی کو سیدھا ساتھ لے جاؤں۔ ناحق چاچاجی نے موسیٰ کے ساتھ ہماری بہن کو بھی خوار کروادیا۔ میں تو صاف کہوں گا۔ کہ سارا قصور تمہارے اباجی کا ہے۔ جب وہ کسی اور لڑکی کو پسند کرتا تھا تو سیدھے سادے طریقے سے اباجی سے بات کرکے رشتہ ختم کردیتے۔ اگر رشتہ کرنا بھی تھا تو موسیٰ کو سمجھانے اور منانے کے بہت سے طریقے تھے۔ لے کے ہماری پھولوں جیسی بہن رول دی ہے۔ وہ شادی سے انکاری تھی میں تو یہی سمجھتا رہا کہ اس کے موسیٰ سے متعلق محض وقتی اختلافات ہیں۔ شادی ہوگی تو حالات درست ہوجائیں گے مگر شادی کے بعد موسیٰ کا تین ماہ تک پلٹ کر خبر نہ لینا اور واپس آیا بھی تو چاچاجی نے ایک اور زیادتی کر ڈالی۔ زبردستی منتہٰی کو ساتھ روانہ کردیا۔ اس طرح بھلا حالات سدھرتے ہیں؟ مجھے ساری صورت حال دیکھ دیکھ کر بہت دکھ ہورہا ہے۔“ جہاں زیب کی دکھ سے بھرپور آواز سن کر موسیٰ ششدر رہ گیا تھا۔ یعنی ہر کوئی اصل حالات سے بے خبر تھا۔ اس نے سختی سے لب بھینچ کر وہاں سے قدم ہٹالیے تھے۔

....

وہ دو تین دن رہ کر گئے تھے۔ تیسرے دن وہ لوگ جانے کو تیار تھے موسیٰ سے جہاں زیب نے منتہٰی کو بھی ساتھ لے جانے کی بات کی تو وہ چونک کر جہاں زیب کو دیکھنے لگا۔

”کیوں......؟“ اگر جہاں زیب کی گفتگو نہ سنی ہوتی تو فوراً منتہٰی کو بھیجنے پر شکر ادا کرتا بلکہ خوش ہوتا مگر اب......!

”بھئی ہماری بہن ہے وہ جانا چاہتی ہے کچھ دن کے لیے ویسے بھی میرا نہیں خیال کہ اس کی غیر موجودگی میں تمہیں کوئی فرق پڑنے والا ہے۔“ موسیٰ نے دیکھا جہاں زیب کے تاثرات کچھ طنزیہ لگے تھے۔

اگر نقصان منتہٰی کو ہوا تھا تو اتنا ہی شدید بلکہ اس سے زیادہ تکلیف دہ صورت حال اس نے خود بھی برداشت کی تھی ایسے میں جہاں زیب کا رویہ ناگوار گزرا تھا۔

”او کے لے جاؤ۔“ اس نے نارمل انداز میں کہہ دیا تھا تو جہاں زیب نے لب بھینچ کر عیشہ کو دیکھا جو نظریں جھکا گئی تھی۔ منتہٰی نے شکر کا سانس لیا کم از کم چند دن کے لیے وہ اس قید سے اس شخص سے دور رہنا چاہتی تھی۔

”منتہٰی تم پیکنگ کرلو شام کو ہم نکل چلیں گے۔ ایک ماہ بہت ہوتا ہے۔ تیار ہوجاؤ۔“ وہ فوراً سر ہلاتی کمرے میں چلی گئی تھی۔

....

وہ گاؤں آئی تو دوسرے دن ہی روزے شروع ہوگئے تھے۔ وہ سحر اماں کے ہاں رہی اور پھر چاچا منیر اور چچی اسے اپنے ہاں لے آئے۔ رات افطاری کے بعد ساجدہ بھابی کے ساتھ کچن سمیٹ کر وہ بھابی کے ساتھ ہی اپنے کمرے میں جانے کے لیے نکلی تھی۔ صبح سے اس کی طبیعت عجیب مضمحل سی تھی۔ بھابی کے ساتھ چلتے اسے بڑے زور کا چکر آیا تھا۔ اس نے فوراً بھابی کا بازو تھام کر خود کو گرنے سے روکا۔

”کیا ہوا منتہٰی! ٹھیک تو ہو؟“ اس کے وجود کو سنبھالتے ساجدہ بھابی ایک دم پریشان ہوئی تھیں۔

”کچھ نہیں بس چکر سا آگیا تھا۔ میں ٹھیک ہوں۔“ اس نے مسکرا کر کہا مگر چہرے کی زردی نظر انداز کی جانے والی نہ تھی۔ وہ اس کا ہاتھ تھامے اس کے کمرے میں چلی آئیں۔

”چکر کیوں آیا بھئی!“ انہوں نے اس کے ساتھ ہی بستر پر بیٹھتے پوچھا تو وہ ہنس دی۔

”ہوسکتا ہے کمزوری ہوگئی ہو اتنی گرمی میں روزے آئے ہیں۔ میری کیا ہر ایک کی یہی حالت ہورہی ہے۔ کئی دن سے یہ حالت ہے اماں کے ہاں بھی ایک دو دفعہ چکرا کر گرنے والی ہوگئی تھی۔“ بھابی نے بغور اسے دیکھا۔

”ایبٹ آباد کتنے دن رہ کر آئی ہو؟“ انہوں نے پوچھا تو اسے موسیٰ یاد آیا۔ اس نے لب بھینچ لیے اور بھی نجانے کیا کچھ یاد آگیا تھا۔

”ایک ماہ۔“

”صبح اماں کو ضرور بتانا۔ میرا خیال ہے ڈاکٹر سے چیک کروالو۔ ہوسکتا ہے کوئی خوش خبری ہو۔“ انہوں نے اپنی طرف سے اس کے ساتھ شرارت کرنا چاہی تھی مگر منتہٰی تو مارے حیرت و پریشانی کے گنگ رہ گئی۔ بھابی کی بات کا مطلب وہ صاف سمجھ گئی تھی۔

''ایسی کوئی بات نہیں۔'' نگاہیں چرا کر اس نے انکار کیا تو بھی بھابی اسے مسکراتی نگاہوں سے دیکھتی رہی تھیں۔ پھر بھابی تو اپنے کمرے میں چلی گئی تھیں مگر اس کے اندر اک وحشت اترتی چلی گئی۔ جہاں زیب اور عیشہ اسے ساتھ تو لے آئے تھے مگر اسے لگ رہا تھا کہ اس کا سارا دھیان وہیں ایبٹ آباد میں ہی رہ گیا ہے۔ موسیٰ سے اسے لاکھ نفرت سہی مگر اس کے دل میں موسیٰ سے علیحدہ ہونے کا ابھی تک خیال نہ آیا تھا۔ وہ صبح جب چاچا اور چاچی کے ساتھ لوٹ رہی تھی تو جہاں زیب نے روک لیا تھا۔

''اماں ابا نے جو زبردستی کی اور چاچا چاچی نے موسیٰ کے ساتھ جو رویہ رکھا اس کا نتیجہ اب سامنے ہے۔ موسیٰ کے دل و دماغ میں کوئی اور لڑکی ہے وہ زبردستی بھی تمہیں اپنے گھر میں بسالے تو بھی کیا گارنٹی ہے کہ اس کے دل و دماغ میں تمہارے لیے کوئی گنجائش بھی پیدا ہوجائے۔ منتھی! ساری زندگی کی خوشیوں کا سوال ہے تمہارے پاس ایک راستہ ہے میں ہر حال میں تمہارا ساتھ دوں گا۔ اب تو اماں اور ابا کو بھی چاچا منیر کی غلطی جان کر اپنے رویوں کا احساس ہوگیا ہے۔ ہم سب تمہیں اکیلے نہیں چھوڑیں گے تم جو بھی فیصلہ کرو گی ہم تمہارا ساتھ دیں گے مگر ایسا فیصلہ کرنا جس میں سب کی بہتری ہو۔ تم اچھی طرح سوچ لو اگر موسیٰ کے ساتھ نباہ کرنا مشکل ہے تو ابھی سے ہی اس تعلق کو ختم کیا جاسکتا ہے۔'' اور اب کمرے کی تنہائی میں ان باتوں کو یاد کرتے اسے بھابی کی چھیڑ خانی بھی یاد آرہی تھی۔ وہ اسے بھابی کی شرارت ہی سمجھتی تو بھی اس کے دل میں خوف سا پیدا ہوگیا تھا۔ اس نے سوچا کل گھر جائے گی تو اماں سے بھی بات کرے گی۔

٭٭٭

بھابی ساجدہ کا شک درست نکلا تھا۔ دونوں گھروں میں اس کے وجود کے اندر پنپنے والی خوشی خبری کی [illegible] جہاں خوشی دوڑ گئی تھی، وہیں وہ گم صم سی ہوگئی [illegible] جہاں زیب اور اماں ابا بھی سن کر مطمئن ہو گئے کہ شاید اب موسیٰ اپنی اولاد کی وجہ سے ہی اس کے ساتھ تعلق داری کا نئے سرے سے جائزہ لے لے شاید اب کوئی گنجائش نکل آئے اور حالات بہتر ہوجائیں۔ دن اسی رفتار سے گزر رہے تھے۔ روزوں کی وجہ سے ہر کوئی عبادت اور سحری و افطاری کی مصروفیات میں الجھا ہوا تھا۔ اماں نے فون کرکے موسیٰ کو اطلاع کردی تھی۔ اس کا کیا ردعمل تھا، کوئی اندازہ نہ ہوسکا نا ادھر سے اس نے کوئی رابطہ کیا نا ہی اس نے فون کرکے اس خوش خبری کی تصدیق چاہی۔ منتھی جو کہ اس خوش خبری کے بعد کچھ حد تک اپنے ذہن کو نفرت کے جذبات سے نکال کر مثبت سوچ کی طرف گامزن ہونے والی تھی موسیٰ کے اس رویے پر پھر اپنی جگہ ساکت سی رہ گئی۔

دن رات کے اسی چکر میں الجھتے دن رات کرتے آخری عشرہ شروع ہوا تو منتھی کے دل سے ہر امید ختم ہوگئی۔ سمجھوتا کرنے کا ہر احساس بے حس ہونے لگا۔

وہ اماں کے ہاں افطاری کے بعد آئی تو بھابی زہرا پوچھنے لگیں۔

''موسیٰ نے کوئی فون کیا؟'' اس نے انہیں ایک نظر دیکھ کر گردن نفی میں ہلادی۔ انہیں اس پر بڑا رحم محسوس ہوا۔ شادی کے بعد لڑکی کی ذات کی ساری انا [illegible] ہوجاتی ہے۔ اس کی ساری توجہ محبت [illegible] میں سمٹتے اپنے شوہر اور اس کے گھر [illegible] ہوجاتی ہے۔ مگر موسیٰ کی بے حسی [illegible] منتھی کے اندر کی نرم و نازک احساسات کی مالک لڑکی کو [illegible] رہی تھی ہر رات کا اختتام اس کی امید کا اختتام تھا گویا پھر کس کس کے سامنے اپنی [illegible] کرتی۔

''فکر [illegible] عید پر اس نے آنا ہی ہے نا! خوب [illegible] دل کی بھڑاس نکالنا۔ اتنی پیاری بیوی سے وہ بھلا کب تک منہ موڑے بیٹھا رہے گا۔'' انہوں نے مسکرا کر اسے تسلی دینا چاہی تھی مگر منتھی کو لگا اس کے زخموں پر نمک پاشی کی گئی ہے۔ وہ چند لمحے وہاں بیٹھی تھی پھر ہر ایک کے منہ سے ایک ہی سوال سن سن کر وہ وہاں سے چلی آئی۔

آخری عشرہ تھا وہ خشوع و خضوع سے عبادت میں مصروف ہوکر دل کی وحشت و اضطراب کا حل ڈھونڈنے لگی اور کسی حد تک مطمئن بھی ہوگئی۔ ستائیسویں کے بعد تو ہر ایک عید کی تیاریوں میں لگا ہوا تھا۔ دونوں طرف سے اسے عیدی ملی تھی۔ سوٹ، کپڑے، زیورات دیگر اشیاء سمیت ہر چیز تھی۔ سب کا خیال تھا کہ موسیٰ دو دن پہلے آجائے گا مگر انتظار، انتظار ہی رہا۔ حتیٰ کہ چاند رات آپہنچی۔

عیشہ رات تک ادھر ہی تھی۔ اس نے اس کے منع کرنے کے باوجود اس کے ہاتھ پاؤں میں بھر بھر کر خوب صورت انداز میں مہندی لگائی تھی۔ وہ لوگ پر امید تھے کہ رات گئے تک بھی موسیٰ آجائے گا مگر اسے کوئی امید نہ تھی۔ سب گھر والوں کو وہیں بیٹھا چھوڑ کر وہ اپنے کمرے میں آگئی تھی۔ کچھ حد تک سو کھ گئی تھی۔ وہ لائٹ آف کیے لیٹ گئی۔ بستر پر لیٹتے ہی اس کی آنکھ سے ایک قطرہ [illegible] اس کے بالوں میں جذب ہوگیا تو اس نے لب بھینچ کر اپنی سسکیوں کا گلا گھونٹ دیا۔

٭٭٭

صبح کے وقت اک افراتفری سی مچی ہوئی تھی۔ ہر کوئی نہانے دھونے اور تیار ہونے میں مگن تھا۔ وہ صبح صبح فجر کی نماز پڑھ کر کچن میں چلی آئی تھی۔ میٹھا تیار کرکے اس نے پلیٹوں میں ڈال کر بھابی کے چھوٹے کے ہاتھ محلے کے سب گھروں میں بھجوایا اور پھر باقی سب کے کھانے کے لیے دستر خوان لگوا کر وہ خود بھی تیار ہونے اپنے کمرے میں چلی آئی۔ کمرے میں بکھری چیزیں دیکھ کر حیران ہوئی۔ ڈریسنگ پر پرفیومز اور دوسری کاسمیٹک کی چیزیں بے ترتیب تھیں جبکہ وہ کمرے سے نکلی تھی تو ہر چیز سیٹ کرکے گئی تھی۔ سر جھٹکتے وہ واش روم میں چلی آئی تو دیکھ کر الجھی، صاف لگ رہا تھا کہ اس کو چند منٹ پہلے کسی نے خوب دل کھول کر استعمال کیا ہے۔ شاور سے ٹپکتے قطرے، شاید گھر کا کوئی فرد اس کے باتھ روم میں نہا کر گیا تھا پھر وہ ابھی تیار ہو رہی تھی کہ عیشہ کی چہکتی آواز سنائی دی۔

''منتھی!''

''آجاؤ اندر ہی ہوں۔''

''ابھی تک تیار نہیں ہوئی ہو سب عید گاہ جارہے ہیں۔ جلدی کرو وقت کم ہے۔ مجھے جہاں زیب نے بھیجا تھا کہ تمہیں لے آؤں۔ یہ سب بعد میں آجائیں گے۔''

''بس ایک منٹ۔'' بالوں کو کیچر میں جکڑتے اس نے فٹافٹ چادر اوڑھی۔

''زیور تو پہن لو۔'' عیشہ نے ٹوکا تو وہ سر جھٹک گئی۔ میک اپ کے نام پر صرف لپ اسٹک استعمال کی تھی اس نے۔ ''رہنے دو...... ٹائم نہیں ہے۔'' بے دلی سے انکار کرکے وہ اس کے ساتھ اماں کو بتا کر نکل آئی تھی۔ عید کی نماز کے بعد وہ جہاں زیب وغیرہ کے ہمراہ پہلے اپنے گھر گئی تھی اماں ابا، بھابیوں، بچوں اور بھائیوں سے مل کر ایک گھنٹہ وہاں گزار کر وہ اپنے گھر آئی تو اماں کے کمرے سے سب کے بولنے کی آوازیں آرہی تھیں لگتا تھا سب وہیں جمع تھے وہ بھی ادھر چلی آئی۔

''کیا ہورہا ہے بھئی بڑا شور ہورہا ہے؟'' اس نے اندر داخل ہوکر مسکرا کر پوچھا تو سب نے ہی پلٹ کر اسے دیکھا اور وہ اماں ابا کے درمیان موسیٰ منیر کو بیٹھا دیکھ کر ساکت رہ گئی۔ ''تو آگیا یہ شخص!'' وہ حیران ہوکر اسے دیکھ رہی تھی تو ایک دو پل اس نے بھی اسے دیکھا تھا۔ پھر وہ سنبھل کر باقی لوگوں کی طرف متوجہ ہوئی۔

''عید مبارک اماں!'' وہ آگے بڑھ آئی تھی اماں سے مل کر ابا سے پیار لے کر نواز بھائی اور بھابی کو مبارک باد دے کر وہ وہاں سے نکل کر اپنے کمرے میں آگئی۔ بستر پر گم صم انداز میں بیٹھی تو آنکھوں میں نمی آتی چلی گئی اور پھر وہ ہاتھوں میں چہرہ چھپائے خوب روئی۔

''منتھی!'' اس پکار پر اس نے تڑپ کر آنے والے کو دیکھا۔ کیسی شکایت تھی اس کی برستی آنکھوں میں...... کیسا شکوہ مچل رہا تھا اس کے کانپتے ہونٹوں پر...... !موسیٰ کے

اندر کا اضطراب مزید بڑھا۔ ”کیسی ہو؟“ اس کے ساتھ ہی بستر پر ٹکتے وہ بڑے نڈھال سے انداز میں پوچھ رہا تھا۔ منتھی نے ایک نظر اسے دیکھا اس کی پوری زندگی کو سزا بنا دینے کا دعویٰ کرنے والا اس وقت خود قابل رحم لگ رہا تھا۔ عجب شکست خوردہ انداز تھا۔

”زندہ ہوں.......“ منتھی کے لبوں سے نکلے لفظ موسیٰ کو لگا بار ندامت بڑھ گیا ہے۔

”منتھی! میں بہت ہمت کر کے یہاں تک پہنچا ہوں۔ میں جو بھی سلوک تمہارے ساتھ روا رکھ چکا ہوں اس پر کوئی بھی لفظ نہیں کہوں گا۔ سچ تو یہ ہے کہ میں خود اپنی نظروں سے گر چکا ہوں۔ قصوروار ابا تھے یا جو بھی تھا مجھے کوئی حق نہیں پہنچتا تھا کہ میں اپنی شکست کا تاوان تم سے حاصل کرتا۔ تمہارا مجرم ہوں‘ تمہارا سامنا کرنے کی ہمت اور جرات نہیں تھی۔ اب آیا بھی ہوں تو صرف اپنے جرم کا اقرار کرنے.......“ دھیمے لب ولہجے میں انتہائی شکست خوردہ انداز میں وہ اپنی غلطیوں کا اعتراف کرتے اپنے تمام غلط رویوں کو قبول کر رہا تھا۔ منتھی نے تمام آنسو صاف کر لیے تاہم بولی کچھ بھی نہیں۔ ”میں نے کبھی تم سے نفرت نہ کی پتا نہیں کیا وجہ تھی کہ میری کبھی تم سے نہ بنی۔ میں اب سوچتا ہوں تو ایسی کوئی خاص وجہ بھی نظر نہیں آتی تھی جو ہمارے درمیان اختلافات کی بنیاد بنتی‘ اس کے باوجود اماں ابا کے بار بار کہنے پر بھی میں نے تمہیں کبھی شریک سفر کے طور پر قبول نہ کیا‘ نہ سوچا‘ نتاشا بہت اچھی لڑکی تھی۔ فاروق میرا دوست تھا اس کی فیملی میری بہت عزت کرتی تھی مگر ابا کی وجہ سے ان لوگوں نے مجھ سے قطع تعلق کر لیا۔ ابا نے غلط انداز میں ان سے بات چیت کی اور ان لوگوں کے انکار کے بعد میرے انکار کے باوجود تمہارے لیے مجھے راضی کرنا.......! ایسے میں مجھے یہی لگتا تھا کہ اس سارے قصے کی ذمہ دار ہی تم ہو۔ میرے اپنے مفروضے اور غلط فہمیاں تھیں مگر منتھی! تمہارے ساتھ برا سلوک روا رکھ کر میں بھی سکون میں نہیں رہا۔ ہر آن‘ ہر لمحے اضطراب کی بھٹی میں جلا ہوں۔ اپنے ہی ضمیر کی عدالت نے مجھے کئی بار سزا سنائی ہے۔ نتاشا والا باب تو اسی وقت ختم ہو گیا تھا مگر میری شکست تھی جو مجھے اتنا گھناؤنا روپ دے گئی۔“ منتھی خاموشی سے سامنے ڈریسنگ کے آئینے کی طرف دیکھے گئی وہاں سر جھکائے بیٹھے موسیٰ کا عکس واضح تھا۔ موسیٰ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا تو وہ نظر پھیر گئی۔ ”میں کوئی وضاحت نہیں دے رہا۔ اپنے تمام گناہوں اور غلط رویوں کو قبول کرتے تمہارے سامنے ہوں۔ جب سے اماں نے فون کر کے وہ خوش خبری سنائی ہے یقین مانو میں تو اپنی ہی نظروں سے گر گیا ہوں۔ تمہارا سامنا کرنے‘ تم سے بات کرنے کی ہمت ہی نہ تھی۔ کئی بار کال ملائی اور پھر ڈراپ کر دی۔ اتنا برا سلوک کرنے کے بعد تم سے بھلا کہتا بھی تو کیا.......؟“

”تو اب کیا لینے آئے ہیں؟“ اس نے چیختے ہوئے پوچھا۔ اسے بڑا انتظار تھا کہ کبھی تو موسیٰ کو اپنے غلط رویوں کا احساس ہوگا‘ کبھی تو وہ اپنی غلطیوں کو قبول کرے گا اور اب جب وہ یہ سب کر رہا تھا تو اسے ذرا بھی اچھا نہ لگا تھا۔ موسیٰ نے منتھی کو دیکھا۔ روتی سرخ آنکھوں میں جھانکا تو وہ فوراً نظریں جھکا گئی۔ ہاتھوں کو مسلتے اس نے ایک بار پھر موسیٰ کو دیکھا۔ ”میں نے ہر پل ہر لمحے انتظار کیا‘ ہمارے درمیان جو بھی ہوا اس نے مجھے تم سے [illegible] کرنا سکھائی تھی اور میں نے ہر آن ہر پل تم سے [illegible] مگر موسیٰ! تم سے تمہارے سلوک سے [illegible] رویوں سے نفرت کرتے کرتے میں [illegible] مشرقی عورت کی طرح تم سے [illegible] اپنے دل کو نفرت کرنے سے [illegible] تمہارے ساتھ عمر بھر کا عذاب جھیلنے کو آمادہ [illegible] پچھلا ایک ماہ اور یہ سارا رمضان میں [illegible] نفرت کرتے گزارا مگر در حقیقت اس نفرت [illegible] میں میں نے ہر آن‘ ہر لمحے تمہیں محسوس [illegible] کو محسوس کرنے نے مجھے ہرا دیا۔ اگر [illegible] درمیان یہ خوش خبری نہ ہوتی تو خدا کی قسم میں اب تک کوئی انتہائی فیصلہ کر چکی ہوتی۔“ وہ ایک دفعہ پھر رو دی تو موسیٰ نے بڑے ضبط کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کا ہاتھ

تھام لیا اور وہ مزید سسکی۔

”آئی ایم سوری منتھی!“ اس کے دونوں ہاتھوں کو تھام کر وہ معافی مانگنا چاہتا تھا مگر منتھی ایک دم بے اختیار اس کے کندھے پر پیشانی ٹکا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

”تم بہت برے ہو موسیٰ! بہت برے.......“ وہ سسکتی رہی۔ ”میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔ تمہیں اتنے دن گزرنے کے بعد اپنی اولاد کا بھی خیال نہ آیا۔“ روتے روتے ایک دم سر اٹھا کر موسیٰ کو سوالیہ نظروں سے دیکھا تو وہ شرمندہ سا ہو گیا۔

”اتنا لایا تم نے مجھے بغیر کسی قصور کے مجھے سزا دی۔ کوئی یوں بھی کرتا ہے؟“ وہ [illegible] کے شکوے بہا دینا چاہتی تھی۔ موسیٰ نے [illegible] اس کے گرد بازو لپیٹ کر اسے دل کھول کر رونے دیا۔ ”کب آئے تھے تم.......؟“ خوب رو کر دل کا غبار نکال کر سیدھی ہو کر اس کو دیکھا۔

”رات [illegible] لوٹا تھا۔ تم کمرا بند کیے سو گئی تھیں پھر میں [illegible] آرام کرنے کے خیال سے اماں کے پاس ہی [illegible] تھا۔ صبح تم مصروف تھیں‘ کچھ ایکدم تمہارے سامنے آنے کی ہمت ہی نہ تھی۔ سو آرام سے تمہیں کام کرنے دیا۔ باقی سب کو بھی منع کر دیا کہ تمہیں نہ بتائیں۔“ وہ کہہ رہا تھا تو اس نے ایک گہرا سانس لیا۔

”تو پھر میں امید رکھوں کہ تم مجھے معاف کر دو گی.......؟“ منتھی کے رویوں نے اسے کافی حوصلہ دیا تھا اسی لیے کچھ اطمینان سے کہہ رہا تھا۔

”ایسے کیسے اتنی جلدی معاف کر دوں؟ میرے ساتھ جو اتنا برا سلوک کیا‘ مجھے ساری عمر سزا دینے کے دعوے کیے‘ وہ سب بھولنے والا ہے کیا؟“ اسے مطمئن ہوتے دیکھ کر اس نے خفگی سے کہنا چاہا تو اس نے ایک دم اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے۔

”اب بھی معاف نہیں کرو گی کیا؟“ بڑی سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔ منتھی کے ہونٹوں پر پہلی بار ایک خوب صورت سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

”نہیں‘ بالکل نہیں!“ دونوں ہاتھوں کو جدا کرتے شرارت سے کہا تو وہ بھی مسکرا دیا۔

”بڑی پیاری مہندی لگائی ہوئی ہے۔ بڑا گہرا رنگ ہے۔“ اپنے ہاتھوں میں منتھی کے ہاتھ لے کر وہ کہہ رہا تھا۔ [illegible] کے علاوہ صرف مہندی ہی تھی جو اس کا [illegible] کر رہی تھی۔ ہلکی سی لپ اسٹک لگائی تھی وہ تو [illegible] بھی چکی تھی۔

”منتھی! جو بھی ہوا اسے بھول کر ہم اک نئی زندگی شروع کریں گے۔ میرے دل میں بے شک تمہارے لیے کوئی بھی خاص احساسات نہیں رہے کبھی بھی مگر اب میں کوشش کر رہا ہوں اپنی زندگی میں ہی نہیں دل و دماغ میں بھی تمہیں جگہ دوں۔ نتاشا کا تو تصور اسی وقت ختم ہو گیا تھا جب ان لوگوں کی طرف سے انکار ہوا۔ وجہ کچھ بھی سہی تم سے شادی کے بعد کسی اور وجود یا نام کو سوچا ہی نہیں۔ نفرت سے ہی سہی مگر تمہیں ہی سوچا۔ تم وہ ایک ماہ جو میرے ساتھ ایبٹ آباد گزار کر آئی تو تمہاری اس ہر آن ہر لمحہ کی موجودگی نے تمہارے ہونے‘ تمہارے وجود کا احساس دیا۔ تمہاری بہت سی خوبیاں مجھ پر آشکار ہوئیں اور شکست کا عمل شروع ہو گیا۔ یہ خوشخبری تو بس ایک آخری ضرب تھی میری خود ساختہ انا کو گرانے کے لیے۔ اب تمہارے سامنے ہوں تو دل و جان سے تمہارا بننے کا اقرار کرتا ہوں کہو میرا یہ اقرار قبول کرو گی نا۔“ وہ پوچھ رہا تھا اور منتھی نے اقرار کے طور پر اس کے فراخ و کشادہ سینے پر سر رکھ کر گزشتہ ساری رنجشوں کو بھلا کر اک نئی زندگی کو خوش آمدید کہنے کا پہلا قدم اٹھا لیا تھا۔

”شکریہ بہت بہت....... تم واقعی بہت اچھی ہو۔“ مارے تشکر کے اس کی آواز بوجھل ہو گئی اور اس نے والہانہ پن سے اس کے گرد دونوں بازوؤں کا حصار باندھ کر ایک قیمتی متاع کی طرح اسے خود میں سمیٹ لیا تھا۔



قسط نمبر 4

بھیگی پلکوں پر

اقرا صغیر احمد

جو آسماں پر ہمیشہ رہا ہے آج اسے
ہمیں بتانا ہے اک جگہ زمین بھی ہے
انا پرست ہے وہ جانتے ہیں ہم لیکن
وہ خود بلائے گا اس بات کا یقین بھی ہے

اس کا انداز مخلصانہ تھا۔

"نہیں شکریہ...... مجھے نہیں جانا کہیں بھی۔" پری کے انداز میں بے نیازی تھی۔ ایک خاص قسم کی بے پروائی جو سامنے والے بندے کے پتنگے لگا دیتی ہے اور یہی ہوا۔ طغرل کا موڈ یکلخت سنجیدہ ہو گیا۔

"تم اتنے ذلت بھرے انداز میں کیوں بات کر رہی ہو؟" وہ قدم آگے بڑھانے کے بجائے وہیں رک کر کھڑا ہو گیا تھا۔ پری کو اپنی بات میں اس کی بے عزتی کا کوئی پہلو نظر نہیں آیا تھا۔ وہ ویسے بھی اس کے ساتھ کسی لچک دار رویے کے حق میں نہ تھی کہ اس کی فطرت و مزاج کو وہ بخوبی سمجھ چکی تھی اور جانتی تھی وہ سدھرنے والا نہیں ہے۔

"میرے انکار میں آپ کی ذلت کس طرح ہوتی ہے؟"

"میں چاہتا ہوں تم ہمارے ساتھ چلو تفریح ہو جائے گی۔"

"میں نے آپ سے کہا ہے کہ میں نہیں جاؤں گی مجھے دلچسپی نہیں ہے۔" [illegible] ہوتے دیکھ کر وہ کام ادھورا چھوڑ کر وہاں سے جانے لگی تھی۔

"تم شکل سے ہی نہیں، عقل سے بھی بور لڑکی ہو۔ ٹھیک ہے تمہاری مرضی! میں ایسی بور لڑکیوں کی سنگت پسند بھی نہیں کرتا۔" وہ کہہ کر تیز تیز قدم اٹھاتا وہاں سے چلا گیا۔

"ہونہہ! میں کون سی تمہاری سنگت کے لیے مری جا رہی ہوں۔ تم نے پہلے بھی مجھے زچ کیا ہے ہر لمحے دکھی کیا ہے؟ تمہاری بدمزاجی و ہٹ دھرمی سے ملی یادداشت آج بھی زخم زخم ہے۔" اس کے جانے کے بعد وہ پزل سی ہو کر صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔ "میں جانتی ہوں تفریح کا تو صرف بہانہ ہے۔ تم بے تاب ہو اپنی

لگائی گئی چوٹ کا نشان دیکھنے کے لیے تاکہ اپنی فتح کا جشن مناؤ۔ میں ایسا ہونے نہیں دوں گی' اس نشان کو کبھی تمہارے سامنے نہیں لاؤں گی۔'' ان گنت بار خود سے کیے گئے عہد کو اس نے دہرایا تھا۔

''پری...... او پری!'' دادی جان پکارتی اس کے کمرے میں آ گئیں۔ ''تمہاری نانو نے ڈرائیور بھیجا ہے وہ ایک سوٹ کیس لایا ہے اور تمہیں لے جانے کا بھی کہہ رہا ہے۔'' ان کے لہجے میں وہ مخصوص سرد مہری تھی جو ایسے مواقع پر اکثر ہی امڈ آئی تھی' جس کے باعث وہ بالکل اجنبی دکھائی دیتیں۔

''ہاں میں نے بتایا تھا آپ کو...... کال آئی تھی ان کی وہ بلا رہی ہیں۔''

''تو چلی جاؤ۔ چند دن رہ کر لوٹ آنا۔'' وہ سپاٹ انداز میں بولیں۔

❁......☆......❁

رجاء نے برق رفتاری سے یہ حرکت کی تھی۔ وردہ کے وہم و گمان میں بھی یہ خیال نہیں تھا کہ وہ عین موقع پر اس طرح سے اس کی گرفت میں آ کر نکل جائے گی۔ حیرت کے باوجود حواس باختہ نہیں ہوئی تھی۔ رجاء کے آگے بھاگتے ہی وہ بھی بھاگ کر اسے دبوچنے کے لیے بڑھی تھی کہ ''کون ہے؟'' کی کرخت آواز سن کر اس کے قدم دروازے کے پاس ہی رک گئے تھے۔ کوئی مرد تیز تیز قدموں سے اندر سے آ رہا تھا۔ سنگ مرمر کے خوب صورت فرش پر رجاء بے حس و حرکت پڑی تھی شاید وہ گر کر بے ہوش ہوئی تھی۔ اسے یہاں مزید رکنا خطرناک لگا اور وہ رجاء کے بے ہوش وجود پر غصے بھری نگاہ ڈال کر وہاں سے چلی گئی۔

''کیا ہوا تم تنہا کیوں آئی ہو؟'' ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے نوجوان نے اسے دیکھ کر کرخت لہجے میں پوچھا تھا۔

''سوال و جواب بعد میں کرنا' پہلے نکلو یہاں سے...... ہم خطرے میں ہیں۔'' اس نے اگلا دروازہ بند کرتے ہوئے عجلت بھرے انداز میں کہا۔ اس لڑکے نے قہر بھری نگاہ وردہ پر ڈالتے ہوئے تیز ڈرائیونگ کی تھی۔

''اب بکو بھی' کیا ہوا ہے؟ شکار ہاتھ سے نکل گیا کیا؟'' علاقے سے نکل جانے کے بعد دوسرے علاقے میں داخل ہوتے ہوئے وہ غرایا۔

''تم...... تم جانتے ہو نا میں نے اس پر کتنی محنت کی' کتنے کٹھن حالات کے بعد وہ میرے ہاتھ جس طرح آئی وہ میں ہی جانتی ہوں اور......''

''ہاتھ آ کر مچھلی کی طرح تمہارے ہاتھوں سے پھسل گئی......!'' اس لڑکے کے چہرے پر خشونت [illegible] رہی تھی۔ وہ پرطیش انداز میں وردہ کو گھورتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ وردہ کی تمام تیزی و طراری [illegible] کی مانند غائب ہو چکی تھی۔ اس کا خوب صورت چہرہ زرد پڑ چکا تھا' آنکھوں میں خوف پھیل گیا تھا' وہ اضطراری انداز میں اپنے ہاتھوں کو مروڑ رہی تھی۔

''جان توڑ جدوجہد کے بعد میں نے اس کو شیشے میں اتارا تھا۔''

''مجھے ''تھا'' اور ''گا'' سے شدید چڑ ہے۔ میں عملی انسان ہوں اور حال کو پسند کرتا ہوں' ماضی اور مستقبل سے مجھے کوئی سروکار نہیں ہے۔ کل جو گزر گیا' کل جو آئے گا مجھے بھی متاثر [illegible] کرتے ہیں ایسی باتیں کہ زندگی تو ''حال'' میں ہے ''آج'' میں ہے۔'' اس کو وردہ کی کوئی معذرت کوئی شرمندگی قابل قبول نہ لگی تھی۔ وہ اسی طرح جارحانہ انداز میں اس کی بات قطع کر کے کہے جا رہا تھا۔

''فواد پلیز! اتنے کٹھور مت بنو۔ تم نہیں جانتے وہ لڑکی مذہبی گھرانے سے تعلق رکھتی ہے۔ ایسے لوگوں کے تو محسوس ہوتا ہے رگوں میں خون کے ساتھ مذہب و شریعت بہتی ہے۔ ایسے لوگوں کو راہ پر لانا بہت مشکل ہوتا

ہے۔'' وہ روہانسے لہجے میں صفائیاں پیش کر رہی تھی۔

''میں نے تمہیں تجویز نہیں دی تھی کہ ایسی لڑکی منتخب کرو۔''

''تمہارا ہی حکم تھا کہ لڑکی بے حد حسین ہو۔''

''میں سمجھتا تھا حسین لڑکیاں ذہین نہیں ہوتی ہیں مگر شاید میں غلط تھا۔'' وہ قہقہہ لگا کر بولا تھا۔

''فواد! پلیز' مجھے معاف کر دو میں اس سے بھی زیادہ پیاری لڑکی تمہارے لیے لاؤں گی۔''

''تین ماہ تم نے اس لڑکی کے پیچھے ضائع کر دیے اور لڑکی بھی وہ جو میرے دل کو بُری طرح بھا گئی تھی۔ جس کے لیے میں نے لمحہ لمحہ انتظار کیا اور اب جب انتظار ختم ہوا تو تم کہتی ہو وہ لڑکی تمہاری گرفت سے نکل گئی؟'' وہ بات کرنے کی خاطر کار آہستہ چلا رہا تھا۔ سڑک پر ٹریفک برائے نام تھا یہ سڑک رہائشی علاقے سے باہر تھی۔ وردہ ڈری سہمی نگاہوں سے بار بار اس کی جانب دیکھ رہی تھی' فواد جس کو اس نے رجاء سے سلمان عرف سنی کے نام سے متعارف کرایا تھا۔ اس کی حالت اس وقت ایسی ہی تھی' جیسے کسی بھوکے بھیڑیے کے آگے سے شکار غائب کر دیا جائے اور وہ غیظ و غضب سے اپنے حواس کھونے لگے۔

''فواد! مجھے معلوم ہے تمہارے جذبات کا......''

''خاموش رہو' معلوم ہونے سے ازالہ نہیں ہو جاتا ہے۔ تمہیں معلوم ہے مجھے ڈیلیوری دینی ہے' پارٹی یہاں آئی بیٹھی ہے۔ دو دن بعد شفٹنگ کرنی ہے ابھی یہ مسئلہ ختم نہیں ہوا کہ تم نے اپنی بے وقوفی سے بڑی مشکل پیدا کر دی ہے شکار بھی ہاتھ سے نکال دیا اور خطرات بھی بڑھا دیے ہیں اس لڑکی نے حقیقت بتا دی تو ہم بُری طرح پھنس جائیں گے۔ سمجھ رہی ہو تم؟'' وہ کسی صورت اسے معاف کرنے والا نہیں لگ رہا تھا اور آنے والے لمحوں کا تصور کر کے وردہ کی حالت غیر ہونے لگی تھی۔

❁......☆......❁

فیاض صاحب نے دو ملازماؤں کا مزید اضافہ کر دیا تھا۔ اسی خیال سے کہ وہ جانتے تھے عیش و عشرت میں زندگی گزارنے والے ان کی بھابی و بھتیجے کو کوئی پریشانی نہیں ہو۔ ویسے تو گھر میں پہلے بھی تین ملازمائیں تھیں۔ ایک صفائی کرنے پر مامور تھی۔ دوسری کپڑے دھوتی تھی تو تیسری کچن میں مدد کرواتی تھی۔ صباحت کو کام سے ذرا بھی دلچسپی نہ تھی' نہ ہی بیٹیوں کی عادت تھی' معمولی سا کام بھی ان کے لیے بڑا مسئلہ بن جاتا تھا اگر اماں جان کی سخت گیر شخصیت کا رعب نہ ہوتا تو صباحت بھی کچن میں نہ جھانکتی کہ اماں جان کے خوف سے وہ خواہ دکھاوے کے لیے ہی تھوڑی بہت کام میں دلچسپی لے لیا کرتی تھیں۔ ورنہ یہ تمام ذمہ داریاں از خود ہی پری کے ذمہ آ چکی تھیں اور صباحت آزاد ہی رہتی تھیں۔

پری آج نانی کے ہاں چلی گئی تھی۔

اس کے جانے کے بعد تمام ذمے داری صباحت پر آ جاتی تھی اور اس وجہ سے وہ نہیں چاہتی تھیں کہ وہ گھر سے جائے' لیکن اس معاملے میں وہ بے بس تھیں۔ پری کو روکنے کا اختیار وہ نہیں رکھتی تھیں' البتہ اس دوران ان کی پوری کوشش ہوتی کہ وہ فیاض صاحب کے کان بھریں اور وہ اشتعال میں آ کر اس پر نانی کے ہاں جانے کی پابندی لگا دیں اور وہ مسرور ہو جائیں۔

''چائے لانے میں اتنی دیر......؟'' فیاض صاحب نے ان کے ہاتھ سے کپ لیتے ہوئے کہا۔

''پہلے اماں کو دے کر آئی ہوں' آپ کو تو معلوم ہی ہے ان کو ہر دس منٹ بعد چائے کی طلب محسوس ہوتی ہے۔''

صباحت ان کے قریب ہی صوفے پر بیٹھتے ہوئے گویا ہوئی تھیں۔
''ہم نے بچپن سے اماں کو چائے اور پان کا شوقین دیکھا ہے۔'' وہ چائے پیتے ہوئے اطمینان سے گویا ہوئے۔
''ہوں......! مگر دونوں ہی اچھی عادتیں نہیں ہیں۔''
''تم کہہ سکتی ہو مگر مجھے ان کے شوق پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اماں کے شوق کی تسکین کے لیے میں آخری سانس تک کوشاں رہوں گا۔'' وہ گھونٹ گھونٹ چائے پیتے ہوئے جتانے والے انداز میں کہہ رہے تھے۔
''ہاں...... ہاں...... تو میں نے کب اعتراض کیا ہے۔ اماں کے پان چائے سے مجھے بھلا کیا تکلیف ہوسکتی ہے؟'' ان کا یہ انداز صباحت کو گھائل کردیتا تھا۔
''تکلیف ہونی بھی نہیں چاہیے صباحت بیگم! میں سب کچھ برداشت کرسکتا ہوں ماسوائے اماں جان کی شان میں کسی گستاخی کے......''
''توبہ ہے! آپ سے بھی بات کرنا خود کو کسی کڑے امتحان میں ڈالنے کے مترادف ہے۔''
''کڑا امتحان!'' انہوں نے کپ میز پر رکھتے ہوئے انہیں گھور کر کہا۔ ''صباحت بیگم! ابھی بھی مجھے تمہاری یا بچیوں کی اماں جان سے معمولی سی بھی بدتمیزی یا گستاخی کی خبر ملی تو دیکھنا 'کڑا امتحان' کیسا ہوتا ہے۔''
''میں اور میری بیٹیاں اماں جان سے خواب میں بھی کسی گستاخی کی مرتکب نہیں ہوسکتی ہیں' البتہ آپ کی وہ محبت کی نشانی پری تو ہر وقت ان سے بدتمیزیاں اور گستاخیاں کرتی رہتی ہے۔ اس کے بارے میں......''
''پری کا ذکر مت کیا کرو۔'' ان کے طنز نے ان کے اندر اضطراب جگا دیا تھا۔
''کیوں......! کوئی یاد آجاتا ہے؟'' وہ طنزاً مسکرائیں۔
''یاد وہ آتے ہیں جو بھولے جاچکے ہوں۔'' وہ مرد تھے ان کو صباحت کی طرح ہیر پھیر سے بات کرنا نہیں آتا تھا۔ سو بہت اطمینان سے وہ ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گویا ہوئے۔
''اس کا مطلب ہے آپ اس عورت کو ابھی تک بھولے نہیں ہیں۔'' وہ کسی اسپرنگ کی مانند اچھل کر کھڑی ہوئی تھیں۔
''نہیں!'' وہ بہت اطمینان سے ان کی بدلتی کیفیت دیکھ رہے تھے۔
''کس طرح بھول سکتا ہوں' رات و دن تم اس کو یاد کرتی ہو مجھ سے بھی زیادہ وہ ہر وقت تمہارے حواسوں پر سوار رہتی ہے۔ تمہاری باتوں میں اس کا ذکر ہوتا ہے تمہارے طنز کے روابط افکار کی ڈور وہیں سے جڑی ہوئی ہیں۔''
''مجھ کو الزام مت دیں' میں ایسی پاگل عورت نہیں ہوں' جو سوکن پر فریفتہ رہوں' دراصل بات یہ ہے کہ اس عورت سے آپ کا تعلق ٹوٹ کر بھی نہ ٹوٹ سکا ہے۔ پری کا وہاں جانا جب تک وہ ان سے ملتی رہے گی تب تک یہ سلسلہ بھی چلتا رہے گا' اب پری کبھی وہاں نہیں جائے گی۔'' انہوں نے اٹل انداز میں اپنے دل کے ارمان کو زبان دی تھی۔
''وہ پری کی ماں ہے' میں کیسے اس پر ان سے ملنے پر پابندی لگا سکتا ہوں۔''
''اس عورت سے آپ کا تعلق ٹوٹ چکا ہے اب جو......''
''تعلق میرا ٹوٹا ہے پری کا نہیں' وہ اس کی ماں ہے۔''
''وہ پری کو بھڑکاتی ہے آگ لگاتی ہے ہمارے گھر میں...... پری اس سے ملتی رہے گی تو آپ اور مجھ میں

دوریاں اسی طرح بڑھتی رہیں گی۔''
''دوریاں بڑھانے میں تمہارے دماغ میں گھسا وہ شک کا فتور ہے جس نے تمہیں شدید احساس کمتری و وحشت میں مبتلا کردیا ہے۔'' وہ کہہ کر وہاں سے چلے گئے۔

☆......☆......☆

طغرل نے نیٹ پر دوستوں کے ساتھ کچھ وقت گزارا مگر وہاں بھی اس کی طبیعت بہل نہ سکی۔ گھنٹوں چیٹ کرنے والے طغرل کا دل یہاں بھی نہ بہل سکا تھا۔ مری میں کی سے بات کی سڈنی میں پاپا بھائی و بھابی کے علاوہ آپی اور دلہا بھائی سے بات ہوئی لیکن دل کی تشنگی کسی گوشے میں موجود رہی تھی۔ وہ خاصی دیر تک بیڈ پر کروٹیں بدلتا رہا پھر اٹھ کر پردہ کھسکا کر کھڑکی سے آسمان کو دیکھنے لگا۔
رات ابھی گہری نہیں ہوئی تھی۔ مگر آسمان پر سیاہ بادلوں کا راج تھا۔ جس کے باعث چاند ستارے چھپ گئے تھے اور گھور اندھیرا ہر سمت پھیلا ہوا تھا' ہوا نہ ہونے کے باعث ماحول میں حبس تھا' لان میں موجود درختوں کے پھول و شاخیں ساکت تھیں۔ معمولی سی بھی جنبش کسی میں نہ تھی۔ وہ سامنے ناریل کے درخت کی چھدری شاخوں پر نگاہیں جمائے سوچ رہا تھا سڈنی سے روانہ ہوتے وقت بلکہ یہاں آنے کی تیاری دیکھ کر پاپا نے کہنا شروع کردیا تھا کہ وہ یہاں سے اپنا دماغ درست کرکے جائے' پاکستان جاکر پری سے کسی قسم کی چھیڑ چھاڑ و لڑائی جھگڑا نہ کرے۔ اگر ان کو کوئی رپورٹ مل گئی تو وہ بنا کسی لحاظ و مروت کے سب کے سامنے اس کی کلاس لیں گے اور یہ بات وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اس کے پاپا پری سے از حد محبت کرتے ہیں۔ پری کی خاطر وہ کسی بھی اقدام سے گریز نہ کریں گے۔ ویسے وہ بھی اس کے لیے دل میں کوئی ایسا سخت قسم کا بغض و عناد نہ رکھتا تھا کہ جس کے سبب اس سے دوستی نہ ہوسکتی تھی۔ وہ سوچ کر آیا تھا شروع شروع میں اس کو ستائے گا' جلائے گا' تنگ کرے گا اور جب وہ زچ ہوجائے گی تو دوستی کرے گا لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا تھا۔ اس کی وہ کسی بات کو بھولی نہ تھی۔ وہ آج بھی اس سے اتنی ہی بدظن اور متنفر تھی' جتنی آج سے دس سال قبل تھی اور آج کے اس کے سرد و بے گانہ رویے نے ثابت کردیا تھا کہ وہ اس سے فاصلے پر رہنے والی ہے۔ ایسے فاصلے جو کم ہونے کے بجائے بڑھیں گے۔ دروازہ پر دستک دے کر عادلہ اندر آئی تھی' ہاتھ میں دودھ کا گلاس لیے۔
''تم نے کیوں یہ تکلف کیا؟'' وہ کھڑکی سے ہٹ کر گویا ہوا۔
''مجھے معلوم ہے آپ نے ڈنر بھی ڈھنگ سے نہیں کیا ہے۔ گھر آکر بھی آپ نے کھانے سے منع کردیا ہے۔ اب دودھ تو آپ کو لینا ہی ہوگا۔'' عادلہ نے ٹرے میں رکھا گلاس سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا۔
''فکر مت کرو۔ ایسا کبھی کبھی ہوجاتا ہے کچھ کھانے کا موڈ نہیں ہوتا ہے۔''
''جب کوئی بلاوجہ اس طرح بدتمیزی سے پیش آئے تو ایسا ہی ہوتا ہے۔ آپ نے تو بے حد خلوص سے پری کو تفریح کی دعوت دی تھی اور اس نے آپ کی بے عزتی کردی۔ وہ ایسی ہی ہے چڑچڑی و بددماغ۔'' عادلہ بڑے پُرخلوص انداز میں اس سے ہمدردی جتا رہی تھی۔
''پہلی بار آؤٹنگ پر گئے اور آپ کا موڈ آف ہوگیا۔ سارا مزا کرکرا ہوگیا۔'' پری سے جھڑپ نے اس کا موڈ خراب کردیا تھا جو باہر جاکر بھی بدل نہ سکا تھا۔ عادلہ جو عائزہ کی زبانی سب سن چکی تھی اس کو طغرل کا پری کو مدعو کرنا بالکل پسند نہیں آیا تھا۔ مستزاد اس پر پری کے انکار کے بعد طغرل نے خاموشی اختیار کی تو وہ تمام راستے اور ہوٹل میں ڈنر کے دوران بھی برائے نام بات کرسکا تھا۔ عادلہ نے سوچ لیا تھا وہ اس کو جتائے گی ضرور پری کے بدصورت

رویے کے بارے میں۔

''سوری ڈیئر! یہ میری بُری عادت ہے کہ میں اپنے غصے پر قابو فوری نہیں پا سکتا ہوں۔ ہزار ہا کوشش کے باوجود بھی۔''

''آپ جلد از جلد اپنے غصے پر قابو پالیں تو بہتر ہے۔ کیونکہ وہ اسی طرح آپ کے ساتھ بدتمیزی کرتی رہے گی۔ یہ اس کی عادت ہے دوسرے کو پریشان کر کے خود خوش ہوتی ہے۔ ابھی بھی دیکھ لیں ہماری تفریح ڈنر کو خراب کر کے خود اپنی نانو کے ہاں چلی گئی۔ دادی جان کے منع کرنے کے باوجود......'' حسب عادت اپنی بات میں وزن کے لیے جھوٹ بھی ملایا تھا۔

''دادو کے منع کرنے کے باوجود؟'' اس کی خوب صورت آنکھوں میں استعجاب در آیا جب کہ عادلہ نے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے اثبات میں گردن ہلائی تھی۔

''مگر دادو اس کو منع کیوں کریں گی بہر حال یہ اس کا حق ہے کہ وہ اپنی مرضی سے نانو کے جا سکتی ہے یہاں دادی جان کو اعتراض نہیں کرنا چاہیے۔'' اس نے سادگی سے کھری بات کی تھی۔

''دادی خوامخواہ اعتراض نہیں کرتی ہیں ان کے انکار کی بھی وجہ ہے۔'' وہ طغرل کی طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی جو کرسی پر بیٹھ چکا تھا۔

''کیا وجہ ہو سکتی ہے بھلا!''

''پپا کی پہلی بیوی اور ساس مل کر پری کو ہم سب کے خلاف بھڑکاتی ہیں۔ خاص طور پر پپا' مما اور دادی کے خلاف اتنا زہر بھرا ہے کہ وہ ہم سے سیدھے منہ بات کرنا پسند نہیں کرتی ہے۔ سب کو دشمن سمجھتی ہے۔''

''اوہ...... یہ بات ہے۔ وہ اتنی بے وقوف ہے کہ جس گھر میں رہتی ہے وہاں کی پروا نہیں کرتی ہے۔ سب ہی کتنا پیار کرتے ہیں اس سے۔''

''کچھ لوگ ہوتے ہیں ایسے...... سب کی محبتیں سمیٹ کر بھی کم ظرف و تنگ دل رہتے ہیں ایسے لوگوں میں پری بھی ہے۔''

''میں اس کو ایسا نہیں سمجھتا تھا۔'' وہ گہری سانس لے کر گویا ہوا۔

''وہ چہرے سے جتنی معصوم و بھولی دکھائی دیتی ہے' حقیقت میں اس سے مستزاد ہے۔ خیر چھوڑیں اس کو...... یہ بتائیں اب ہم کہاں چلیں گے؟'' اس کی آنکھوں میں اُترتی سوچ کر پرچھائیوں میں پری کا عکس نمایاں ہونے لگا تھا' جو اس کو کہاں برداشت ہو سکتا تھا۔ سو عجلت سے بات بدل کر گویا ہوئی تھی۔

''بہت جلد اب کے ہم ساحل سمندر پر چلیں گے سب کو لے کر۔''

''ٹھیک ہے!'' طغرل کے موڈ سے لگ رہا تھا وہ تنہائی چاہ رہا ہے اور اس سے بعید بھی نہ تھا کہ وہ اس کو جانے کو بھی کہہ دیتا۔ سو وہ خود ہی شب بخیر کہہ کر چلی گئی۔

''پری بیگم! زیادہ اونچی اڑان بھرنے کی ضرورت نہیں ہے ورنہ پر ٹوٹ جائیں گے۔'' اس نے بڑبڑاتے ہوئے دودھ کا گھونٹ بھرا اور دوسرے ہی لمحے واش بیسن کی طرف بھاگا تھا کیونکہ عادلہ دودھ میں چینی کی جگہ نمک ملا کر لے آئی تھی۔

☆......☆......☆

شدت کا حبس و گرمی موسلا دھار بارش میں بدل گئی تھی۔

باہر بارش زوروں پر تھی تو اندر پارٹی اپنے عروج پر پہنچ گئی تھی۔ ڈانسنگ فلور پر کئی جوڑے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے محوِ رقص تھے۔ خوش بوئیں، قہقہے اور رنگ ہر سو بکھرے ہوئے تھے۔ یہ شہر کے مشہور بزنس مین کی طرف سے دی گئی ایک گیٹ ٹو گیدر تھی جس میں مراعات یافتہ طبقے کے لوگ شامل تھے۔ ان کے بلند قہقہے و سرگوشیاں ماحول میں بکھری ہوئی تھیں فکرِ معاش تنگ دستی و بدحالی زندگی کی صعوبتوں سے ناواقف وہ لوگ پارٹی کے ہر لمحے کو زندگی سمجھتے ہوئے انجوائے کر رہے تھے۔ ان ہی لوگوں میں ایک خوب صورت چہرہ بظاہر ہونٹوں پر مسکراہٹ سجائے وہاں موجود تھا مگر ان حسین بوجھل آنکھوں میں اضطراب تھا انتظار تھا وہ جلد از جلد یہاں سے فرار چاہتی تھیں۔ مما نے اطلاع دے دی تھی پری کے آنے کی اور وہ سنتے ہی بے قرار ہوگئی تھیں۔ وہاں جانے کے لیے لیکن صفدر جمال نے جانے کی اجازت نہ دی یہ کہہ کر کہ آج کی پارٹی ان کے کاروباری تعلقات کے لیے بے حد ضروری ہے وہ پارٹی سے واپسی پر ان کو مما کے ہاں ڈراپ کردیں گے وہ حسبِ عادت خاموش رہی تھیں۔ وہ جانتی تھیں ان کی ہر پارٹی کاروبار کے لیے اہم ہوتی ہے جو وہ بھی تنہا اٹینڈ کرنے کے عادی نہ تھے۔ سو وہ سیاہ فینسی سلور کام والی ساڑھی میں سیاہ پتھروں کی جیولری اور ہلکے میک اپ میں ہمیشہ کی طرح دلفریب و باوقار دکھائی دے رہی تھیں۔ پارٹی بڑی بددلی سے اٹینڈ کی تھی۔ رقص کا بھی ایک ہی راؤنڈ لیا تھا۔ صفدر کے اصرار پر بھی دوسرے راؤنڈ کے لیے راضی نہ ہوئی تھیں۔ صفدر جمال دوست کی بیگم کے ساتھ محوِ رقص تھے۔ ثمینی کے لیے ایسے نظارے کسی حسد و جلن کا باعث نہ تھے وہ ایسے مناظر کی عادی تھیں۔ صفدر جمال بے حد کشادہ و روشن خیال آدمی تھے۔

"ڈارلنگ! آج تو آپ کو پارٹی میں دلچسپی ہی نہیں ہے۔ اس طرح بیٹھی ہیں گویا کسی نے سر پر پستول رکھ کر بٹھایا ہو۔" صفدر جمال ڈانس سے فارغ ہوئے تو ان کے برابر میں رکھی کرسی پر بیٹھتے ہوئے مسکرا کر گویا ہوئے تھے۔

"آپ نے کہا تھا زیادہ ٹائم نہیں لگائیں گے اب پارٹی ختم ہونے والی ہے۔"

"اوہ! یہ بات ہے ورنہ میں تو سمجھا تھا مسز نیلوفر کے ساتھ مجھے رقص کرتا دیکھ کر آپ رقابت کا شکار ہوگئی ہیں۔" وہ شوخی سے گویا ہوئے۔ ثمینی نے ایک نگاہ ان پر ڈالی پھر دھیرے سے مسکرا کر گویا ہوئیں۔

"یہ آپ اچھی طرح جانتے ہیں میں آپ کو کسی بھی عورت کے ساتھ دیکھ کر حسد محسوس نہیں کرسکتی۔" ان کے لہجے میں خاصا اعتماد تھا۔

"کاش! آپ محسوس کریں میری خواہش ہے یہ......!" کچھ دیر کے لیے دونوں کے درمیان خاموشی قائم ہوگئی تھی۔ گہری خاموشی!

"چھ ماہ ہوگئے ہیں مجھے پری سے ملاقات کیے...... وہ مما کے ہاں میری خاطر آئی ہے۔ ایک ایک لمحہ مجھ پر بھاری گزر رہا ہے۔" اس گمبھیر خاموشی کو ثمینی کی بھاری آواز نے منتشر کیا۔

"سعود کے لیے بھی آپ کو اس قدر جذباتی نہیں دیکھا میں نے......!" وہ طنزیہ انداز میں گویا ہوئے تھے۔

"پری...... بیٹی ہے میری!"

"سعود بھی آپ کا بیٹا ہے۔ کیا آپ نے اسے جنم نہیں دیا؟" ان کے انداز میں وہی ناگواری و سرد مہری در آئی تھی جو تکرار کا باعث بنتی تھی۔

"صفدر! سعود لڑکا ہے آزاد اور اپنی منوانے والا جب کہ پری لڑکی ہے جو بے بس اور دوسروں کی مرضی پر چلتی ہے۔" ان کا لہجہ بھیگا ہوا تھا۔

"دوسروں کے نہیں وہ اپنے باپ کے گھر میں رہ رہی ہے پھر......"

"پلیز یہ موضوع ختم کرو میں اس پر بات کرنا نہیں چاہتی۔" وہ کہتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئیں۔ صفدر جمال نے بھی میزبان جوڑے کو اپنی میز کی طرف آتے دیکھ کر لبوں پر مسکراہٹ سجاتے ہوئے رویہ درست کرلیا۔

واپسی کا سفر ان کا خاموشی سے کٹا تھا۔

"مما! پری کہاں ہے؟" گھر میں داخل ہوتے ہی سلام کے بعد انہوں نے بڑی بے تابی سے پری کے متعلق پوچھا۔

"سوگئی ہے کافی انتظار کرتی رہی تھی تمہارا۔"

"آنٹی! مجھے اجازت دیں۔" صفدر جو ان کو اندر تک چھوڑنے آئے تھے عشرت جہاں بیگم سے مخاطب ہوئے تھے۔ ثمینی اندر چلی گئی تھیں۔

"ہلکی پھلکی بارش نے طوفانی بارش کا رخ اختیار کرلیا ہے صفدر! رات یہیں رک جائیں میں جانے نہیں دوں گی۔"

عشرت جہاں صفدر کی ساس ہی نہیں خالہ بھی تھیں۔ وہ ان کی بڑی بہن کے بیٹے تھے اکلوتے! بہن کے حوالے سے وہ عزیز تو پہلے ہی تھے داماد بن کر عزیز تر ہوگئے تھے اسی استحقاق سے انہوں نے ان کو روکنا چاہا تھا۔

"آنٹی! کوئی مسئلہ نہیں ہے بارش کچھ وقت میں تھم جائے گی۔" مگر عشرت جہاں کے بے حد اصرار پر صفدر کو وہاں رکنا پڑا تھا۔

بے حد آہستگی سے دروازہ کھول کر ثمینی کمرے میں داخل ہوئی تھیں اندر ٹھنڈک کے ساتھ نیلگوں اندھیرا بکھرا ہوا تھا۔ بیڈ پر وہ بے خبر سو رہی تھی۔ ثمینی بے آواز قدموں سے چلتی بیڈ کے قریب آ کر رکی تھیں۔ پری کا چہرہ کمبل سے باہر تھا۔ براؤن بال تکیے پر بکھرے ہوئے تھے اس کے سفید چہرے پر ستواں ناک و دراز پلکیں نمایاں تھیں۔ ان کو وہ بے حد کمزور لگی تھی۔ صاف ستھری رنگت میں سرخی کی جگہ پیلاہٹ نے لے لی تھی۔ ثمینی پیار بھری نگاہوں سے بیٹی کو دیکھ رہی تھیں۔ وہ عموماً اس کو اسی طرح سوتے ہوئے دیکھ کر اپنی ممتا کی پیاس بجھاتی تھیں۔ نامعلوم کیا وجہ تھی کیا پچھتاوا تھا کہ وہ جاگتے میں کبھی بھی اس سے پیار نہ جتا سکی تھیں۔ اپنی محبت کا اظہار تو دور وہ کبھی اس سے نگاہ ملا کر بات نہیں کرسکتی تھیں کہ عجیب سا حجاب و تکلف ان کے درمیان مانع تھا۔ پھر نامعلوم ان کی نگاہوں کی بے تاب تپش سے یا مما کی بے خودی کہ بے خبر سوئی پری کچھ بے چین سی ہونے لگی۔ ساکت پلکوں میں جنبش ہونے لگی تو وہ اسی طرح دبے قدموں سے واپس مما کے کمرے میں آگئیں۔

"دیکھ لیا بچی کو......؟" عشرت جہاں نے بیٹی کے رنجیدہ چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی! آپ نے دیکھا کس طرح کمزور ہوگئی ہے پری پہلے سے؟"

"کمزور نہیں اسمارٹ کہو آج کل تو لڑکیاں دیوانی ہوئی جارہی ہیں دبلی ہونے کے لیے...... اور لوگ بھی ایسی سوکھی سڑی لڑکیوں کو پسند کرتے ہیں۔"

"مما! کمزور اور اسمارٹ ہونے میں فرق ہے پری کمزور ہو رہی ہے۔" ثمینی نے ماں کی دلیل کو رد کرتے ہوئے کہا۔

"وہم کا کوئی علاج نہیں ہے۔ لوگ خوش ہوتے ہیں ہماری بیٹیاں اسمارٹ ہیں اور تم بلاوجہ کی فکریں پالتی ہو۔ لڑکیاں ہزاروں جتن کر رہی ہیں دبلا ہونے کے لیے خود کو اسمارٹ رکھنے کے لیے اور ایک تم ہو جو سرے سے دماغ

ہی علیحدہ رکھتی ہو سب سے۔'' عشرت جہاں کو ان کی پریشانی و فکر ایک آنکھ نہ بھائی تھی۔

''آپ نہیں جانتیں، وہ لوگ کتنے ظالم اور سفاک ہیں خود غرض اور مفاد پرست ہیں اول درجے کے میری بیٹی کو بے دام کی کنیز بنا کر رکھتے ہوں گے اس کا چہرہ غور سے دیکھیں آپ! شادابی و بے فکری وہاں نام کو نہیں ہے۔ اس عمر میں لڑکیاں پھولوں کی طرح شاداب و تر و تازہ رہتی ہیں۔'' ان کی آنکھوں میں نمی اُترنے لگی تھی۔

''تم یہ کیوں بھول جاتی ہو کہ اس کا باپ بھی ہے وہاں پر......''

''باپ...... ہونہہ!'' انہوں نے زہر خند لہجے میں کہا۔

''مجھے یقین ہے وہ پری کو نگاہ اٹھا کر دیکھنا بھی پسند نہیں کرتا ہوگا۔''

''یہ تم کس بنا پر کہہ سکتی ہو؟'' وہ از حد حیران ہوئی تھیں۔

''پری کا چہرہ مجھ سے مشابہ ہے اور وہ مجھ سے نفرت کرتا ہے۔''

''مگر پری تو بہت تعریفیں کرتی ہے باپ کی......''

''پری میری بیٹی ہے' جھوٹا کرنا جانتی ہے ورنہ مجھے یقین ہے......''

''خیر چھوڑو اس ذکر کو تمہارا خاوند ہے بیٹا ہے' گھر ہے دولت جائیداد کسی شے کی کمی نہیں ہے تمہیں' کسی ملکہ کی طرح رہتی ہو۔ گزرے وقت کو مت چھیڑا کرو۔ صفدر کو رات کے لیے روک لیا ہے میں نے۔''

✿......☆......✿

چوٹ اتنی گہری بھی نہ تھی کہ وہ لگتے ہی ہوش و حواس سے بیگانہ ہو کر زمین بوس ہو جاتی ہے۔ بے ساختہ گرنے کے باعث پیشانی اس کی فرش سے ٹکرائی تھی۔ بے ہوش وہ اس ذہنی شدید ابتری و کشمکش کے باعث ہوئی تھی جو وردہ کے ساتھ جاتے ہوئے اس کے اندر یکلخت کسی طوفان کی مانند برپا ہوا تھا پھر وردہ کے ناروا رویے نے بھی ثابت کر دیا تھا کہ وہ کسی اور ہی مقصد کے لیے اسے لے کر جانا چاہ رہی تھی۔ یہ ادراک صرف لمحے بھر میں اس کو ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں' غنودہ حالت میں گزرا وقت کسی فلم کی طرح اس کے ذہن کی اسکرین پر چل رہا تھا۔ وہ وردہ کے ساتھ جاتے جاتے ایک دم بھاگ کر سامنے گیٹ کی طرف بڑھتی ہے' گیٹ کھل جاتا ہے وہ اندر گرتی ہے پیچھے وردہ کے قدموں کی صدا وہ سنتی ہے مگر اگلے پل اپنے اردگرد تاریکی پھیلتی دیکھتی ہے اور اس کو ہوش نہیں رہتا ہے۔

اب وہ ہوش میں آ رہی تھی۔

چند ساعتیں وہ چھت پر لٹکتے فانوس کو دیکھتی رہی تھی۔ کچھ لمحے بعد ہی اس کو احساس ہو گیا کہ وہ کسی اجنبی جگہ پر اجنبی لوگوں کے ساتھ ہے اور وہ گھبرا کر اٹھی تھی۔ اس وقت وہ ایک خوب صورت سجے سجائے کمرے میں تھی۔ اس کے سوا کوئی دوسرا وہاں موجود نہ تھا۔ وہ تیزی سے بیڈ سے اُترنے لگی تھی کہ معاً گیٹ کھلا اور اندر آنے والی خاتون کو دیکھ کر اس پر سکتے کی سی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔

''خدا کا شکر ہے آپ ہوش میں تو آئیں۔ ایک گھنٹے سے آپ کا انتظار کر رہی ہوں۔'' وہ دلکشی سے کہتی ہوئی اس کے قریب ہی بیٹھ گئی تھیں۔ ''گھبراؤ نہیں' خوف زدہ مت ہو' میں آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گی۔'' وہ رجاء کی آنکھوں میں اُترتے ہوئے خوف کو محسوس کر کے نرمی سے بولیں۔ رجاء کی آنکھوں میں اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔ اس کے قریب براجمان خاتون وہ تھیں جو پورے محلے میں رسوا تھیں۔ رضیہ خالہ اور دوسری محلے دار خواتین نے مردوں کو وقت بے وقت وہاں آتے دیکھا تھا۔ محلے کے آوارہ نوجوان بھی ان کے گھر کے قریب بیٹھے پائے جاتے تھے۔ خالہ رضیہ کے شوہر نے خود گواہی دی تھی ان کی بے راہ روی کی کہ وہ خود کو بڑی مشکل سے محفوظ رکھ سکے تھے۔

ان کے چنگل میں پھنسنے سے...... اور اب وہ خود ان کی گرفت میں تھی۔ ساری راہیں مسدود محسوس ہو رہی تھیں۔ کہیں سے کوئی راہ' کوئی روزن دکھائی نہ دے رہا تھا۔ اس کو کیا معلوم تھا پناہ حاصل کرنے کے لیے وہ جس دروازے پر دستک دے رہی ہے وہ جگہ سب سے غیر محفوظ و خطرناک ہوگی۔

''میں جانتی ہوں اس وقت تم پر کیا بیت رہی ہے۔'' اس کی سراسیمہ حالت و آنکھوں میں نمی اُترتی دیکھ کر وہ اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر گداز لہجے میں گویا ہوئیں پھر وہ ایک دم ہی اپنے حواس گم کر بیٹھی ان کا مہربان انداز! گویا اس کے ضبط و حوصلے کا بند ٹوٹ گیا۔ وہ خوب روئی انہوں نے بھی اس کو رونے سے روکا نہیں۔ جب خوب رونے بعد وہ چپ ہوئی تو انہوں نے اس کو پانی پلایا پھر وہ نوڈلز لے آئی تھیں۔ جب ذہن طوفانوں کی زد میں ہو اور دل پر ملامت کی شرمندگی چھائی ہو تو بھوک از خود ہی مٹ جاتی ہے۔ بھوک و پیاس کا ابھی احساس سویا ہوا تھا۔ اس کے انکار کے باوجود انہوں نے زبردستی اس کو چند چمچ کھلا دیے تھے۔

''میں گھر جانا چاہتی ہوں۔'' رجاء نے ٹشو پیپر سے منہ صاف کرتے ہوئے کہا۔

''گھر جا کر اپنی امی کو کیا بتاؤ گی؟'' وہ ٹرالی کچن میں رکھ کر آئیں تو گویا ہوئیں۔ ''وہ معلوم کریں گی' کالج سے اتنی جلدی کیوں چلی آئیں اور تمہاری دوست جو گھر کے اندر چھوڑ کر جاتی ہے وہ باہر سے ہی کیوں چلی گئی؟'' سوالات بے حد سیدھے و عام تھے مگر رجاء کے پریشان ذہن کو ایک بار پھر شدید جھٹکا دے گئے تھے۔ اس کی آنسوؤں سے بوجھل آنکھوں میں حیرانی در آئی تھی۔

''آپ...... آپ...... آپ کو کیسے معلوم ہوا یہ سب؟''

''اس قدر حیران مت ہو' آپ کی نازک صحت کے لیے اتنا حیران ہونا اچھا نہیں ہے۔'' وہ اس کی حیران پریشان صورت دیکھ کر دلکشی سے مسکرا کر گویا ہوئی تھیں۔

رجاء کے لیے آج کا دن انکشافات کا دن تھا۔

''مجھے یہ بھی معلوم ہے وردہ اور آپ کے درمیان کیا چل رہا ہے اور......'' وہ کہتے کہتے معنی خیز انداز میں چپ ہو گئی تھیں۔

''اور...... اور کیا؟'' وہ شدید حواس باختہ ہو گئی تھی۔ وہ مسکراہٹ دبائے کچھ توقف کیے اس کو دیکھتی رہی تھیں۔ ان کے خوب صورت چہرے پر عجیب سے رنگ تھے بھوری آنکھوں میں ناقابل فہم چمک تھی۔

''میں آپ کے لیے چائے بنا کر لاتی ہوں۔ اتنا روئی ہیں کہ سر میں درد ہو گیا ہوگا۔'' وہ اس کا سوال گول کر کے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''مجھے چائے کی ضرورت نہیں ہے۔ ابھی آپ نے دعویٰ کیا تھا کہ آپ میری کیفیت سمجھ رہی ہیں پھر آپ کیوں اتنے پُراسرار طریقے سے بات کر رہی ہیں' آپ یہ سب کیسے جانتی ہیں جو صرف میں اور وردہ جانتی تھی؟'' وہ روہانسے لہجے میں بولی۔

✿......☆......✿

''میں پوچھتی ہوں' کھانا آج کی تاریخ میں بن بھی جائے گا یا نہیں؟ مگر کسی بیٹی یا ماں کی جانب سے کوئی جواب موصول نہیں ہو رہا ہے۔'' کئی بار پوچھنے پر بھی جب کوئی جواب نہ آیا تو اماں جان کچن میں چلی آئیں۔

''یہاں آواز نہیں آتی اگر آتی تو جواب دیتی نا۔'' صباحت نے کہا۔

''خیر سے کانوں میں تیل ڈال کر بیٹھنے کی عادت تم ماں بیٹیوں کی پرانی ہے۔''

''اماں! ہر وقت جلی کٹی باتیں نہ کیا کریں۔'' صباحت وہاں موجود ملازماؤں کے خیال سے آہستگی سے گویا ہوئیں۔

''میں تو صاف بات کہتی ہوں اور یہ اتنی بنی سنوری ہوئی ہو' کیا کہیں جانے کا ارادہ ہے؟'' بنارسی میرون اور گولڈ ساڑھی میچنگ جیولری' چوڑیاں اور میک اپ میں صباحت خاصی اچھی لگ رہی تھیں۔ اماں نے تعجب سے پوچھا۔

''کہیں جائیں جب ہی تیار ہوتے ہیں' گھر میں تیار ہو کر رہنا منع ہے؟''

''گھر میں تیار ہو کر رہنا سہاگنوں کا بُری بات نہیں ہے مگر کچن میں بنارسی سوٹ پہن کر سرخی پاؤڈر لگا کر کون احمق عورت کام کرتی ہے؟'' اماں جان کی یہ بُری عادت تھی کہ وہ جب پسند کے خلاف کام دیکھتی تھیں تو کسی کا خیال نہ کرتی تھیں۔ اپنی رائے کا اظہار ببانگ دہل کیا کرتی تھیں۔ نامعلوم بڑھاپے کے باعث وہ صبر وضبط کھو بیٹھی تھیں یا صباحت اور ان کی دونوں صاحب زادیوں کی ہٹ دھرم و خود سر فطرت نے ان کو ناقابل برداشت حد تک صاف گو اور چڑچڑا کر دیا تھا کہ اب بھی ملازماؤں کی موجودگی کے خیال سے بے فکر وہ بحث و مباحثے میں الجھی ہوئی تھیں۔

''اماں جان! وہ دور گزر گیا جب عورت سر جھاڑ منہ پہاڑ لہسن پیاز کی بدبو میں بسی گھر کے کام کیا کرتی تھی کہ کسی کے پاس بیٹھ جائیں تو ساتھ والا ناک پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنے پر مجبور ہو جائے۔ میں آج کی عورت ہوں' جہاں بھی ہوں گی اسی طرح صاف ستھری اور مہکتی رہوں گی۔'' وہ بڑی نزاکت سے ہانڈی میں کفگیر چلاتی ہوئی گویا ہوئیں۔

''ارے ایسی گندی و پھوہڑ عورتیں تمہارے میکے میں ہوں گی' جن میں لہسن پیاز و مسالوں کی بدبو آتی ہوگی' ہمارے ہاں تو بھئی ہر کام کا لباس علیحدہ تھا۔ ہم بھی اپنے وقت میں سسرال میں بنتے سنورتے تھے لیکن اس طرح نہیں کہ کچن میں بھی جانا ہو تو پہلے میک اپ کریں نوج!''

''خواہ مخواہ بات کا بتنگڑ بنانا کوئی تو آپ سے سیکھے اماں جان!'' صباحت کباب کی طرح جل بھن گئی۔ ساس بہو کی تکرار میں دونوں ملازمائیں مزے لے رہی تھیں۔

''تم جب تک جواب نہ دو گی' تب تک تمہارا ہاضمہ درست نہیں ہوتا۔''

''آپ کو کوئی کام تھا مجھ سے؟'' بالآخر ان کو ہتھیار پھینکنے پڑے تھے۔

''ہاں طغرل کے آنے کا وقت ہو رہا ہے' کھانا تیار نہیں ہوا ابھی تک...... جب سے [illegible] کسی ٹائم پر نہیں مل رہا ہے۔ صبح ناشتہ بھی دیر سے لگا تو رات کھانا بھی اور اب دوپہر کو بھی وہی [illegible] دھمکی دے رہی ہے۔'' وہ ملازمہ کو چاول ابالتے دیکھ کر فکر مندی سے گویا ہوئیں۔

''سب تیار ہو جائے گا ابھی آپ پریشان مت ہوں۔''

''اچھا! ایسا کرو ایک کپ چائے بنا کر بھیج دو مجھے۔'' وہ پلٹتے ہوئے گویا ہوئیں۔

''کھانے سے پہلے چائے پئیں گی تو بھوک مر جائے گی۔''

''وہ تو کب کی مر گئی' مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا پہلے پیوں یا بعد میں...... کھاؤں گی ایک چپاتی ہی...... اب تم حیلے بہانے بنانے سے بہتر ہے چائے بنا کر بھیجو۔''

''بخیر چلاتی ہیں' کتنی بھی خدمت کر لو جوتی پڑتا ہے۔'' ان کے جانے کے بعد صباحت کی بڑبڑاہٹ جاری ہو گئی۔

پری کو گئے آج دوسرا دن تھا۔

وہ دیکھ رہا تھا دادی جان کے لبوں پر اس کا نام ہوتا ہے۔ وہ بات بات پر اس کا ذکر کرتی ہیں حتیٰ کہ بعض اوقات بے دھیانی میں اس کو پکارنے لگتی ہیں صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اس کی عادی ہو چکی ہیں۔ یہ ان کی بے قراریاں و بے تابیاں بھلا اس کو کہاں گوارہ تھیں وہ منصوبہ بنا کر آیا تھا کہ ان کی محبت سود سمیت وصول کرے گا۔ پری نے سالوں اس کی غیر موجودگی سے فائدہ اٹھا کر دادی کی محبت سمیٹی ہے وہ اب ان کی محبت کے دریا سے پری کو ایک قطرہ بھی حاصل کرنے نہیں دے گا...... یہاں تو وہی پتے ہوا دینے لگے جن پر تکیہ تھا۔

''کیا ہو گیا طغرل! یہ منہ لٹکا کر کیوں بیٹھے ہو' کیا ہوا؟'' اماں جان نے جب اس کی خاموشی کو محسوس کیا تو اچنبھے سے بولیں۔

''میں واپس جا رہا ہوں دادی جان۔'' اس نے چہرہ جھکائے سنجیدگی سے کہا تھا۔

''ہیں......!'' ان کا ہاتھ فوراً دل پر گیا تھا۔ ''یہ کیا کہہ رہا ہے...... تو تو کہہ رہا تھا کہ اب یہیں رہے گا؟''

''جی ارادہ تو میرا ایسی تھا۔'' بے حد شرافت سے کہا گیا۔

''ارادہ یہی تھا تو پھر ایسی کیا آفت آ گئی کہ یکدم جانے کا فیصلہ کر لیا؟'' اماں جان سخت مضطرب ہو گئی تھیں۔

''میں آپ سے ملنے آیا تھا' اتنا عرصہ دور رہنے کے بعد اب آپ سے جدا نہیں ہوا جاتا۔ مگر آپ کو میری ضرورت نہیں تو یہاں رہ کر کیا کروں؟''

''ارے بس چپ کر...... یہاں آئے جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوئے ہیں اور ان آٹھ دنوں میں ہی تجھ پر تیری آنٹی کی صحبت کا اثر ہو گیا ہے؟ صباحت کی طرح ہی چترا (چالاکی) کر بات کرنے لگا ہے۔ جو بات ہے سیدھی کہہ دے۔'' وہ اس کی جانب گھورتی ہوئی گویا ہوئی تھیں۔

''ابھی جو آپ نے لفظ بولا ہے وہ سمجھ نہیں سکا ہوں' مگر جان گیا ہوں کہ اس کا مطلب اچھا نہ ہوگا اور یہ آپ نے صباحت آنٹی کا ذکر کیوں کیا ہے؟ وہ تو بہت اچھی ہیں۔'' وہ حیرانی سے گویا ہوا تھا۔

''دور سے چمکتی ہر چیز سونا ہی لگتی ہے قریب جانے پر معلوم ہوتا ہے وہ پیتل ہے یا سونا! میں بھی اس کو سونا سمجھ کر بیٹے کے نصیب بگاڑ چکی ہوں۔'' ان کی دھیمی آواز میں ایک کرب چھپا ہوا تھا۔

''آپ اس طرح کیوں کہہ رہی ہیں دادی جان!''

''ارے تم نے بھی تو مجھے باتوں میں لگا لیا۔ میں پوچھ رہی تھی واپس جانے کی دھونس کیوں دے رہے ہو' ایسی کیا خطا ہو گئی مجھ سے......؟'' وہ جہاندیدہ تھیں فہم و فراست اعلیٰ درجے کی پائی تھی۔ لفافہ دیکھ کر خط کا مضمون بھانپ لینے کی صلاحیت رکھتی تھیں۔ اس کی آواز و لہجے سے ادراک پا چکی تھیں کہ وہ کسی خفگی کے اظہار کے لیے محض دباؤ ڈالنا چاہ رہا ہے۔

''خطا آپ سے نہیں مجھ سے ہوئی ہے۔'' وہ منہ پھلا کر ان کی جانب دیکھتا ہوا بولا۔

''اچھا...... وہ کیا بھلا؟''

''آپ کی محبت میں دوڑا دوڑا آیا اور آپ پہلے سے ہی کسی پری کی محبت میں گرفتار ہیں تو بھلا مجھ ''دیو'' کی محبت کی آپ کو کیا ضرورت؟'' وہ روانی میں خود کو دیو کہہ گیا۔

''تو بھلا اب ایسا بھی کیا غصہ کہ خود کو ہی دیو بنا ڈالا۔'' اماں جان بے ساختہ ہنس پڑی تھیں۔ وہ جھینپ گیا۔

''میری بات کو ہنسی میں نہ اڑائیں۔''

''پھر کیا پتنگ میں اڑاؤں بچے!''

''دادی جان! آج آپ کو بتانا ہوگا' مجھ سے زیادہ محبت ہے آپ کو یا پری سے......؟ سچ سچ بتایئے گا۔'' وہ کسی ضدی بچے کی طرح مچل کر بولا۔

''میں پہلے بھی تم دونوں سے یکساں محبت کرتی تھی اور اب بھی دونوں سے برابر محبت کرتی ہوں۔ کم نہ زیادہ! بالکل برابر۔''

''بے ایمانی ہے دادی جان! آپ کو اب مجھ سے زیادہ محبت کرنی چاہیے۔''

''وہ کیوں بھلا! اور یہ محبت بھی کوئی ترازو میں تلنے والی چیز ہے؟'' ان کے بارعب چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ کسی کرن کی طرح ابھری تھی۔

''بے شک! محبت کا وزن دل کے ترازو میں ہوتا ہے اور میں دیکھ رہا ہوں آپ کی محبت کے ترازو کا پلڑا پری کی طرف ہی جھکا ہوا ہے جو گھر میں نہیں ہے آپ کی پروا کیے بغیر چلی گئی ہے اس کو ہر لمحہ آپ یاد رکھتی ہیں' میری تو آپ کو پرواہی نہیں ہے میرے آنے......''

''بلاوجہ کا بغض دل میں مت پال بیٹے! تو یہاں نہیں تھا تب بھی میں تجھ سے محبت کرتی تھی اب بھی کرتی ہوں بلکہ تجھے دیکھ کر میری آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتی ہیں اور رہا سوال پری کا تو اس بچی کا نام مت زبان پر لایا کر' وہ ایک مظلوم لڑکی ہے جس کو باپ کی محبت ملی نہ ماں کی۔''

''جو محبت آپ اس کو دے رہی ہیں اس محبت کے آگے اس کو کسی اور محبت کی ضرورت بھی نہیں ہے دادی جان!''

''نہیں طغرل! دادی کی محبت والدین کی محبتوں کا نعم البدل نہیں ہوتی ہے اور اب تو میری محبت میں بھی غرض شامل ہوگئی ہے۔ میرے بیماریوں اور بڑھاپے سے ناتواں ہوتے وجود کے لیے وہ لاٹھی بن گئی ہے۔'' ان کی کمزور آواز میں تاسف و ملال ابھرنے لگا تھا۔ ''محبت میں جب غرض شامل ہو جائے تو وہ محبت نہیں رہتی' غرض بن جاتی ہے اور تمہیں اعتراض ہے اس کی غیر موجودگی میں' میں کیوں اس کو پکارتی ہوں' کیوں بات بات پر یاد کرتی ہوں؟''

''دادی جان! میں نے آپ کو دکھی کردیا ہے۔'' وہ نادم ہوگیا۔

''ایسی بات نہیں ہے بیٹا! بس میں چاہتی ہوں' تم پری کے خلاف مت ہوا کرو۔ وہ میرے بڑھاپے کی لاٹھی ہے سہارا ہے میرا۔''

''پھر وہی اس کو اہمیت دینے والی بات کر رہی ہیں آپ! میں سہارا نہیں ہوں آپ کا؟ میں آپ کی لاٹھی نہیں بن سکتا......؟''

''ہاں' تم دونوں ہی میرا سہارا ہو' تم یہاں نہیں تھے' میں تم سے تب بھی اتنی محبت کرتی تھی' جتنی آج کرتی ہوں لیکن پری اس دور میں بھی میری خدمت کرتی تھی' اب بھی کرتی ہے اور وہی مجھے یاد آتی ہے۔''

''چلیں لیٹیں! آج میں آپ کی ٹانگیں دباتا ہوں۔''



رات بھر بارش برسی تھی۔

صبح ہر شے دھل کر نکھر گئی تھی۔ مہینوں کی گرد بارش کے سنگ بہہ چکی تھی۔ پیڑ پودوں نے ہریالی کی ردائیں اوڑھ لی تھیں۔ رنگ برنگے پھولوں کے شوخ رنگوں میں مزید شوخیاں بھر گئی تھیں۔

''کاش! کوئی ایسی بارش بھی ہو جو رشتوں پر پڑی گرد ہمیشہ کے لیے بہا کر لے جائے۔ محبت کی مہک' اپنائیت کی خوش بو سے رشتے ان پھولوں سے زیادہ مہک اٹھیں۔'' وہ لان میں ٹہل رہی تھی۔ آسمان پر سرمئی اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ ہوا کے جھونکے خوش گوار محسوس ہو رہے تھے۔ وہ از حد حساس تھی۔ ایسا موسم اس کے اندر عجیب بے گانہ سا درد جگا دیا کرتا تھا۔ جس کی کسک اندر ہی اندر اس کو مضطرب کر دیتی تھی۔ اب بھی ماحول کی خوب صورتی نے اس کو افسردگی میں مبتلا کر دیا تھا۔ وہ کرسی پر بیٹھی سوچوں میں گم تھی۔ معاً آہٹ پر اس نے چہرہ اوپر کیا تو اپنے سامنے نانو کو پایا پھر وہ آ کر اس کے برابر میں کرسی پر بیٹھ گئی تھیں۔

''اتنے حسین موسم میں بھی اداس بیٹھی ہو پری بیٹے!'' انہوں نے مسکراتے ہوئے استفسار کیا تھا۔

''نا معلوم کیوں یہ بھیگا بھیگا موسم مجھے پریشان کر دیتا ہے؟''

''کیوں ہوتی ہو پریشان؟ یہ عمر پریشان ہونے کی نہیں ہے چندا!''

''جب کوئی نصیب ہی ایسے لے کر پیدا ہو تو عمر اور وقت سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے نانو!'' وہ شانے اچکا کر بددلی سے گویا ہوئی۔

''نصیب تو آپ کے بہت اچھے ہیں پھر ایسے کیوں سوچتی ہیں؟'' ان کی بات پر زخمی نظروں سے پری نے نانی کی طرف دیکھا اور ان نظروں کا مفہوم وہ اچھی طرح جانتی تھیں' سو چپ رہیں۔

''اللہ کرے کسی کے نصیب میری طرح اچھے ہوں' مجھے تو اپنا وجود ہی بے معنی لگتا ہے۔ وہاں پاپا سے احساس و اپنائیت کا کوئی رشتہ نہیں ہے صرف خون کا رشتہ ہے تو یہاں مما نے بھی ماں کے جذبوں سے لبریز دل کے قریب نہیں لگایا۔ بے حد سرسری انداز میں گلے لگا کر پل بھر میں دور ہو جاتی تھیں پھر بہت عام سے انداز میں گفتگو کر کے اٹھ جانا میرے تشنہ دل کو مزید تشنہ کر دیتا ہے' میری محرومیوں کو مزید بڑھا دیتا ہے۔''

''آپ نے ناشتا اتنا ہلکا کیا ہے' رات ڈنر بھی ایسے ہی کیا تھا۔ آپ اسی وجہ سے اتنی کمزور ہو رہی ہیں۔ مثنیٰ آپ کی طرف سے بہت فکر مند ہو رہی ہیں' اپنا خیال رکھا کریں پری!''

''کس کے لیے خیال رکھوں...... اور کیوں؟'' پھر ایک درد کی لہر اس کو مضطرب کر گئی۔

''ملازمہ سے چکن سینڈوچ بنوا دوں؟ بہت لذیذ بناتی ہے۔''

''ٹھیک ہے مما آ جائیں تو ان کے ساتھ کھائیں گے۔'' ان کی خاطر اس کو ہامی بھرنی پڑی تھی۔ انہوں نے فوراً ملازمہ کو سینڈوچ اور چائے تیار کر کے لانے کا حکم دیا تھا۔ اسی اثناء میں مثنیٰ صفدر جمال کے ہمراہ وہاں چلی آئی تھیں۔ پری انہیں دیکھ کر نا صرف کھڑی ہوئی تھی بلکہ صفدر جمال کو سلام بھی کیا تھا۔ صفدر جمال حیرانی سے پری کو دیکھتے رہ گئے تھے۔ نیلے اور سفید جدید تراش خراش کے سوٹ میں ملبوس نوخیز کلیوں ایسی پاکیزگی لیے چہرے کو وہ پہچان ہی نہ پائے تھے' مثنیٰ نے ان کو متحیر دیکھ کر کہا۔

''آپ اتنی حیرانی سے کیوں دیکھ رہے ہیں' یہ پری ہے۔''

''اوہ! میں واقعی حیران ہوں۔'' وہ مسکرا کر گویا ہوئے تھے۔

''چھ یا سات سال کی ہوگی پری جب آپ نے دیکھا تھا پھر آپ مثنیٰ و مسعود کو لے کر امریکا چلے گئے تھے دس سال کے لیے۔'' ثروت جہاں نے داماد کا اچھا موڈ دیکھ کر فوراً کہا اور نہ وہ جانتی تھیں صفدر نے مثنیٰ سے شادی کے بعد پری کو کبھی قبول نہیں کیا تھا' دو تین بار ممتا سے مجبور ہو کر مثنیٰ نے اس کو بلوایا بھی تو ان کی شخصیت برہمی اور جھگڑا کرنے پر فوراً ہی واپس بھی بھیجنا پڑا تھا۔ اب صفدر کو پری سے اتنے خوش گوار موڈ میں بات کرتے دیکھ کر ان کو

قدرے اطمینان ہوا تھا۔

"جی! آپ درست کہہ رہی ہیں آنٹی! تب ہی تو میں پری کو پہچان نہیں سکا ہوں۔" ان کی نظریں ہنوز پری کے چہرے پر تھیں۔

"ثنی کھڑے کیوں ہو بیٹھو بھئی! بیگماں کو سینڈوچ اور چائے کا کہہ چکی ہوں وہ لاتی ہی ہوگی۔ ناشتے میں تو تم دونوں شریک نہیں ہوئے ہمارے ساتھ...... اب سینڈوچ اور چائے میں شریک ہو جاؤ۔"

"میں شریک ہو جاؤں گی آپ کے ساتھ مگر صفدر نے بھرپور ناشتا کیا ہے۔ ان کے پاس ایک سینڈوچ کی بھی گنجائش نہیں ہوگی......"

"ہرگز نہیں میں بھی آپ لوگوں کے ساتھ سینڈوچ اور چائے پارٹی میں شامل ہو سکتا ہوں' میرا خیال ہے میں خاصی گنجائش رکھتا ہوں ابھی بھی۔" انہوں نے اس انداز میں کہا کہ ثروت مسکرا اٹھی تھیں جب کہ ثنی کے چہرے پر چھائی سنجیدگی میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔ پری خاموشی سے چہرہ جھکائے بیٹھی ہوئی تھی لاتعلق بھرے انداز میں۔

"ہاں ہاں کیوں نہیں...... سب سے زیادہ مجھے آپ کو کھاتے دیکھ کر خوشی ہوگی۔" ثروت جہاں داماد کی بے تکلفی پر کھل اٹھی تھیں۔

"نہیں ماما! سینڈوچ کھانا تو درکنار' یہ سینڈوچ دیکھیں گے بھی نہیں' مجھے ان کی ذات کا سختی سے خیال رکھنا پڑتا ہے ڈاکٹر نے تنبیہ کی ہے کہ غذا کے معاملے میں ذرا بھی بدپرہیزی ہوئی تو شوگر کا حملہ ہوگا۔"

"ایسی بات ہے تو میں اصرار نہیں کروں گی بیٹے!" ثروت جہاں کو ان کی سلامتی عزیز تھی وہ فوراً کہہ اٹھیں۔

"آنٹی! آپ بھی کہاں ثنی کی باتوں میں آ رہی ہیں۔"

"ماما کو معلوم ہے میں جھوٹ نہیں بولتی ہوں اور آپ اٹھیں! دیر ہو رہی ہے آپ کو میٹنگ اٹینڈ کرنی ہے' ٹائم ہو گیا ہے۔" وہ ان کے بازو پکڑ کر اٹھاتے ہوئے گویا ہوئی تھیں۔

"دیکھا آپ نے ..... یہ کتنی خراب ہیں! آپ سے بات بھی نہیں کرنے دے رہی ہیں مگر ہم رات کو ڈنر ساتھ کریں گے۔" وہ جاتے جاتے پری سے مخاطب ہوئے تھے۔

"یہ کیا حرکت ہے؟ وہ کچھ دیر بیٹھنا چاہ رہے تھے' بیٹھنے دیتیں۔" صفدر جمال کی کار گیٹ سے باہر جاتے ہی وہ خفگی سے بولیں۔

"میں بیگماں کی مدد کرواتی ہوں۔" پری اٹھ کر اندر چلی گئی۔

"تم نے دیکھا اس نے کتنی شفقت سے پری سے بات کی ہے؟"

"پری کو ان کی شفقت کی ضرورت نہیں ہے' اس کا باپ ہے۔"

"وہ بھی پری کا باپ ہے' خواہ سوتیلا ہی ہے لیکن باپ باپ ہوتا ہے۔"

"سگے اور سوتیلے میں اتنا ہی فرق ہوتا ہے جتنا دن اور رات میں..... جب بیٹی جوان ہونے لگتی ہے تو باپ کی نگاہیں جھکنے لگتی ہیں اور اس کے برخلاف سوتیلے باپ کی نگاہیں وقت کے ساتھ ساتھ اٹھنے لگتی ہیں۔" ثنی نے سادگی سے تجزیہ کیا تھا۔

"خوامخواہ شک فضول ہوتا ہے۔ صفدر کو میں تم سے زیادہ جانتی ہوں بلاشبہ وہ آزاد خیال ہے مگر رشتوں کے احترام کو سمجھتا ہے۔" ثروت جہاں سنجیدگی سے گویا ہوئیں۔

"میں جانتی ہوں ماما! پھر بھی ان رشتوں میں جتنی احتیاط برتی جائے وہ بہتر ہے۔"

"شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ آج کل کا ماحول بھی تو بدل گیا ہے پھر مرد کی فطرت گرگٹ کی مانند ہے' کب رنگ بدل لے پتا ہی نہیں چلتا ہے۔" انہیں بھی بیٹی کی بات میں وزن محسوس ہوا تو ان کی ہاں میں ہاں ملانے لگی تھیں۔



"بتائیں نا! آپ میرے اور وردہ کے مطابق کیا جانتی ہیں اور کس طرح......؟"

"جب میں یہاں رہنے آئی تو محلے کے لوگوں نے مجھ سے دوستی کرنے کی کوششیں کیں' ہر طریقہ ہر وہ حربہ اپنایا کہ میں ان سے گھل مل جاؤں اور میں...... لوگوں سے خوف زدہ رہنے والی عورت بھلا کس طرح ایسی دوستیاں پال سکتی تھی۔ میں نے لوگوں سے جان چھڑانے کے لیے سرد مہری و بدمزاجی اختیار کی...... کیونکہ یہاں کی عورتیں ہی نہیں مرد بھی مجھ سے دوستی کے خواہاں تھے۔" وہ نرم لہجے میں بتا رہی تھیں۔

"لیکن رضیہ خالہ بتا رہی تھیں آپ کے ہاں مرد آتے ہیں۔" رجا کو ان کی بات پر یقین نہیں آیا وہ کہہ اٹھی۔

"رضیہ کو کس نے بتایا...... اس کے خاوند نے......؟" انہوں نے ایک دلکش مسکراہٹ کے ساتھ اپنے سوال کا خود ہی جواب دیا۔ رجا نے گردن ہلا کر جواب دیا تھا اثبات میں۔

"اس محلے کے پہلے مرد ہیں وہ جنہوں نے مجھ سے دوستی کرنے کے لیے بہت پاپڑ بیلے' ازحد کوشش کی کہ کسی طرح بھی میں ان سے دوستی کرنے کے لیے تیار ہو جاؤں۔"

"وہ تو بہت شریف اور اچھے ہیں ایسا ممکن نہیں ہے۔" اس نے سادگی سے کہا تھا۔

اس کی عمر ابھی تجربوں و کٹھنائیوں سے دور تھی۔ عمر' تجربہ اور مشکلات ہی انسان کو سچائی و فریب' جھوٹ و سوچ کی بصیرت دیتے ہیں۔ اس نے اپنی عمر و تجربہ کے لحاظ سے جو محسوس کیا وہ کہہ دیا۔

"صنف مخالف کی وہ قوم بڑی شاطر و بے رحم ہوتی ہے جو اپنے نفس کی اطاعت کرتی ہے۔ اپنی نفسانی خواہشوں کی تکمیل کے لیے ایسے لوگ اس طرح کے حربے استعمال کرتے ہیں کہ جن کا تصور بھی شریف لوگ نہیں کر سکتے۔"

"میں سمجھی نہیں آپ کی بات...... پھر عارف انکل ایسا کس طرح کر سکتے ہیں؟" رجا سخت متوحش تھی۔

"یہاں کا فون نمبر پہلے ہی ان کے پاس تھا۔ وہ بھی کھڑکی کے ذریعے اشاروں سے تو کبھی فون کے ذریعے اپنی کوششوں میں مگن رہے اور جب میں نے ان کو دھمکی دی کہ میں ان کی بیوی کو ساری حقیقت بتا دوں گی تو پھر وہ یہاں سے ایسے غائب ہوئے کہ کبھی گھر کے قریب سے بھی نہیں گزرتے اور تب ہی سے مجھے خبریں ملنے لگیں کہ محلے میں کس انداز میں مجھے رسوا کیا جا رہا ہے لیکن میں پروا کرنے والی نہیں ہوں۔" انہوں نے سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا۔

"آپ نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا......!"

"یہاں کے رہنے والے لوگوں کے گھروں میں کیا ہوتا ہے' کون شریف اور کون بدکردار ہے' میں سب جانتی ہوں۔ اس محلے میں جس گھر کو میں پسند کرتی ہوں' جن لوگوں کی میں عزت کرتی ہوں' وہ آپ کا گھر اور آپ کے والدین ہیں۔" ان کے لہجے میں سچائی تھی۔

"میرا گھر! میرے امی ابو......؟"

"ہاں! آپ کا گھر...... آپ کے امی ابو...... مجھے آپ کی فیملی میں اپنا بیتا ہوا کل دکھائی دیتا ہے۔ ایک انسیت سی محسوس ہوتی ہے۔" وہ ماضی کے جھروکے میں جھانکتی آنکھوں سے کہہ رہی تھیں۔ اس وقت ان کے چہرے پر

افسردہ سے رنگ پھیلے ہوئے تھے۔

"تب ہی آپ ہمارے گھر کی طرف دیکھتی رہا کرتی تھیں اور خصوصاً میرے کمرے کی طرف...... آپ کو معلوم نہیں ہے آپ کو اپنے کمرے کی طرف دیکھتا پا کر میں کس قدر خوف زدہ ہو جاتی تھی۔"

"مجھے معلوم ہے آپ کے چہرے پر پھیلتے خوف کو میں دور سے محسوس کیا کرتی تھی۔" وہ شوخ انداز میں مسکرائیں۔

"میں آپ کی نگرانی کیا کرتی تھی کہ کہیں آپ وردہ کی باتوں میں بہک کر گھر سے فرار ہونے کی تیاریاں تو نہیں کر رہی ہیں۔"



وہ نانو کے ہاں دو دنوں سے زیادہ رک نہ سکی تھی۔

گھر آئی تو دادی جان کو بیمار پایا اور ہر جگہ بے ترتیبی پھیلی ہوئی تھی۔ اس نے آتے ہی پہلے ماسیوں کو کام میں لگایا اور خود بھی چیزوں کو ترتیب دینے لگی تھی۔ گھر چمک اٹھا تو وہ کچن میں چلی آئی جہاں صباحت موجود تھیں' جو قیمہ بھون رہی تھیں۔ انہوں نے سرسری سی نگاہ اس پر ڈالی مگر اس کے کانوں میں جھلملاتے ٹاپس دیکھ کر وہ سرسری نگاہ جم کر رہ گئی۔ ان کی نگاہوں سے بے خبر پری دادی کے لیے چائے بنانے لگی تھی۔

"یہ ٹاپس تو ہیرے کے ہیں؟" وہ قریب آ کر سرد لہجے میں بولیں۔

"جی......" وہ ان کے انداز پر پریشان ہو کر گویا ہوئی۔

"اس عورت نے دیے ہیں؟" لہجے میں حسد اور رقابت تھی۔

"جی' مما نے دیے ہیں۔"

"ہونہہ مما! اس عورت کو کہو اپنی دولت کی نمائش ہم کو قطعی دکھانے کی ضرورت نہیں ہے' تمہیں ہیرے پہنا کر باہر کا قیمتی سامان بھیج کر وہ کیا ثابت کرنا چاہتی ہے کہ ہم تمہیں یہ سب نہیں دے سکتے ہیں؟" صباحت غصے سے چیختے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

"وہ ایسا کچھ نہیں چاہتیں' وہ صرف مجھ سے محبت کرتی ہیں۔"

اس نے ہمیشہ ان کی عزت کی تھی' احترام کیا تھا ابھی بھی اس کی آواز میں دھیما پن و احترام موجود تھا جب کہ صباحت سراپا نفرت تھیں۔

"اوہ...... محبت......؟ ایسی ہی اس کو تم سے محبت تھی تو کیوں چھوڑ گئی تمہیں یہاں...... ساتھ لے کر جاتی' کیوں تنہا بھاگ گئی؟" ابھی ان کی زہرافشانی جاری ہی رہتی معاً وہاں آتے طغرل کو دیکھ کر ان کا مزاج ایک دم ہی بدلا تھا۔ ماتھے کی شکنیں' لہجے کی آگ غائب ہو گئی تھی۔ پری کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا۔ ان کی نفرت بھری گفتگو اس کے اندر آگ سی لگا چکی تھی' اس آگ کو صرف آنسو ہی ٹھنڈا کر سکتے تھے۔ اس کو نہیں معلوم باپ کی خطا تھی یا ماں کی غلطی' جو ان کا رشتہ ٹوٹنے کا باعث بنی۔ لیکن ان کی کی گئی جانے انجانے کی غلطیوں کا خمیازہ اسے بھگتنا پڑ رہا تھا اور نامعلوم کب تک اسے ان ناکردہ گناہوں کا عذاب برداشت کرنا تھا' وہ اکثر سوچتی تھی۔

"جو لوگ شادی جیسے رشتے کی پاسداری نہیں کرنا جانتے۔ ایک دوسرے کی خامیوں' خوبیوں کو قبول نہیں کرتے تو پھر اولاد پیدا کر کے کیوں ان کو دوسروں کی ٹھوکروں میں پلنے کے لیے چھوڑ دیتے ہیں۔"

"آنٹی! عادلہ کو کہیں جانا ہے' اس نے کال کی ہے؟" اس کو آتے دیکھ کر پری تیزی سے سنک کی طرف بڑھ گئی

تھی تا کہ اس کی آنکھوں میں چھپتی کمی دکھائی نہ دے سکے۔ طغرل نے اس کی اس حرکت کو محسوس کیا تھا۔ سوائے نظر انداز کر کے وہ صباحت سے مخاطب ہوا تھا۔

''اس کے دوست کی سالگرہ ہے۔ ڈرائیور چھٹی کر گیا ہے اور فیاض بھی دیر سے آئیں گے۔ اگر آپ ڈراپ کرآئیں تو فیاض کو اعتراض نہ ہوگا اور وہ تنہا جانے کی اس کو اجازت نہیں دیں گے۔'' ان کے لہجے میں اتنی مٹھاس و نرمی تھی کہ کچھ دیر قبل ان کی آواز سننے والا یقین نہ کر پاتا کہ وہ لہجہ و انداز ان ہی کا تھا۔

''ٹھیک ہے میں تیار ہو کے آتا ہوں۔ عادلہ کو کہیں وہ بھی تیار رہے۔''

''شکریہ بیٹا! تم نے بہت بڑی مشکل حل کر دی ہے۔''

''آپ شکریہ نہ کہیں آنٹی! یہ تو میرا فرض ہے۔'' وہ کہہ کر چلا گیا تھا۔ اس کے جاتے ہی صباحت اپنے سابقہ موڈ میں آگئیں۔ پری نے دو کپوں میں چائے نکالی ٹرے میں کپ رکھ ہی رہی تھی جب خوب نک سک سے تیار ہوئی عادلہ کہتی ہوئی آئی۔

''مما! ٹاپس نہیں مل رہے ہیں میچنگ کے میرے ڈریس کے ساتھ۔'' بولتے ہوئے نگاہ اس کی طرف اٹھی تو وہ اس کے پاس آئی۔

''واہ! یہ ٹاپس کس قدر چمک دے رہے ہیں۔ کیا اصلی ہیرے ہیں؟ تم دو نا مجھے ابھی پہننے کے لیے...... پلیز!'' عادلہ کی فوراً ہی نیت خراب ہوئی تھی۔

''کیا کرو گی لے کر...... ؟ یہ تمہارے سوٹ کے میچنگ کا نہیں ہے۔''

''مما! آپ کو نہیں معلوم ہیرا سب رنگوں پر میچ ہوتا ہے پھر ہیرے پہن کر جو مزہ دکھاوا کرنے میں آتا ہے اس کی بات ہی الگ ہے۔'' پری نے ٹاپس اُتار کر اس کے ہاتھ میں رکھ دیئے تھے۔

''لے لو بھئی! عقل کو یہ نہ سوچے کہ اس عورت کی دی ہوئی چیز سے ہم جل رہے ہیں پھر میں تم میں اور اس میں فرق نہیں رکھتی ہوں نا۔'' صباحت کے انداز میں منافقت تھی۔ پری نے خوشی خوشی اس کو ٹاپس دیئے تھے۔ اس کو اپنی چیزیں بانٹنا اچھا لگتا تھا۔ اس کی چیزیں زیادہ تر عادلہ اور عائزہ استعمال کرتی تھیں۔

''ارے یہ تمہارے ٹاپس کہاں چلے گئے...... ابھی تو تھے؟'' دادی کو اس نے چائے دی تو وہ فوراً کہتی ہوئی گویا ہوئیں۔

''وہ میں نے عادلہ کو دے دیئے ہیں۔ وہ اپنی دوست کی سالگرہ میں گئی ہے۔'' وہ ان کے قریب بیٹھتے ہوئے گویا ہوئی تھی۔

''ارے اتنے قیمتی ٹاپس تُو نے اس کو پکڑا دیئے؟ وہ ایک نمبر کی بے ڈھنگی اور بے پروا لڑکی کسی چیز کو سنبھال نہیں سکتی۔ تُو نے لاکھوں روپے کی مالیت کی چیز پکڑا دی اس حریص لڑکی کو......؟'' دادی ایک دم ہی فکر مند ہو گئیں۔

''آپ فکر مند مت ہوں وہ ایسی نہیں ہے۔''

''مجھ سے زیادہ جانتی ہو تم عادلہ کو......؟ اس کی رگ رگ سے واقف ہوں میں...... ماں کی طرح ہی اس نے حریصانہ و ناشکری طبیعت پائی ہے۔ وہ ٹاپس تمہاری ماں نے تمہیں تحفے میں دیئے تھے۔'' وہ آہستگی سے آخری جملہ کہہ گئی تھیں۔

''دادی جان! مما ایسی نہیں ہیں۔ انہوں نے کبھی بھی یہ نہیں کہا کہ تم اپنی چیز کسی کو نہ دو، وہ تو پوچھتی بھی نہیں ہیں۔''

''ہاں میں جانتی ہوں۔ اگر وہ تم کو منع کرے تم کون سی مان جاؤ گی۔ تم تو ان میں سے ہو جو دوسروں کی خاطر

اپنے پیٹ پر بھی پتھر باندھ لو پھر بھی تمہیں ایسے بے حس لوگوں سے کوئی صلہ ملنے والا نہیں ہے۔'' وہ چائے پیتے ہوئے شفقت بھرے انداز میں کہہ رہی تھیں۔

''صلہ تو اللہ دیتا ہے۔ لوگوں سے امید رکھنا ہی غلط ہے۔''

''تم آگئی ہو تو گھر کیسا روشن روشن ہو گیا ہے ورنہ مجھے تو لگ رہا تھا کسی ویرانے میں پڑی ہوں۔'' باتوں کے دوران وہ گویا ہوئیں۔

''آپ کے لاڈلے طغرل صاحب نے لفٹ نہیں دی آپ کو ان کی موجودگی میں آپ کو گھر ویرانہ لگ رہا تھا دادی جان!''

''وہ لڑکا ہے تیری طرح جو ہیں گھنٹے گھر میں نہیں بیٹھ سکتا بہت ٹائم دیا ہے اس نے...... بہت خیال رکھا ہے مگر آج کل وہ مصروف ہے کمپنی بنانے کے لیے جگہ دیکھنے میں......'' انہوں نے حمایت لیتے ہوئے کہا۔

''ان کو کمپنی بنانے سے زیادہ محبت ہے یا آپ سے......؟''

''یہ بے تکے سوال کیوں کر رہی ہے تُو آخر وجہ کیا ہے؟'' دادی کے تیور بگڑتے دیکھ کر اس نے وہاں سے کھسکنے میں ہی عافیت جانی تھی۔ وہ لاؤنج میں بیٹھی رسالہ پڑھ رہی تھی جب وہ اندر داخل ہوا تھا۔

''ہوں...... آپ تو معذرت کریں گی نہیں امید رکھنا ہی فضول ہے۔'' کافی دیر تک جب پری نے اس کی طرف دیکھا نہیں تو اسے بولنا پڑا۔

''میں بلاوجہ معذرت کرنے کی عادی نہیں ہوں۔'' اس کے لہجے میں از خود ہی کھردرا پن در آیا تھا۔

''بلاوجہ ہی کیا آپ مجھے بوجہ بھی معذرت کرنے کی قائل دکھائی نہیں دیتی ہیں۔'' وہ اس کے سرد مہر بے گانہ رویے کو محسوس کر رہا تھا۔

''جو آپ سمجھیں!'' وہ کہتی ہوئی کھڑی ہوئی۔

''جا کہاں رہی ہو؟ بیٹھو!'' وہ بھی اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ نیلی پینٹ سفید شرٹ میں اس کے وجیہہ چہرے کی سرخیاں نمایاں تھیں۔

''مجھے کام کرنا ہے۔''

''ابھی بیٹھی تم پڑھ رہی تھیں، جب تم کو کام یاد نہیں آ رہا تھا۔ اب میں یہاں آیا ہوں تو تمہیں کام یاد آ گیا ہے؟'' وہ پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے اس سے کہہ رہا تھا۔ ''تمہیں کیا خوف ہے مجھ سے...... کیا ڈر ہے جو میرے سائے سے بھی گریزاں رہتی ہو؟'' وہ اس کے قریب آ کر استفسار کرنے لگا۔ اس کے ملبوس سے پھوٹتی مہک نے اس کو دور ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔

''میں کیوں خوف زدہ ہوں گی آپ سے......؟''

''پھر میرے ساتھ اتنا بُرا رویہ کیوں ہے؟''

''آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ میرا رویہ مناسب ہے۔'' وہ کہہ کر آگے بڑھنا چاہتی تھی تب ہی طغرل نے اس کی کلائی کو اپنے ہاتھ کی گرفت میں لے لیا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ انشاء اللہ)



خوشبو کا سفر

عائشہ نور محمد

عید نمبر عید نمبر عید نمبر عید نمبر عید نمبر عید نمبر

کیا عشق ایک زندگی مستعار کا
کیا عشق پائیدار سے ناپائیدار کا
کر پہلے مجھ کو زندگی جاوداں عطا
پھر ذوق و شوق دیکھ دلِ بے قرار کا

"وہی کروگی جو تم نے اپنی پڑھائی کے لیے کیا تھا؟ شکر کرو سر پیٹرک کا کہ انھوں نے تمہیں صرف اپنے کالج سے نکالا ہے۔ امریکا کے ہر کالج کے لیے پابندی نہیں لگائی ورنہ آج تم گھر بیٹھی ہوتیں اور یہ ہمارا ملک ہے۔ ہمارا شہر ہے۔ یہاں تم لوگوں کو کسی جگہ بھی اپنے مذہب کا نام لینے نہیں دیا جائے گا کیونکہ سب جگہ ہماری ہے اور ہر جگہ ہماری حکومت ہونے والی ہے۔ ان کا ہر مسلمان ہماری طرح جینا پسند کرتا ہے بلکہ بہت سے باشعور تو ہمارا مذہب بھی قبول کر رہے ہیں۔ ہر مسلمان ملک کے لوگ اپنے بچوں کو ہمارے اسکول کالج میں پڑھانا باعث فخر سمجھتے ہیں۔ ہر شخص پیسہ کمانے کے لیے یہاں آنا پسند کرتا ہے۔ مسلمان ہر طرح سے ہماری تقلید کر رہے ہیں۔ تم خود بتاؤ۔ مسلمان ممالک میں ہمارے جیسے لباس والے زیادہ ہوتے ہیں یا تمہارے جیسے شلوار والے؟ داڑھی وہ چیز ہے جو مسلمانوں سے الگ کرتی ہے۔ آج تم ایک عیسائی اور مسلم میں فوراً فرق نہیں کر سکتیں کیونکہ اکثریت داڑھی نہیں رکھتی۔ پہلے تم اپنے مسلمانوں کو اپنی صحیح تعلیم سے آگاہ کرو پھر ہم تک آؤ۔"

"اسٹارک!" قادر نے اسے روکنا چاہا تھا۔

"پہلے خود کو صحیح کرو پھر ہمیں بتاؤ کہ ہم غلط ہیں یا صحیح......" وہ لب بھینچے اسٹارک کو دیکھ رہی تھی۔ اس میں اور اسٹارک میں بہت سی قدریں مشترک تھیں۔ وہ دونوں کبھی جھوٹ نہیں بولتے تھے۔ وہ اپنے حصے کا سچ بول چکی تھی جو اسٹارک کے لیے زہر تھا تو اسٹارک بھی سچ بول رہا تھا جو اس کے لیے زہر تھا۔ اس لیے اسے اسٹارک سے نہیں، اپنے آپ سے نفرت محسوس ہوئی تھی۔

"چلی جاؤ۔" اسٹارک نے دروازہ کی طرف اشارہ کیا تھا۔ وہ خاموشی سے دروازہ کی طرف بڑھ گئی۔ آتے ہوئے وہ شدید غصہ کی لپیٹ میں تھی۔ جاتے

ہوئے اس کا ذہن بالکل سن تھا۔

"کیا ہو گیا ہے ہم مسلمانوں کو..... اسلام جیسا عظیم دین ہمارا ہے۔ حضور پرنورؐ کے امتی ہو کر رب عزوجل کی صحیح پہچان ہونے کے باوجود ہم کیوں ان لوگوں کی تقلید کرتے ہیں جو ہمارے دین ہمارے نبی ﷺ، ہمارے خدا عزوجل کے دشمن ہیں۔ کیوں ہم لوگ اتنے گر گئے ہیں؟ یارب! تو ہم مسلمانوں پر رحم فرما۔ یہ ہمارے گناہوں کا نتیجہ ہے کہ آج وہ لوگ بظاہر ہم سے آگے ہیں۔" وہ سڑک پر آ کر بے اختیار رونے لگی۔ اس وقت اسے اپنے آپ سے نفرت ہو رہی تھی جس نے اپنی زندگی کا بہت سارا حصہ ان ہی لوگوں کی طرح گزارا تھا اور ان لوگوں پر بھی غصہ آ رہا تھا جو ان لوگوں کی طرح جینے کو ترقی کہتے تھے۔ جب سے وہ اسلام سے متعارف ہوئی تھی تب سے اسے اسلامی ممالک کی بھی خبریں ملنے لگیں تھیں۔ کوئی ایک اسلامی ملک ایسا نہ تھا جہاں اسلامی شریعت قانون ہو۔ اسلامی قانون کا عام مسلمانوں کو علم تک نہ تھا حتیٰ کہ سعودی عرب کے قانون کے بھی بہت سے مسلمان خلاف تھے جو کہ "اسلامی قانون" تھا۔ یہ ان کی بے عملی کا ہی نتیجہ تھا کہ آج وہ بظاہر پیچھے تھے۔

❀❀❀❀❀❀

"ہم پاکستان جا رہے ہیں۔" سعد کی ایک ماہ بعد اسپتال سے چھٹی ہوئی۔ اس کے زخم بہت گہرے تھے۔ کئی دن تو اس کے بدن کو کلپ کر کے رکھا گیا تھا۔ اس ایک ماہ میں ان کے بابا نے پاکستان جانے کے تمام انتظامات کر لیے تھے اور اب پندرہ دن بعد وہ لوگ پاکستان جا رہے تھے۔

"وہاں جا کر مجھے اپنے رابطہ نمبرز بھیجنا۔" اس نے کہا تو اسد مسکرایا۔ اس نے سعد کو دیکھا۔

"سعد کو کیا ہوا؟ اس کا منہ کیوں پھولا ہوا ہے؟" وہ چونک گئی۔

"وہی مرغے کی ایک ٹانگ۔" اسد بڑبڑایا۔

"آپی! میں یہاں سے جانا نہیں چاہتا۔ میں یہاں رہ کر دین اسلام کی تبلیغ کرنا چاہتا ہوں......"

"کافروں کو مسلمان کرنے سے زیادہ ضروری یہ ہے کہ مسلمانوں میں اسلام کی صحیح تبلیغ کی جائے۔ انہیں بتایا جائے کہ اللہ عزوجل کا حکم ہے یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ۔ یہ تمہارے کھلے دشمن ہیں۔" اس نے سعد کی بات کاٹ دی تو سعد چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ "یہ لوگ کہتے ہیں ہم ان کی تقلید کرتے ہیں تو یہ لوگ غلط نہیں کہتے ہیں سعد!" اس نے اسٹارک کی باتیں پوری تفصیل کے ساتھ ان دونوں کو بتائیں۔ وہ دونوں دم بخود اسے دیکھے گئے۔

"سعد! مسلمان اگر سچے مسلمان بن جائیں تو کافروں کو مسلمان کرنے کی ضرورت ہی نہ رہے گی۔ لوگ خود ہی جوق در جوق اسلام قبول کرنے لگیں گے۔ نبی ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا دور سچے مسلمانوں کا دور تھا۔ کافر خود آ کر مسلمان ہو جاتا تھا۔ آج بھی اگر ایسے ہی مسلمان ہو جائیں تو اسلام دین اسی طرح پھیلے گا جس طرح صحابہ کے دور میں پھیلا تھا۔ آج بھی مسلمانوں کو وہی برتری حاصل ہو جائے جو اس دور میں تھی۔ بس مسلمانوں کو اپنی بے عملی دور کرنی ہوگی اور انہیں جگانے کے لیے تم جیسے مسلمانوں کو اٹھنا ہوگا۔"

"سعد! آپی ٹھیک کہہ رہی ہیں، ہمیں مسلمانوں کو یہ احساس دلانے کی ضرورت ہے کہ ہم کیا تھے اور ہم کیا کر رہے ہیں؟" اسد یک دم بولا۔

"لیکن میں اکیلا تو ان کو احساس نہیں دلا سکتا نا!" اس نے کچھ ہچکچا کر کہا۔

"تم اکیلے سب کو مسلمان بھی نہیں کر سکتے!" اسد نے فوراً جواب دیا تو سعد چپ ہو گیا۔

"تم ایک کو مسلمان کرو گے۔ ایک مسلمان کو عالم بنا دو۔ ایک عالم ہزاروں کو مسلمان کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔" اس نے مسکرا کر کہا اور سعد ایک گہرا سانس لے کر مسکرا دیا۔

"تمہارے امی بابا ان دنوں کتنے پریشان رہے ہیں۔ ان کی بھی پریشانی ختم ہو جائے گی۔"

"آپ ہم سے رابطہ رکھیں گی نا!" سعد نے پوچھا تھا۔ یعنی وہ جانے کے لیے راضی تھا۔

"ضرور، کیوں نہیں۔" وہ مسکرائی۔

"ہمارے لیے بھی دعا کیجیے گا کہ ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں۔" اسد نے کہا۔

"تم بھی میرے لیے دعا کرنا، مجھے بھی ایسا عشق رسول ﷺ عطا ہو جائے جو میرے لیے جنت میں جانے کا سبب بن سکے۔"

"آمین!" سعد مسکرا دیا پھر پندرہ دن بعد وہ لوگ پاکستان چلے گئے۔ وہاں سے انہوں نے اپنا رابطہ نمبر بھیجا تھا۔ اس کا قرآن پاک ادھورا تھا اس کے لیے اس نے اسلامک سینٹر جانا شروع کر دیا۔ ترجمہ و تفسیر کے ساتھ قرآن پڑھنے کے علاوہ وہ دوسرے مذاہب کو بھی اسٹڈی کرنے لگی اور اس کے لیے انکشافات کا دور تھا۔ مذہب اسلام سب سے سچا ہے۔

دو سال کیسے گزرے، پتا ہی نہ چلا تھا۔ وہ بائیس سال کی ہو چکی تھی۔ ایلش یعنی مارگریٹ نے اسٹارک سے شادی کر لی تھی۔ اسٹارک کی والدہ کی وفات ہو گئی تھی۔

❀❀❀❀❀❀

"میرا معاہدہ ختم ہونے میں تین ماہ باقی ہیں۔ میں سوچ رہا ہوں کہ نیا معاہدہ کرنے کے بجائے ہم پاکستان چلے جائیں۔" پاپا نے کہا تو وہ اور ماما چونک گئیں۔ "تم دونوں کو کوئی اعتراض تو نہیں ہے؟"

"مجھے تو کوئی اعتراض نہیں ہے، آپ کرن سے پوچھ لیں۔" ماما نے فوراً کہا تو پاپا اسے دیکھنے لگے۔

"مجھے اعتراض تو کوئی نہیں ہے لیکن میری ایک شرط ہے۔"

"کیسی شرط؟"

"ہم سعد کے گھر کے قریب گھر لیں گے۔"

"مگر ہمارا گھر وہاں موجود ہے۔" ماما نے کہا تھا۔

"جی مگر تیس سال سے صرف آپ کے بھائی وہاں رہتے ہیں اور مجھے اچھا نہیں لگے گا کہ اب جا کر ہم بھی حق دار بن جائیں۔ ان لوگوں کی زندگی کو اپ سیٹ کرنے کی بجائے ہمیں اپنا الگ سیٹ اپ کرنا ہے۔"

"او کے شہزادی صاحبہ! شرط قبول کی جاتی ہے۔" پاپا نے کہا تو وہ ہنس دی۔

"ایسا کریں ہم لوگ سعد... میں پہلے چلی جاتی ہوں تاکہ گھر سیٹ کر لوں پھر آپ دونوں آ جانا تو ہمیں کسی قسم کی پریشانی نہیں ہوگی۔" ماما نے کہا تھا۔

"یہ تو اور بھی اچھی بات ہے، ہم سیدھے اپنے گھر جائیں گے ورنہ تو کسی اور کے گھر جا کر رہنا پڑتا۔" پھر اس کے بعد ماما نے پورا مہینہ شاپنگ میں گزارا اور پاپا ان کے پاسپورٹ اور ویزے کی تیاری میں مصروف رہے۔ ماما کے جانے میں ایک ہفتہ باقی تھا۔ ماما کی فلائٹ کی تاریخ اکتیس اکتوبر تھی۔

❀❀❀❀❀❀

"اوہو۔" باہر برف باری ہو رہی تھی۔ وہ اس وقت اسلامک سینٹر سے واپس آ رہی تھی کہ اس کی کار اچانک بند ہو گئی۔ اس نے اگلی نشست سے اپنا اوور کوٹ اٹھا کر پہنا۔ پچھلی سیٹ سے اپنا گول ہیٹ اٹھا کر سر پر رکھا اور اتر کر گاڑی مقفل کر دی تھی۔ ماما کو گئے آج پانچواں دن تھا۔ وہاں پہنچنے کے دو گھنٹے بعد ماما نے فون کر کے خیریت کی اطلاع دی تھی۔ وہ تایا جی کے گھر قیام پذیر تھیں چونکہ ماما اور پاپا آپس میں کزن بھی تھے اس لیے ماما کا میکہ اور سسرال تایا جی کا گھر اکٹھا تھا اور ماما نے یہ بھی بتایا تھا کہ سعد اور اسد کا گھر اسی علاقے میں ہے۔ سعد اور اسد کا فون آیا تھا۔ وہ دونوں بے حد خوش تھے کہ اب وہ بھی وہاں آنے والی ہے۔

"معاف کیجیے گا مس! آپ دنیا میں تو ہیں نا!" یکدم کوئی اس کے سامنے آیا تو وہ چونک گئی جبکہ وہ اس سے یہ کہہ کر واپس مڑ چکا تھا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا وہ اب اپنی کار میں بیٹھ رہا تھا جو کہ چند قدم کے فاصلے پر تھی۔

"کیا مطلب..... میں کوئی سڑک پر تو نہیں چل رہی تھی جو یہ شخص اس طرح مجھے کہہ کر گیا؟" وہ حیرت زدہ کھڑی رہ گئی تبھی اس نے کار اس کے قریب لا کر روکی اور

اگلا دروازہ کھول دیا۔ ”آئیں میں ڈراپ کر دوں۔“

”کہاں؟“ وہ ہونق ہو کر اس کی شکل دیکھنے لگی۔

”آپ کے گھر۔“ حیرت سے اس کی آنکھیں پھیل گئیں کیونکہ وہ اس شخص کو قطعی نہیں جانتی تھی اور وہ یوں محو گفتگو تھا جیسے کافی جان پہچان ہو۔

”میں نے آپ کو ہارن سے متوجہ کرنا چاہا مگر آپ نے نہیں سنا پھر میں اتر کر آپ کے پیچھے آیا اور سنیے سنیے کہتا رہا پھر مجھے احساس ہوا کہ آپ اس دنیا میں نہیں ہیں تو مجبوراً مجھے آپ کے آگے آنا پڑا۔ اب پلیز آئیں۔ برف باری میں بھیگ رہی ہیں۔“

”میں آپ کو نہیں جانتی تو......“

”میں بھی آپ کو نہیں جانتا لیکن اتنی شدید برف باری میں آپ پیدل چل رہی ہیں تو میں نے سوچا آپ کو لفٹ دے دی جائے۔“

”یہاں اتنے لوگ پیدل چل رہے ہیں۔ ان میں سے کسی کو لفٹ دے دیں۔“

”مگر ان کی گاڑی تو خراب نہیں ہوئی ہے۔“ وہ اس کی بات پر چونک گئی۔ ”اور نہ ہی وہ سب لوگ اس علاقے میں رہتے ہیں جہاں میں رہتا ہوں۔“

”آپ جانسن ٹاؤن میں رہتے ہیں؟“

”بیٹھ جائیں۔ باقی باتیں راستے میں ہو جائیں گی۔ گاڑی کا دروازہ کھلا ہونے کے باعث بہت ٹھنڈ لگ رہی ہے۔“ اس نے کہا تو وہ گہرا سانس لے کر بیٹھ گئی تھی۔

”میرا نام ایڈولف ایڈگر ہے۔“ اس نے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا۔

”میرا نام کرن حیدر ہے اور میں مسلمان ہوں۔ لڑکوں سے ہاتھ نہیں ملاتی۔“

”بنیاد پرست ہیں آپ!“ اس نے چونک کر اس لڑکے کو دیکھا جو یقیناً پچیس سال کا ہوگا اور اس کا اندازہ کبھی غلط نہیں ہوتا تھا۔ اس نے کار اسٹارٹ کر دی تھی۔

”آپ کو بنیاد پرست کا مطلب پتا ہے؟“

”ہاں...... بنیاد پرست وہ شخص ہے جو [illegible] مذہب کے اصولوں پر کاربند ہو۔“

”پہلا غیر مسلم دیکھ رہی ہوں جس نے سچ بولا ہے۔“

”کیا مطلب؟“ وہ چونکا۔

”شاید آپ جانتے نہیں، بنیاد پرست آج کل مسلم دہشت گرد کو کہا جا رہا ہے حالانکہ دہشت گردی کا شکار مسلمان ہیں لیکن بین الاقوامی میڈیا انہیں بنیاد پرست یعنی دہشت گرد ثابت کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔“

”لیکن میں نہیں سمجھتا دہشت گردی کسی خاص مذہب سے وابستہ ہے، اس میں ہر طرح کے اور ہر مذہب کے لوگ ہیں۔ دہشت گرد اسی لیے ہوتے ہیں کہ جب لوگوں کو انصاف نہیں ملتا تو لوگ کیا کریں......؟ وہ اس نظام سے متنفر ہو جاتے ہیں، پھر ہتھیار اٹھا لیتے ہیں۔“

”اور مسلمان اس میں اقلیت کی حیثیت رکھتے ہیں۔ بنیاد پرست ہونے کے لیے صحیح سمت کا تعین ضروری ہے اور اسلام بالکل سیدھا راستہ ہے۔ ہمارا رب عزوجل فرماتا ہے۔“

”اے مومنو! اسلام میں پوری طرح داخل ہو جاؤ اور شیطان کے راستے پر نہ چلو۔ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔“

”ہمارے مذہب میں یہ بات نہیں ہے کہ جو بات آپ کی من پسند ہو اسے اپنا لیں یعنی جس پر دل [illegible] ہوا اسے چھوڑ دیا اور ایک مسلم بنیاد پرست کبھی دہشت گرد ہو ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ اسلام دہشت گردی کی شدید مذمت کرتا ہے۔“ وہ اسے سنتا رہا [illegible] بولا۔ اس کا علاقہ شروع ہوا تو اس نے [illegible] کی سمت اس کی رہنمائی کی۔

”آپ کو کیسے پتا چلا کہ میں اس علاقہ میں رہتی ہوں۔“ اس نے اس کی طرف دیکھا تھا۔

”میں [illegible] وقت چہل قدمی کرنے جاتا ہوں، اس وقت بہت کم لوگ ہوتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ چار پانچ لوگ۔“

”فجر کے بعد......؟“

”کس کے بعد......؟“ وہ چونکا۔

”یہ ہماری نماز کا وقت ہے، ہم اس لیے جاگتے ہیں

اور ان چار پانچ میں بھی سب مسلمان ہوتے ہیں۔ کیونکہ فجر کے بعد وہ مسجدوں سے گھر جا رہے ہوتے ہیں۔“ اس نے تفصیل بتائی۔

”او اچھا!“ اس کا گھر آ گیا تھا۔ اس نے گاڑی روکنے کا اشارہ کیا۔

”او کے بائے۔“ اس نے اترتے ہوئے کہا تو وہ بھی اتر گیا۔ اس نے چونک کر اسے دیکھا۔

”پاپا ہوتے تو میں ضرور آپ کو کافی پلاتی مگر اس وقت معذرت چاہتی ہوں۔“ اس نے شائستہ الفاظ میں اسے بتایا کہ وہ اسے اندر نہیں بلائے گی مگر اس کے باوجود اس نے گاڑی مقفل کر دی۔ وہ حیران ہوئی۔ وہ بنا کچھ کہے آگے بڑھا اور اس نے سامنے والے دروازے کی گھنٹی بجا دی۔

”وہ میرا گھر نہیں ہے۔“ وہ بے اختیار بولی۔

”یہ میرا گھر ہے۔“ وہ مسکرایا تو وہ بے اختیار قریب چلی آئی۔

”مگر یہ تو مسٹر اینڈ مسز انتھونی کا گھر ہے؟“

”وہ میرے آنٹی انکل ہیں۔“ اسی لمحے آنٹی سیبکا نے دروازہ کھول دیا۔ وہ اندر داخل ہو گیا۔

”ارے کیرن! کیسی ہو؟“

”ٹھیک ہوں۔“ وہ مسکرا دی۔

”اندر آؤ۔ کہاں برف باری میں بھیگ رہی ہو۔“

”پھر آؤں گی۔“

”نہیں بھئی اندر آؤ۔ تمہارے انکل کو پتا چلا کہ تم دروازے سے ہی چلی گئی ہو تو فوراً کہہ دیں گے تم مجھ سے بہت پیار کرتی ہو۔“ وہ مسکرا کر اندر آ گئی۔ ان کے آپس میں بہت دیرینہ تعلقات تھے۔ ماما جو بھی چیز پکواتی تھیں۔ ان کے گھر ضرور بھیجتی تھیں اور وہ بھی اکثر سویٹ ڈشیز بنا کر اس کے لیے لے آتی تھیں کیونکہ وہ میٹھا بہت شوق سے کھاتی تھی۔ اندر پہنچ کر اس نے اپنا ہیٹ اتار دیا تھا البتہ اسکارف پہنے رہی کیونکہ وہ گیلا نہیں ہوا تھا۔

”اور کوٹ اتار کر آتش دان کے آگے بیٹھ جاؤ۔ میں کافی لاتی ہوں۔“

”ارے آنٹی! نہیں......“

”ہاں آنٹی! [illegible] مزے کی ڈشیز بنا کر لا دیتی ہو اور انکل کو کافی سے بھی محروم کر دو۔“ انکل آ گئے تھے۔

”میں نے کب کافی سے محروم کر دیا؟ میں بھی نہیں انکل!“ وہ چونک کر انہیں دیکھنے لگی۔

”[illegible] کوئی آتا ہے جبھی ہمیں کافی ملتی ہے۔ اب موقع اچھا ہے۔ تم آئی ہو تو کافی مل جائے گی مگر تم ہو کہ بغیر کافی پیے جا رہی ہو؟“ وہ مصنوعی خفگی سے بولے تھے۔

”شرم کریں۔ جب کہتے ہیں جبھی کافی تیار کرتی ہوں میں آپ کے لیے پھر بھی برائی کرتے ہیں۔“ آنٹی نے گھورا۔

”شکر کریں آپ کی برائی کرتے ہیں۔“ وہ کپڑے بدل کر آ گیا تھا۔

”شکر کروں؟“ انہوں نے حیران ہو کر اسے دیکھا تھا۔

”آپ کی برائی کرتے ہیں تبھی آپ کی بات کرتے ہیں۔ سوچیں اگر کسی اور خاتون کی باتیں کرتے تو آپ کو اچھا لگتا۔“ اس کی بات پر انکل کھلکھلا کر ہنسے اور آنٹی مصنوعی خفگی سے دیکھنے لگی تھیں۔

”کیرن! یہ میرا بھانجا ہے۔ مگر جب سے آیا ہے انکل کی چمچا گیری کر رہا ہے۔“ وہ اس کی طرف مڑی تھیں۔

”بچہ حق بول رہا ہے تو تمہیں چمچہ گیری لگ رہی ہے؟“ انکل نے کہا تو آنٹی کھڑی ہو گئیں۔ وہ بھی مسکرا کر ان کے پیچھے کچن میں آ گئی۔ اس کی آنٹی سے بہت بنتی تھی۔ اس لیے انکل اس سے اکثر شکوہ کرتے تھے کہ اسے آنٹی بہت عزیز ہیں۔

”پتا ہے کیرن! جب سے ایڈی آیا ہے گھر میں۔ جیسے کوئی بہار آ گئی ہے۔ تمہارے انکل اور میں اس کے آنے سے بہت خوش ہیں۔ آفس سے آنے کے بعد سارا وقت ہم لوگوں کے ساتھ گزارتا ہے۔ میری بہن بہت خوش نصیب ہے کہ اسے ایڈی جیسی اولاد ملی ہے۔ روز یہاں سے جرمنی اپنی ماں باپ کو فون کرتا ہے اور جمعہ کو

دیکھو اسی شہر میں ہو کر سال سال بھر ملنے نہیں آتا۔" اپنے بیٹے کے ذکر پر وہ افسردہ ہو گئیں۔

"یہ یہاں کب آئے ہیں آنٹی!" اسے اس بات کی حیرت تھی کہ ان کے گھر آنے والے مہمان کی کیوں خبر نہ ہوئی۔

"پرسوں رات کو آیا ہے حالانکہ اس شہر میں پچھلے دو ماہ سے ہے۔ اصل میں یہ ایک کمپنی میں جاب کرتا ہے۔ جرمنی سے ان لوگوں نے اسے یہاں بھیجا ہے۔ یہاں ایک فلیٹ میں رہ رہا تھا۔ لیکن اسے عادت نہیں ہے نا فلیٹوں میں رہنے کی تو اکتا گیا۔ پھر یہاں آیا تو اس کا دل لگ گیا۔ ہم لوگوں نے بھی اسے روک لیا۔ کل جا کر اپنا سامان لے آیا۔ اب جب تک اس شہر میں ہے ہمارے ساتھ رہے گا۔" انہوں نے تفصیل بتائی پھر کافی پی کر وہ گھر آ گئی تھی۔ ایک ہفتہ بعد ماما کا فون آیا تو انہوں نے بتایا کہ انہوں نے ایک گھر پسند کر لیا ہے اور دو ایک دن میں ادائیگی کر دیں گی۔ اس کی بھی تایا جی سے بات ہوئی۔ ماما تو ان سب کی بہت تعریف کر رہی تھیں۔

❀❀❀❀❀❀

"گھر اتنی جلدی مل گیا؟" صبح اس نے پاپا کو بتایا تو وہ حیران ہوئے۔

"کہہ رہی تھیں کہ طلحہ کی کوششوں سے تایا جی کے علاقے میں ہی گھر مل گیا ہے۔" تایا جی کے تین بچے تھے۔ رابیل، طلحہ اور ماہا۔ رابیل کی شادی ہو گئی تھی۔ پھوپو کے بھی تین بچے تھے۔ دو بیٹے اور ایک بیٹی۔ ماما ہر دوسرے دن فون کر کے گھر کی سیٹنگ کے متعلق اطلاع کرتی رہتی تھیں۔ سب لوگوں کی بھی بے حد تعریف ہوتی لیکن سب سے زیادہ ذکر جس کا تھا وہ "طلحہ نیازی" تھا۔ اس کے تایا جی کا بیٹا۔ ماما اس کی بے حد تعریف کرتی تھیں۔ پاپا کے ساتھ اس نے بھی اپنی پیکنگ شروع کر دی تھی۔ پاپا نے اس گھر کو بیچنے کے لیے ایجنسی والوں سے کہہ دیا تھا۔ اس روز وہ اسلامک سینٹر سے گھر لوٹی تو اس کا اسٹارک سے سامنا ہو گیا۔

"کیسی ہو؟" اس نے اس کا راستہ روکا۔ اس نے جواب دینا ضروری نہیں سمجھا تھا۔ وہ برابر سے نکل کر آگے بڑھنے لگی۔

"اے مسلم سنو! تمہاری مسلم کمیونٹی سے ایک عورت نے اپنے شوہر سے طلاق لے کر ایک عیسائی سے شادی کر لی ہے۔" وہ چونک کر پلٹی تھی۔ "مان لو یار کہ عیسائیت سچا مذہب ہے جبھی تو لوگ اس میں داخل ہو رہے ہیں۔" اس نے مٹھیاں بھینچ لیں۔ پتا نہیں کیا ہوتا جا رہا تھا مسلمانوں کو۔ اسٹارک مسکراتا ہوا آگے بڑھ گیا تھا اور وہ گھر کی سیڑھیوں پر ہی بیٹھ گئی۔

"ایسا وہ مسلمان کرتے ہیں جو اپنے دین سے قطعی بے بہرہ ہوتے ہیں اور نام اسلام کا بدنام ہو رہا تھا۔ اچھا ہے ماما پاپا نے یہاں سے واپس جانے کا فیصلہ کر لیا ہے، مسلمان ممالک میں کچھ بھی ہو مگر ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔"

"معاف کیجیے گا مس! آپ دنیا میں تو ہیں نا؟" اس نے چونک کر سر اٹھایا، کوئی شرارت سے کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔

"ویسے آپ کیا سوچ رہی تھیں؟" وہ نیچے والی سیڑھی پر بیٹھ گیا تھا۔

"کچھ بھی نہیں۔"

"نہیں بتانا تو الگ بات ہے لیکن آپ کچھ تو سوچ رہی تھیں اور جسے سوچ رہی تھیں۔ اسے آپ ناپسند کرتی ہیں۔"

"آپ کو کیسے پتا چلا؟" وہ حیران ہوئی۔

"کیونکہ آپ کے چہرے پر بے حد خفگی کے تاثرات تھے۔ یقیناً کسی پر غصہ آ رہا ہے۔" وہ چپ رہی۔

"ایسے لوگوں کو زیادہ مت سوچا کریں جسے آپ پسند نہیں کرتیں کیوں کہ اسے زیادہ سوچنے سے آپ اس سے نفرت کرنے لگیں گی اور نفرت ایک خطرناک بیماری ہے۔" وہ رکا تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس وقت اس کا کچھ بھی بولنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔ وہ اسے خاموشی سے دیکھتا رہا۔ وہ گھر میں جب تک گھس نہ گئی۔

دوسرے دن صبح وہ فجر کے وقت چہل قدمی کے لیے آئی۔ ماما کے بعد وہ تین بار ہی چہل قدمی کے لیے آ سکی تھی۔ اب وہ اکثر شام کے وقت آتی تھی۔ موبائل فون کی بپ پر وہ یک دم چونکی، اسکرین پر "سعد کالنگ" دیکھ کر اس کے لب مسکرا دیے۔

"السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔" سعد نے فوراً کہا۔

"وعلیکم السلام ورحمتہ وبرکاتہ، ومغفرۃ اللہ۔"

"ماشاء اللہ۔" سعد نے کہا تو وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ سلام میں ایک لفظ زیادہ کہنے پر سعد نے ماشاء اللہ کہا ہے۔ "کیسی ہیں آپ؟"

"بالکل ٹھیک اور تم سناؤ۔"

"میں بھی ٹھیک ہوں۔ آپ یقیناً واک کر رہی ہیں۔"

"تمہیں کیسے پتا چلا؟" وہ مسکرائی۔

"امریکا کی ٹھنڈی ٹھنڈی صبح کی خوشبو آ رہی ہے۔" اس نے عجیب سے انداز سے کہا کہ وہ ہنس پڑی۔ "کب آ رہی ہیں آپ؟"

"ان شاء اللہ بہت جلد۔" اس نے جواب دیا پھر دو چار باتیں کرنے کے بعد سعد نے فون بند کر دیا لیکن اس سے بات کر کے اس کا موڈ بہت خوشگوار ہو گیا تھا۔

"ہائے۔ چہل قدمی ہو رہی ہے؟"

"افوہ، یہ آپ اچانک کیسے نمودار ہو جاتے ہیں؟" وہ ڈر ہی تو گئی تھی۔

"محترمہ! آپ کو ہی اردگرد سے بے خبر رہنے کی عادت ہے۔ میں گھر سے آپ کے پیچھے تھا۔ ویسے اس وقت کس سوچ میں تھیں آپ؟"

"جسے سوچ رہی تھی اسے ناپسند نہیں کرتی۔" وہ یک دم بولی۔ ہنس دیا۔

"اسے سوچا جائے جسے ہم پسند کرتے ہیں تو ہمیں اس سے محبت ہو جاتی ہے۔"

"میں اس منطق کو نہیں مانتی۔ ہم بہت سی چیزیں پسند کرتے ہیں۔ مثلاً کپڑے، کھانے، گھر کی دیگر چیزیں مگر ان سے محبت نہیں کرتے۔" اس نے منہ بنایا تھا۔

"محترمہ! میں نے سوچنے کی پابندی بھی عائد کی ہے۔ ان تمام چیزوں کو آپ سوچتی نہیں ہوں گی۔" وہ مسکرایا۔

"میں پھر بھی اس بات کو نہیں مانتی۔"

"میں نے زبردستی تو نہیں کی آپ پر کہ میں جو چیز مانتا ہوں آپ بھی اسے مانیں۔" اس کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔ "آپ لوگ اپنا گھر کیوں بیچ رہے ہیں؟"

"آپ کو کس نے بتایا؟" وہ چونک گئی۔

"میں نے اسٹیٹ بروکر سے رابطہ کیا تھا ایک گھر کے لیے، اس نے مجھے آپ کے ہی گھر کے متعلق بتا دیا۔"

"ہم لوگ پاکستان منتقل ہو رہے ہیں تو بس اسی وجہ سے گھر بیچ رہے ہیں، ماما تو چلی بھی گئی ہیں، اگلے مہینے ہم بھی چلے جائیں گے۔"

"چلیں پھر میں وہی گھر خرید لیتا ہوں، آنٹی انکل کے پاس بھی ہو جائیں گے ماما پاپا۔" وہ اپنے آپ سے ہی بولا تھا۔

"آپ کے ماما پاپا بھی یہاں آ رہے ہیں؟" وہ چونک گئی۔

"ہاں میرے پاپا ریٹائر ہونے والے ہیں۔ جیسے آپ کا آبائی وطن پاکستان ہے، ایسے ہی ہمارا آبائی وطن امریکا ہے۔ سارے عزیز یہیں ہیں تو ماما پاپا کا یہیں سیٹل ہونے کا ارادہ ہے۔" اس نے مسکرا کر بتایا۔ وہ بھی مسکرا دی۔

"آپ کیوں نہیں گئیں اپنی ماما کے ساتھ......؟" کچھ دیر بعد اس نے پوچھا۔ اب ان دونوں نے واپسی کا سفر شروع کر دیا تھا۔

"میرے کچھ کورسز باقی ہیں۔ اس مہینے کے آخر میں وہ ختم ہو جائیں گے پھر اگلے ماہ میں پاپا کے ساتھ چلی جاؤں گی۔" وہ محض سر ہلا کر رہ گیا تھا۔ اسی رات ماما کا فون آیا۔

"حیدر! ماہا کا ایک رشتہ آیا ہے۔ بات سمجھیں طے ہو گئی ہے۔"

"چلو بھائی بھابی کو میری طرف سے مبارک باد دینا۔"

"لیکن وہ آپ سے صرف مبارک باد نہیں چاہتے ہیں۔"

"پھر کیا چاہتے ہیں؟"

"کرن۔"

"کرن؟" وہ چونک گئے کیونکہ وہ سمجھے تھے کہ جہیز کی کوئی چیز چاہیے ہوگی۔

"جی ہاں! اصل میں سب لوگ بھابی کے پیچھے پڑ گئے تھے کہ اب وہ طلحہ کے لیے بھی رشتہ تلاش کریں تو انہوں نے کہا کہ لڑکی انہوں نے دیکھ لی ہے پھر وہ یک دم میری طرف مڑیں اور کہنے لگیں کہ سارہ میں کرن کو اپنی بہو بنانا چاہتی ہوں۔ میں تو حیران رہ گئی۔ حیدر مجھے طلحہ بہت بہت پسند ہے مگر میں نے اس طرح اس کے متعلق نہیں سوچا تھا پر مجھے خوشی ہو رہی ہے۔ یہ رشتہ طے ہو جائے تو میری خوش نصیبی ہوگی۔ طلحہ بہت اچھا لڑکا ہے۔ بے حد حساس اور خیال رکھنے والا۔ میری کرن بہت خوش قسمت ہے حیدر کہ پہلا رشتہ آیا تو وہ بھی ایسے لڑکے کا۔"

وہ بے حد خوش تھیں۔

"لیکن انہوں نے کرن کو دیکھا ہی نہیں......"

"دیکھا کیسے نہیں ہے، میں اتنی ساری تصویریں لائی ہوں اس کی اور آپ کی۔"

"مگر بنا ملے، بنا جانے آپ سے چند باتیں سن کر ہی انہوں نے یہ فیصلہ کیا ہے۔"

"ارے نہیں حیدر! انہیں کرن کے بارے میں چند باتیں میں نے نہیں سعد اور اسد نے بتائی ہیں خاص کر میرے یہاں آنے سے پہلے ہونے والا واقعہ، بس اسے سن کر ہی بھابی نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ انہیں اپنی بہو کی صورت میں ایسی ہی لڑکی چاہیے جو ان کی نسل کو سچا مسلمان بنا دے۔ حیدر پلیز مان جائیں۔ طلحہ بہت اچھا لڑکا ہے۔"

"چلیں مان جاتا ہوں لیکن کرن......؟"

"کیا مطلب......؟" وہ چونکیں۔

"ممکن ہے اس نے اس حوالے سے کچھ سوچ رکھا ہو، اسے کوئی پسند ہو۔" انہوں نے کہا تو وہ چپ سی ہو گئیں۔

"آپ اسے بلائیں، میں بات کرتی ہوں۔" چند لمحوں بعد انہوں نے کہا تھا۔

"یہیں بیٹھی ہے سامنے میرے اور آپ کی آواز سن رہی ہے۔" پاپا نے کہہ کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

"السلام علیکم ماما!" اس نے مسکراتے ہوئے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام کیسی ہو جان!"

"ٹھیک ہوں، آپ کیسی ہیں؟"

"میں بھی ٹھیک ہوں، اب تم مجھے بتاؤ تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہے، تم کسی کو پسند تو نہیں کرتی ہو؟"

"آپ نے طلحہ صاحب کی اتنی تعریفیں کر دی ہیں اور آپ کی اتنی خوشی دیکھ کر اگر کوئی اعتراض تھا تو وہ بھی ختم ہو چکا ہے اور دوسری بات کسی کو پسند کرنے کی تو ماما جی میں کسی کو پسند نہیں کرتی۔ بڑی مصروف زندگی گزار رہی ہوں، ان سب کے لیے وقت نہیں ملتا۔" وہ شرارت سے بولی تھی۔ پاپا مسکرا دیے۔

"اعتراض کیا تھا؟" وہ اپنی مکمل تسلی کر لینا چاہتی تھیں۔

"اعتراض تو کوئی نہیں بس فی الحال شادی کا ارادہ نہیں ہے، وہاں آ کر میں ایک اسکول کھولنا چاہتی ہوں جہاں بچوں کو دینی اور دنیاوی دونوں تعلیم اس طرح دی جائیں کہ ان کے لیے ہمیشہ دین بھاری رہے۔ ان کے اندر جذبہ پیدا ہو کہ دنیا چھوڑ دینی ہے لیکن دین نہیں۔"

"جو تمہارا دل کرے گا سب تمہارا ساتھ دیں گے تم فکر نہ کرو۔ طلحہ بہت اچھا ہے۔" وہ مسکرا دی تھیں۔ پاپا نے اسے بغور دیکھا۔ اس کے چہرے پر بھرپور خوشی تھی۔ انہوں نے بے اختیار اس کے لیے دعا کی تھی کہ اس کی یہ خوشی ہمیشہ قائم رہے۔ ماما نے فون بند کیا تو وہ اپنے

کمرے میں آ گئی۔ آدھے گھنٹے بعد اس کا سیل بجا تو وہ چونک گئی۔ کوئی نیا نمبر اسکرین پر نمایاں ہو رہا تھا۔

"یس، کون؟" وہ نئے نمبر پر بھی سلام نہیں کیا کرتی تھی خصوصاً اس کے غیر مسلم دوست وغیرہ بھی فون کر دیتے تھے۔

"السلام علیکم کہنے کا رواج نہیں ہے آپ کے یہاں؟" دوسری طرف سے ایک چہکتی ہوئی آواز تھی۔ وہ طلحہ کی آواز بخوبی پہچان گئی کہ اس سے پہلے بھی پاپا نے ایک دو بار سب کے ساتھ اس سے بھی بات کروائی تھی۔

"وعلیکم السلام! کیسے ہیں آپ اور یہ کس خوشی میں مجھے فون کر رہے ہیں؟" وہ حیران ہوئی تھی۔

"آپ کے گھر کے ... ابھی چچی کے ساتھ یہاں آیا ہوں تو انہوں نے بتایا کہ آپ جناب نے ہمیں قبول کر لیا ..." طلحہ کا لہجہ شریر تھا۔

"... ماما نے بتا دیا!" وہ جھینپ گئی۔

"خیر ماما نے یہ نہیں کہا ہوگا۔ انہوں نے آپ کو بتایا کہ فی الحال میری بیٹی نے کوئی اعتراض نہیں کیا ہے۔ ہماری شکل دیکھ کر بدل جائے تو الگ بات ہے۔" اگلے پل اس نے اپنی ازلی خود اعتمادی سے جواب دیا اور طلحہ کھلکھلا کر ہنس پڑا۔

"اس بارے میں مجھے کوئی اندیشہ نہیں ہے۔ اس چہرے پر تو ہزاروں مرتی ہیں۔" وہ اسے چھیڑ رہا تھا۔ وہ بے اختیار مسکرائی۔

"اف اللہ، آپ اتنے ڈراؤنے ہیں کہ لوگ جان سے گزر جاتے ہیں؟"

"بہت خوب گزرے گی جب مل بیٹھیں گے دیوانے دو۔" طلحہ پھر ہنس پڑا تھا۔

"جناب! میں ہرگز دیوانی نہیں ہوں۔" وہ بھی ہنس دی۔

"بے فکر رہیں، ہمارا چہرہ دیکھتے ہی دیوانی ہو جائیں گی۔"

"دعویٰ کر رہے ہیں، سوچ سمجھ کر کریں۔ اللہ عزوجل کو غرور پسند نہیں ہے۔" اس نے اپنی ہنسی روکی۔

"اف عالمہ جی! بہت شکریہ...... لیکن یقین کریں میں غرور نہیں کر رہا تھا۔" وہ بوکھلا گیا تو وہ ہنستی چلی گئی۔

"چلیں آپ ... کریں، میں سو رہی ہوں کیونکہ وہاں تو دن ... یہاں رات ہو رہی ہے۔ اللہ حافظ۔" اس نے ... فون بند کر دیا۔ اس کی کچھ تیاری رہتی تھی۔ وہ اس دن شاپنگ پر آ گئی تو آنٹی سبیکا نے اس سے کچھ چیزیں منگوائی تھیں۔

"آنٹی اور انکل اتنا تیز مرچ مسالہ نہیں کھاتے۔ یہ یقیناً ایڈی کھاتا ہوگا۔" اس نے اپنے شاپنگ بیگز میں سے ان کی چیزیں الگ کرتے ہوئے سوچا۔ اس نے ان کے گھر کی بیل پر ہاتھ رکھا تھا کہ دروازہ کھل گیا اور کھولنے والا ایڈی تھا۔

"ارے، ابھی میں آپ کے بارے میں سوچ رہی تھی۔" اسے دیکھتے ہی اس کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"آپ مجھے ناپسند تو نہیں کرتی ہیں نا!" اس نے فوراً پوچھا۔

"اُفوہ، آپ کی یہ منطق...... آپ اپنے پاس ہی رکھیں۔" اس نے تھیلے اسے تھمائے۔

"کیا ہے محترمہ یہ!" اس نے تھیلے کے اندر جھانکا۔

"آنٹی نے آپ کی پسند کی ڈشز کے لیے کچھ سامان منگوایا ہے۔"

"مجھے پتا ہے کہ آنٹی نے ہی منگوایا ہوگا۔ آپ کو الہام تھوڑی ہوا ہے میری پسند ناپسند کا...... پھر بھی شکریہ۔"

"کس بات کے لیے؟" وہ حیران ہوئی۔

"میرے بارے میں سوچنے کے لیے۔" وہ شرارت سے کہتا ہوا اندر مڑ گیا تھا اور وہ اس کی پشت کو گھورتی رہ گئی۔ اب اس نے پیکنگ کا کام شروع کر دیا تھا۔ ان کی سیٹ بک ہو چکی تھی۔ پندرہ جنوری کو اور آج اکیس دسمبر تھا۔

❀❀❀❀❀❀❀

"ارے آپ کو جوڈو آتے ہیں؟" وہ پارک میں پہنچی تو

اسے چھوٹے بچوں کے ساتھ جوڈو کراٹے کرتے دیکھ کر حیران رہ گئی۔ وہ اسے دیکھ کر قریب آ گیا تھا جبکہ بچوں کو اس کی آمد ناگوار گزری تھی کیوں کہ وہ اپنے من پسند کھیل سے محروم ہو گئے تھے۔

"بس یونہی ہاتھ پاؤں چلا لیتا ہوں۔" وہ اسی بینچ پر بیٹھ گیا تھا۔

"کافی اچھے چلا لیتے ہیں۔" وہ مسکرا دی۔

"لیکن آپ کی تو کافی دھوم ہے۔" اس کی مسکراہٹ یکدم غائب ہوئی۔ وہ چونک گئی تھی۔

"پیٹر کا گردہ نکالنا پڑا ہے حالانکہ آپ نے اسے صرف ایک پنچ ہی مارا تھا۔" اس نے لب بھینچ لیے۔ "موڈ خراب مت کریں، میں آپ کی تعریف کر رہا ہوں۔" وہ مسکرایا۔

"پیٹر نے اسے اتنا مارا تھا۔ وہ تو اللہ کی مدد شامل حال رہی کہ اسے کچھ نہ ہوا کیونکہ پیٹر نے اسے حضور ﷺ کی محبت میں مارا تھا اور مسلمانوں کو ہمیشہ اللہ کی مدد ملتی رہے گی اور ہم آپ جیسے لوگوں کا مقابلہ کرتے رہیں گے۔"

"لیکن آج ہر شخص جانتا ہے کہ طاقت اور مرتبہ کس کے پاس ہے۔ مسلمانوں کے پاس یا غیر مسلموں کے پاس۔ ایک امریکا ہی اتنا طاقت ور ہے کہ شاید تمام دنیا کے اسلامی ممالک اس کے آگے زیرو ہیں۔ پھر یورپی ممالک بھی اسی طرح ترقی پر ہیں اور پھر ایشیا میں بھی وہ ملک ترقی پر ہیں جہاں غیر مسلم ہیں مثلاً چین، جاپان وغیرہ، پھر آپ کس طرح کہہ سکتی ہیں کہ اللہ کی مدد آپ کو مل رہی ہے؟" وہ گویا بحث پر اترا تھا۔

"میں اس لیے کہہ رہی ہوں کہ یہ میرا رب عزوجل کہہ رہا ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔"

"وہی ہے جس نے اپنے رسول ﷺ کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا کہ سب دینوں پر غالب کرے اگرچہ مشرکین برا مانیں۔"

رب عزوجل نے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ دین [illegible] تمام مذہبوں پر غالب کرے گا تو آپ [illegible] دیکھ لیں۔ دین اسلام ہر مذہب پر غالب ہے۔" وہ چونک کر اس کی شکل دیکھنے لگا۔

"دنیاوی اعتبار سے مسلمان دوسری قوموں سے پیچھے معلوم ہوتے ہیں۔ دولت، عزت، طاقت اور علم میں اور قومیں ان سے آگے بڑھ گئی ہیں مگر غور کرو تو معلوم ہوگا کہ دینی غلبہ اب بھی مسلمانوں کے پاس ہے۔ مسجد اور چرچ کا مقابلہ کرو تو مسجد روزانہ پانچ بار آباد ہوتی ہے اور چرچ ہفتے میں ایک بار یعنی اتوار کو۔ قرآن کی قرأت زبر زیر پیش ایک ایک کلمہ محفوظ مگر انجیل و توریت دنیا سے ناپاب ہو چکی ہیں۔ جو بائبل آپ پڑھتے ہیں اصل انجیل نہیں ہے۔ قرآن پاک کے حافظ ہر شہر میں، اگر ایک جلسہ میں کوئی شخص ایک آیت کا ایک زبر بھی غلط پڑھ دے تو لوگ فوراً اس کو پکڑتے ہیں مگر دوسری کتابوں کا کوئی حافظ نہیں۔ حضور ﷺ کی سوانح عمری اسلام میں موجود ہے کہ ساری عمر شریف کی ہر حالت، گھر کی اور باہر کی زندگی، اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا ہنسنا رونا، کلام فرمانا یہاں تک کہ سارے جسم پاک کا حلیہ مبارک کہ داڑھی مبارک میں کتنے بال سفید تھے۔ ایسی کسی مذہب کے پیشوا کی نہیں۔ حدیث کیا ہے۔ حضور ﷺ کی سوانح عمری ہے، کسی بھی بادشاہ کسی بھی شاندار آدمی کی ایسی [illegible] عمری نہیں لکھی گئی۔ گائے بکری مسلمان [illegible] اور خنزیر عیسائی یہودی تمام قومیں کھاتی [illegible] حلال گوشت میں ہے وہ خنزیر [illegible] بیت المقدس عیسائیوں اور یہودیوں [illegible] معظمہ صرف مسلمانوں کا قبلہ [illegible] کا ہوتا ہے نہ کہ بیت المقدس کا، [illegible] اس کی ہے۔ بیت المقدس کی تعمیر [illegible] بیت المقدس بنانے والے جنات، بنوانے والے [illegible] سلیمان علیہ السلام، کعبہ تعمیر فرمانے والے خلیل اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام، امداد دینے والے ذبیح اللہ حضرت اسماعیل علیہ السلام، اس کو آباد فرمانے والے میرے نبی پاک ﷺ۔ بیت المقدس میں ہزارہا انبیاء کرام آرام فرما رہے ہیں مگر مدینہ منورہ میں صرف

سیدالانبیاء حضور ﷺ جلوہ افروز ہیں۔ مدینہ منورہ میں جس قدر زائرین جاتے ہیں بیت المقدس میں اس کا دسواں حصہ بھی نہیں۔ غرض یہ کہ ہر طرح کی دینی و دنیاوی عزت اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ہی دی ہے۔ مالدار ہونا یا نہ ہونا، بادشاہ ہونا یا نہ ہونا اس پر عزت کا دارومدار نہیں، یہ تو چلتی پھرتی چاندنی ہے۔ اسلام نے جو حکم دیا ہے وہ نہایت ہی عمدہ ہے۔ دینی غلبہ مسلمانوں کو حاصل ہے یہ اور بات ہے کہ مسلمان اپنی بدعملی کی وجہ سے دنیا میں ذلیل و خوار ہو جائیں یا دولت مند نہ ہوں تو اس میں قصور ہمارا ہے نہ کہ اسلام کا؟ اللہ عزوجل ہمیں توفیق دے کہ ہم اسلام کی رسی کو مضبوط پکڑیں اور ہمارے تعالیٰ قرآن میں ایک اور جگہ ارشاد فرماتا ہے۔

"اور عزت تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور مسلمانوں کے لیے ہے مگر منافقوں کو خبر نہیں۔" وہ بنا پلکیں جھپکے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ کافی دیر تک کچھ نہ بول سکا۔ کچھ دیر بعد وہ کھڑی ہوئی اور پھر وہ اسے نہیں ملا تھا۔ چھ سات دن [illegible] نے اسے پارک میں بھی نہیں دیکھا تھا۔

❀❀❀❀❀❀

"کیسی ہیں آپ!" وہ نماز کے بعد گھر سے نکلی تھی جب سامنے والے گھر سے نکلتے ایڈولف ایڈگر نے رک کر اسے دیکھا۔ وہ بنا کوئی جواب دیے آگے بڑھ گئی تھی۔

"کرن! میں آپ سے بات کرنا چاہتا ہوں بلکہ کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔" وہ تیز قدموں سے اس کا ہم قدم ہوا تھا اس نے نظر گھما کر اسے دیکھا تھا۔ آج وہ اسے بہت دنوں بعد دیکھ رہی تھی۔ اس کا چہرہ بہت اترا اترا سا لگ رہا تھا۔ شیو بھی شاید چار پانچ دن سے نہیں کی تھی۔ وہ کچھ نہ بولی۔ وہ بھی چپ چاپ اس کے ساتھ چلتا رہا۔ پھر وہ دونوں پارک میں آ گئے تھے۔ پارک بالکل خالی تھا۔ وہ ایک بینچ پر بیٹھ گیا اور اب اس کے بیٹھنے کا منتظر تھا۔ وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھ کر بینچ کی دوسری جانب بیٹھ گئی تھی۔ پر وہ کسی گہری سوچ میں غرق ہوا تھا۔ شاید کوئی سوال اس کے ذہن میں تھا لیکن یک لخت وہ چونک گئی کیونکہ چرچ کا چھوٹا دروازہ کھول کر اسٹارک جو بے حد مگن انداز میں آ رہا تھا اسے دیکھ کر چونک گیا۔

"کیسی ہو؟" وہ جب آ گیا تھا ایک نظر ایڈولف پر ڈالی جو کہ [illegible] سے بینچ کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ وہ [illegible] نہیں ہوئی کیوں کہ وہ اس شخص سے قطعی [illegible] کی تھی۔ مگر وہ اسے چڑانے کے درپے تھا۔

"[illegible] کہتا ہے یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ پھر کیوں تم ہم سے دوستی کرتے ہو، ہمیں پسند کرتے ہو ہمارے جیسا بننا چاہتے ہو؟ سچے مسلم ہو تو دور رہو ہم سے......"

"تو یہ قصور ہمارا ہے تم ہمارے نبی ﷺ کے بارے میں کیوں گستاخیاں کرتے ہو؟" اس کا دل بھر آیا تھا ایڈولف نے اپنے ہونٹ بھینچ لیے تھے۔

"ہم کیا کرتے ہیں گستاخیاں...... تمہارے مسلمان ہی ہمارے لیے خوشی کا سامان کرتے رہے ہیں۔ وہ سلمان رشدی وہ تو مصدقہ طور پر مسلم ہی ہے اس نے تو انتہا کر دی...... " وہ یقیناً گستاخانہ کلمات کہنے جا رہا تھا مگر اس ملعون کا نام آتے ہی اس کے تن بدن میں کھولن شروع ہو گئی تھی۔

"میرے نبی پاک ﷺ کے بارے میں ایک لفظ بھی کہا تو وہ تمہاری زندگی کا آخری لفظ ہوگا!" اس سے اچھی طرح واقف ہونے کے باوجود وہ اس کی دھمکی اور اشتعال کو خاطر میں نہ لایا تھا

"تم لوگوں میں یہی بیماری ہے سچائی سنتے ہی آگ لگ جاتی ہے تمہیں، بہرحال یہ میں نے نہیں کہا ایک مسلمان نے کہا ہے جسے ہمارے عظیم برطانیہ نے تحفظ فراہم کر دیا ہے کیونکہ تمہارے علماء نے اسے واجب القتل قرار دے دیا ہے، پتا نہیں کیوں تم لوگ اتنے تنگ نظر ہو، اپنے خلاف بولنے والے کا سر کچل ڈالتے ہو۔" اس نے لبوں کو بھینچ کر اذیت ناک سچ کو برداشت کیا تھا کہ نبی ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والا کوئی اور نہیں ایک مسلم تھا۔

تم جانتے ہو ان کے دین کے بارے میں......" وہ لاتعلق کھڑے ایڈولف کی طرف پلٹا تھا۔

"بس کرو یار! تمہیں حق نہیں ہے کسی کے بھی مذہب کی توہین کرنے کا......" وہ خود اس سارے معاملے میں اچھا محسوس نہیں کر رہا تھا مگر خاموش تھا۔

"سوائے مذہب اسلام کے کیونکہ ان کے متعلق ہمیں ہر حق ہے۔" اس کی مسکراہٹ کہہ رہی تھی کہ کس قدر عداوت تھی اس کے دل میں، کتنی نفرت کرتا تھا وہ دین اسلام سے۔ "ان کا دین......" وہ اس کی طرف گھوما اور پھر تیزی سے پیچھے ہٹا تھا مگر اس کے باوجود وہ اس کی ہتھیلی کے وار سے خود کو نہ بچا سکا۔ پیٹ پر پڑنے والے اس ہاتھ نے اس کا یقیناً اندرونی حصہ پھاڑ دیا ہوگا۔ وہ پیٹ کے بل دہرا ہوا تھا۔ وہ کوئی عام ہاتھ نہیں تھا۔ مارشل آرٹ کے چیف نے اس کے لیے کہا تھا کہ دس افراد مل کر بھی اس ایک پر قابو نہیں پا سکتے۔ وہ بلیک بیلٹ تھی۔ مارشل آرٹ کنگ فو یہ سب سیکھنے میں اس نے اپنی عمر گزاری تھی۔ اس کی صرف ایک لات کھا کر پیٹر کا گردہ اسی لیے بے کار ہوا تھا کہ وہ عام لڑکی نہیں تھی مارشل آرٹ میں بے حد مہارت حاصل تھی اسے۔

"میرے دین اور میرے نبی ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے کے اب تم قابل رہو گے ہی نہیں" اگلے ہی پل اس کے سینے پر پاؤں مارتے ہوئے اس نے اسے پشت کے بل زمین چاٹنے پر مجبور کیا تھا اور اسٹارک کی چیخ سے اردگرد کا حصہ گونج گیا، اس نے اپنے پاؤں سے اس کی گردن کو مسل ڈالا تھا۔

"پلیز چھوڑو اسے، مر جائے گا وہ۔" ایڈولف تیزی سے آگے بڑھا تھا۔

جینے کا کوئی حق نہیں میرے نبی ﷺ کے گستاخ کو......" اس نے اسے پیچھے دھکیلا تھا۔

"ارے نہیں" اگلے ہی پل ایڈولف نے اسے پوری طاقت سے دھکیلا تھا اور اسے زمین بوس ہونا پڑا [illegible] سے نکلنے والے دوڑتے ہوئے ان تک آئے [illegible] سے اس کی آنکھیں پھٹی پھٹی رہ گئیں کیونکہ اب ایڈولف اسٹارک کو مار رہا تھا۔ سیکیورٹی گارڈ جوزف تھا اس کے پیچھے فادر اور دو اور بھی تھے۔

"مجھے جرمن سمجھ کر اتنا دھتکار رہے تھے نا تم! اب کسی قابل ہی نہیں رہو گے۔" اس نے اس کے نرخرے پر اپنا پاؤں رکھا تھا۔ ان سب نے اسے دھکا دے کر ہٹایا تھا۔

"اس کی حالت بہت خراب ہے فادر!" فادر کے پیچھے کھڑے ولیم نے آگے بڑھ کر اسٹارک کو دیکھا تھا۔

"اسے لے جاؤ" فادر کے کہنے پر وہ تینوں اسٹارک کو اٹھا کر لے گئے۔ وہ لب بھینچے دیکھتا رہا۔ اگر اسٹارک بچ جاتا تو کرن کے لیے بہت بڑا مسئلہ کھڑا ہو سکتا تھا۔ جبکہ وہ یک بہ یک یوں منظر کی تبدیلی پر متحیر تھی۔

"ایڈولف! تم اسٹارک کے دوست ہو نا" فادر نے اسے بغور دیکھا۔

"اس نے میرے ساتھ جوا کھیلا تھا۔ وہ ہار گیا تھا اور میری رقم کے لیے مجھے مسلسل ٹال رہا تھا۔"

"وہ دھوکے باز نہیں ہے۔" فادر نے کرن کو دیکھا تھا۔

"اس نے میرے ساتھ دھوکا کیا تھا اور آج مجھے دھمکی بھی دے رہا تھا۔"

"جہاں تک میں تمہیں جانتا ہوں تم اتنے غصے والے ہرگز نہیں ہو۔" ان کی نظریں کرن پر جم گئی تھیں جو بغور ایڈولف کو دیکھ رہی تھی۔

"فادر! جلدی آئیں۔ اسٹارک کی حالت تشویش ناک ہے۔ اسے ہاسپٹل لے جانا ہوگا۔" جوزف دوڑتا ہوا ان تک آیا تھا۔

"اگر اسٹارک کو کچھ ہوا تو ہم لوگ تمہیں ہرگز نہیں چھوڑیں گے۔" فادر اسے کہتے ہوئے پلٹ گئے تھے تب وہ کرن کی طرف پلٹا تھا۔ وہ ساکت نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا پولیس کار کا سائرن بجنے لگا۔ وہ دونوں ہی چونکے تھے۔ ولیم فادر اور جوزف کے ساتھ آنے والا چوتھا شخص پولیس کے ساتھ

تھا۔ امریکا کی پولیس ثابت کر چکی تھی کہ اس کی سروس کتنی تیز ہے، وہ روڈ پر گشت کرنے والی پولیس کار تھی۔

"سر یہ ہے اسٹارک کا قاتل۔" وہ دونوں چونک گئے۔

"میں نے اسے قتل نہیں کیا ہے ابھی...... ہم دونوں کا صرف جھگڑا ہوا ہے۔" اس نے آگے والے شخص کو گھورا تھا۔

"اسٹارک مر چکا ہے۔" فادر کی آواز پر وہ دونوں مڑے تھے۔

"ایڈولف! میں یقین سے کہہ سکتا ہوں تمہارا اور اسٹارک کا کوئی جھگڑا نہیں ہوا لیکن میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ تم کیوں جھوٹ بول رہے ہو۔"

"میں کیوں جھوٹ بولوں گا۔ آپ خود سوچیں۔"

"تم کسی اور کو بچانے کی کوشش کر رہے ہو۔" ان کے کہنے پر کرن نے نظر اٹھا کر فادر کو دیکھا۔

"آپ سمجھ رہے ہیں کہ میں اس لڑکی کو بچانے کی کوشش کر رہا ہوں جسے میں جانتا ہی نہیں ہوں۔ یہ لڑکی اسٹارک کی دوست ہے اور میں اس کے علاوہ اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔"

"گرفتار کرو اسے، یہ ہمارے اتنے پیارے اور ہونہار اسکالر کا قاتل ہے۔" وہ چوتھا شخص بولا تھا اور پولیس ایڈولف کی جانب بڑھی تھی۔

"رک جائیں۔" کرن نے یک دم کہا تھا اور سارے چونک گئے لیکن اگلے پل وہ خود ہی دنگ رہ گئی جب ایڈولف نے اسے اپنی طرف کھینچا تھا۔ وہ اس کے گلے میں ہاتھ ڈال کر اس کی پشت کو اپنے سینے سے لگا چکا تھا۔

"تمہارے رب کی قسم تمہیں! کچھ بھی مت کہنا۔" اس کی سرگوشی نے اسے ساکت کر دیا تھا۔

"اگر کسی نے مجھے ہاتھ لگایا تو میں اس لڑکی کو مار دوں گا۔" اس نے اس کے گلے پر دباؤ ڈالا۔

"آہ!" کرن کے حلق سے بے اختیار سسکی نکلی تھی۔

"دیکھو تم اپنے آپ کو قانون کے حوالے کر دو۔ اگر اس طرح تم ہم سے بھاگو گے تو تمہیں سخت سزا دی جائے گی۔ تم بچ نہیں سکتے۔" پولیس آفیسر نے کہا تھا۔

"آفیسر! میرا ارادہ اس کے قتل کا ہرگز نہیں تھا۔ وہ مجھے [illegible] کر رہا تھا بس اسی بات پر ہمارا جھگڑا ہوا چونکہ میں بلیک بیلٹ ہوں اس لیے وہ میری مار برداشت نہ کر سکا۔" اس نے کرن کو چھوڑ کر دونوں ہاتھ ان کے آگے کر دیے تھے۔

"ٹھیک ہے۔ تم آؤ ہمارے ساتھ، ہم پوری تحقیقات کریں گے۔"

"آفیسر! اسے سخت سزا دی جائے کیونکہ ہمارے عظیم عیسائی اسکالر کا قاتل ہے۔" فادر نے غصے سے کہا تھا انہیں پورا یقین تھا اس نے اسٹارک کو نہیں مارا۔ پولیس اسے لے گئی تھی اور کرن سے واپسی مشکل ہو گئی۔ آفیسر نے اس سے کہا تھا کہ وہ اس کا بیان لیں گے۔ وہ کیا کہتی، اسے جو کہنا تھا اس کے لیے تو وہ اسے رب تعالیٰ کی قسم دے چکا تھا۔ وہ اسے یہاں بھی بچا گیا تھا۔

"یہ لڑکی اس وقت آئی جب ہم لڑ رہے تھے۔ اس نے اسٹارک کو بچانا چاہا تھا لیکن میں نے اسے دھکیل کر زمین بوس ہو جانے پر مجبور کر دیا۔ اسی وقت فادر وغیرہ آ گئے۔ کرن کے لب تو خاموش تھے مگر اندر ایک طوفان سا مچا ہوا تھا۔ گھر تک پہنچتے پہنچتے اس کی برداشت کی حد ختم ہوئی۔ اپنے دروازے کے آگے بیٹھ کر وہ سسک اٹھی تھی۔ پھر کافی دیر گزر جانے کے بعد پاپا کو وہ بے ہوشی کی حالت میں ملی تھی۔ تب تک یہ بات پھیل گئی تھی کہ اسٹارک کی موت ہو گئی ہے۔ ایش بری طرح رو پیٹ رہی تھی۔ سیکا آنٹی بے حد پریشان تھیں کیونکہ اس کا قتل کسی اور نے نہیں، ان کے بھانجے نے کیا تھا۔ رات تک جب اسے ہوش آیا تھا، ایڈولف کے ماں باپ جرمنی سے آ چکے تھے۔ وہ اپنے بیٹے کو سرپرائز دینے کے لیے اچانک آئے تھے لیکن یہاں ان کے اپنے لیے ایک بری خبر موجود تھی۔ تیسرے دن اس کی طبیعت سنبھلی تو وہ سیکا آنٹی کے گھر آئی تھی۔ ابھی وہ لاؤنج کے دروازے پر تھی کہ اندر

سے ایک آواز پر ٹھٹک کر رہ گئی۔

"سیکا! مجھے سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ ایڈی ایسا کیسے کرسکتا ہے؟ یقین کرو اس نے کبھی جوا نہیں کھیلا۔ شراب تک نہیں پیتا میرا بیٹا پھر کسی کو جوئے کے لیے کیسے قتل کرسکتا ہے؟ نہیں...... میرے بیٹے نے یہ نہیں کیا۔" اس کے لب بھینچے تھے، وہ وہاں سے تیزی سے پلٹی تھی اور سیدھی پولیس ہیڈ کوارٹر آئی۔

"مجھے ایڈولف ایڈگر سے ملنا ہے۔" اس نے کہا تھا اور چند لمحوں بعد اسے ایک کمرہ میں بٹھایا گیا جہاں ایڈولف ایڈگر موجود تھا۔

"تم مجھے بتا سکتے ہو کہ تم نے......"

"شش!" اس نے انگلی لبوں پر رکھ کر اسے کچھ بولنے سے روکا اور نظر اٹھا کر دروازے کی طرف دیکھا۔ وہ چند لمحے اسے لب بھینچے دیکھتی رہی کیونکہ دروازہ پر لگا کیمرہ وہ پہلے ہی دیکھ چکی تھی۔

"تم...... تم جانتے نہیں ہو تمہارے ماں باپ کتنے پریشان ہیں۔ تمہاری ماما بہت رو رہی ہیں۔"

"تمہاری پاکستان کی فلائٹ کب کی ہے؟" اس نے اس کی بات کاٹ دی۔

"پرسوں۔"

"تم سیکا آنٹی کے گھر سے مجھے چیک بک لادینا۔ میں تمہارے گھر کی ادائیگی کردوں گا۔ تم گھر کی چابی ماما کو دے دینا۔ بس میرا یہ کام کردو پاکستان جانے سے پہلے۔" وہ اسے چند لمحے دیکھتی رہی پھر بے اختیار رو پڑی۔ روتے ہوئے وہ وہاں سے اٹھ کر آگئی تھی۔ اس نے چیک بک نہیں لاکر دی۔ کوئی رقم وصول نہیں کی۔ چابی سیکا آنٹی کے حوالے کرکے وہ پاکستان چلی آئی۔

"یہ گھر ایڈولف نے پاپا سے خرید لیا تھا۔" اس نے سیکا آنٹی سے کہا تھا کہ اس کے ماما پاپا کا سامنا کرنے کا اس میں حوصلہ ہی نہ ہوا تھا۔

"پاپا! یہ گھر مت بیچیں، میرے بچپن و جوانی کی یادیں اس گھر سے جڑی ہے۔ اگر پاکستان میں میرا دل نہ لگا تو میں واپس آجاؤں گی۔ پاپا! یہ گھر مت بیچیں، اس کی چابی ہم سیکا آنٹی کو دے دیں گے وہ دیکھ بھال کرتی رہیں گی۔" یہ اس کی زندگی کا پہلا جھوٹ تھا جو اس نے پاپا سے بولا تھا۔ اور پاپا نے اس کی بات مان لی۔



"کرن کہاں ہے؟" پاپا کو دیکھ کر ماما چونک گئیں، ان کے ساتھ تایا جی، ماما اور سعد اسد تھے۔ پاپا تایا جی کے گلے لگ گئے۔

"ہمارا شیر کسٹم سے اپنا سامان لے رہا ہے۔" پاپا نے کہا تو ماما، اسد، سعد مسکرادیے۔ چند لمحے بعد وہ سامان کے ساتھ ان کے سامنے تھی۔ اسے دیکھ کر ماما اسد اور سعد ساکت رہ گئے۔ اس نے سلام کیا تھا۔ آواز اتنی ہلکی تھی کہ صرف ہونٹ ہلتے دکھائی دیے تھے۔ وہ ہلدی رنگ کی ہو رہی تھی جیسے کسی نے اس کا خون نچوڑ لیا ہو۔

"تم بیمار ہو گیا؟" ماما نے پریشان ہو کر دونوں ہاتھوں سے اس کے چہرے کو تھاما۔ اس نے بے اختیار نظر اٹھائی۔ ماما کو دیکھ کر اس کا جی بھر آیا۔ جی چاہا ماما کو سب کچھ بتادے۔ انہیں بتائے کہ اس کے ساتھ کیا ہوگیا اور اس کی آنکھوں کی نمی دیکھ کر اسد سعد بھی ماما کی طرح پریشان ہوگئے۔

"کیا ہوا آپی! آپ ٹھیک تو ہیں نا؟" ...... قدم اس کی طرف بڑھایا تو اس کا خود ...... ختم ہوگیا۔ وہ بے اختیار ماما کے کندھے ...... رودی۔

"کرن! کیا ہوا بیٹا؟"

"آپ کو اتنے ...... دیکھا ہے تو دل بھر آیا۔ پریشان مت ہوں ......" پاپا نے کہا اور پھر وہ لوگ ائر پورٹ ...... ماما کار ڈرائیو کر رہی تھیں۔ تایا جی اس ...... اگلی سیٹ پر بیٹھ گئے جبکہ ماما پاپا کے ساتھ وہ پیچھے بیٹھ گئی۔ اسد اور سعد بائیک پر تھے۔

"السلام علیکم!" گھر پر ان کے استقبال کے لیے بہت سارے لوگ تھے۔ پھوپو، تائی، خالہ، ماموں وغیرہ، وہ ان سب رشتوں سے ملنے کے لیے بے قرار تھی لیکن اس لمحے اسے کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ اسے اس وقت تنہائی میسر آئے اور وہ اس شخص کو سوچے۔

"کیوں کیا اس نے ایسا......؟"

جسے جانتا تک نہ تھا اس کے لیے جان داؤ پر لگادی۔ اس کے لیے مرنے کو تیار تھا۔ اسٹارک کوئی معمولی شخص نہ تھا۔ وہ ایک اسکالر تھا۔ اس کے قاتل کو سخت سزا ملی تھی اور اس کی سزا کو وہ اپنا مقدر بنا چکا تھا لیکن کیوں......!

"کرن بیٹا۔" ماما کی آواز پر وہ چونک سی گئی۔ وہ یہاں اتنے مجمع میں بھی اسے ...... سوچ رہی تھی۔ وہ سب اس سے باتیں کر رہے تھے لیکن وہ ...... سن رہی تھی۔

"بیٹا! آپ ...... سے دو تین بار تازہ دم ہو کر آنے ...... ہے۔" پاپا نے کہا تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"آ ...... میں آپ کو آپ کا کمرا دکھادوں۔" ماما اس کے ...... ہی کھڑی تھی۔

"آپ ٹھیک تو ہیں نا کرن!" اس کی کئی بار امریکا سے پاپا سے گفتگو ہو چکی تھی۔ ماما اس کی عادت سے واقف تھی کہ وہ بہت زندہ دل لڑکی ہے پھر اچانک وہ اتنی سنجیدہ کہ وہ آس پاس سے بھی بے نیاز ہوگئی۔ پاپا نے ان لوگوں کو بتایا تھا کہ اس کے ایک دوست کی وفات ہوگئی ہے۔

"لگتا ہے کافی اہم دوست تھا کرن کا۔" پھوپو کی بیٹی نزل نے ماما سے کہا تھا۔ وہ کمرے میں آکر واش روم کی طرف جانے کی بجائے بیڈ پر لیٹ گئی تھی۔ ماما نے ایک نظر اس پر ڈالی۔

"کرن! میں آپ کے کپڑے نکال دیتی ہوں۔ آپ فریش ہو کر آجائیں پھر کھانا کھا کر لیٹ جایئے گا۔" ماما نے کہا تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اسے یہ سب کرنا تھا۔ اسے تنہائی ابھی مل ہی نہیں سکتی تھی۔ فریش ہو کر وہ کافی بہتر محسوس کرنے لگی تھی۔ کھانے کی میز پر اس کا سامنا طلحہ سے ہوا۔

"السلام علیکم! کیسی ہیں آپ اور سفر کیسا رہا۔ ہمارا یعنی اپنا پاکستان کیسا لگا؟" وہ بس خاموشی سے اسے دیکھتی رہی تھی۔

"ابھی انہوں نے پاکستان دیکھا ہی کب ہے۔" ماما ...... کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی تھی۔

"چلیں پھر کل سے آپ کو اپنا پاکستان دکھانا شروع کردیتے ہیں۔"

"ان سے تو پوچھو!" تائی نے مسکرا کر اپنے بچوں کو دیکھا۔ اس نے سر جھکا کر کھانا شروع کردیا تھا۔ ابھی سب کھا ہی رہے تھے کہ وہ کھڑی ہوگئی۔

"ماما! مجھے بہت تھکن ہو رہی ہے۔ میں جا کر سو جاؤں؟" ماما نے اسے غور سے دیکھا تھا۔ آنکھوں کے گرد حلقے پڑ گئے تھے اور اس کی آنکھوں میں وہ مسلسل نمی دیکھ رہی تھیں۔

"جاؤ!" انہوں نے اسے کہا تھا۔ وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں آگئی اور رات کو تقریباً بارہ بجے جب وہ سب لوگ سوگئے تو اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے انہوں نے یوں ہی اس کے کمرے میں جھانکا تھا۔ کمرا مکمل اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ واپس پلٹتے ہوئے انہیں کچھ عجیب سا احساس ہوا تو انہوں نے اندر آکر لائٹ آن کی اور دھک سے رہ گئیں۔ وہ جو تقریباً پونے دس بجے ہی کمرے میں آگئی تھی۔ اب تک سوئی نہیں تھی۔ حتیٰ کہ وہ بیڈ پر بھی نہ آئی تھی کیونکہ ایک شکن تک نہ تھی چادر پر۔ انہوں نے نظریں گھما کر اسے ادھر ادھر دیکھا۔ وہ کمپیوٹر ٹیبل پر بیٹھی تھی۔ وہ قریب چلی آئیں۔ اس کے گالوں پر آنسوؤں کی لکیریں تھیں۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اس کا سر کی بورڈ پر تھا۔ لائٹ جلنے پر بھی اس نے حرکت نہ کی تھی۔ وہ وہیں سوگئی تھی۔

"کرن!" اس نے آنکھیں کھول کر انہیں دیکھا اور پھر سیدھی ہوگئی۔

"بیڈ پر آجاؤ۔" انہوں نے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا

تھا۔ وہ ایک گہرا سانس لے کر اٹھ گئی تھی۔ انہوں نے خاموشی سے اسے بیڈ پر جاتے دیکھا اور باہر نکل آئیں۔ واپسی پر ان کے ہاتھ میں دودھ کا گلاس تھا۔

"کرن آپ کو پتا ہے ہم آپ سے کتنا پیار کرتے ہیں؟" وہ واش روم سے وضو کرکے نکلی تو انہیں دوبارہ دیکھ کر چونکی پھر آہستہ سے ان کے ہاتھ سے دودھ کا گلاس لے کر بیڈ پر بیٹھ گئی تھی۔ تب وہ اس کے برابر میں بیٹھ کر بولیں۔ "ہم آپ کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر کتنی تکلیف محسوس کررہے ہیں آپ کو نہیں پتا!" اس نے بنا کچھ کہے دودھ کا گلاس آہستہ سے لبوں سے لگالیا۔

"اسٹارک کی موت کا سن کر مجھے بھی بے حد افسوس ہوا لیکن مجھے اندازہ نہ تھا کہ وہ آپ کے لیے اس قدر اہم ہوگا کہ آپ کے لیے ہم سب یوں غیر اہم ہوجائیں گے۔ دیکھو بیٹا! زندگی اور موت تو اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ تین دن بعد تو کسی کا بھی غم منانے کی اجازت نہیں ہے پھر اسے تو گیارہ دن ہوچکے ہیں اور پچیس اکتوبر کے بعد تو وہ میرے بھی ناپسندیدہ لوگوں میں شامل ہوگیا تھا اور آپ سے تو پہلے بھی اس کے کئی جھگڑے ہوئے تھے۔ اس کی موت پر آپ کی اس قدر افسردگی...... حقیقتاً میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا ہے۔" اس نے دودھ کا گلاس خالی کردیا اور لیٹ گئی۔ ماما واپس پلٹ گئیں۔

"کاش ماما! میں آپ کو بتا سکتی یہ افسردگی کیوں ہے۔ اسٹارک کی موت پر مجھے کوئی دکھ نہیں ہے۔ اسے مرنا تھا۔ میرے نبی ﷺ کے گستاخ کو جینے کا حق بھی نہیں ہے۔ مجھے تو اس شخص نے پاگل کردیا ہے جسے میں ٹھیک طرح سے جانتی تک نہیں ہوں۔ جو سزا مجھے ملنی تھی وہ کیوں اس نے اپنے نام کرلی، جو لوگ آپ کی جان ہوں ان کے لیے جان دینا بڑی بات نہیں ہوتی لیکن ہم جنہیں جانتے تک نہ ہوں ان کے لیے کچھ کرنا وہ بھی حد سے گزر کر کرنا...... اس نے ایسا کیوں کیا۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے۔"

صبح تک اس نے خود کو بہت حد تک سنبھال لیا تھا۔ ماما نے ناشتے پر اسد سعد کو مدعو کیا تھا یا وہ خود ہی چلے آئے تھے۔ اسے نہیں پتا تھا۔ بہرحال وہ دونوں اپنی ماما کے ساتھ موجود تھے اور اس وقت وہ سب کچن میں تھے جب وہ اتر کر آئی۔

"آیئے شہزادی صاحبہ! کراچی آتے ہی دیر سے اٹھنے کی عادت ڈال لی؟" سعد نے اسے دیکھتے ہی کہا تھا۔ وہ افسردگی سے مسکرائی تھی تو وہ اس کے قریب چلا آیا۔

"مت مسکرائیں آپ، جب تک مسکرانے کا دل نہ چاہے کیونکہ اس طرح مسکرانے کی کوشش کرتی ہوئی آپ اور دل دکھا رہی ہیں ہمارا۔" اس کے لب بھینچ گئے تھے۔

"میں آپ کی خوشیوں کے لیے بہت دعائیں کرتا ہوں اور آپ کو پتا ہے نا نیک بندوں کی اکثر دعائیں قبول ہوتی ہیں۔" اس نے کچھ شرارت سے مسکرا کر کہا۔ وہ اسے دیکھتی رہی۔

"انکل نے بتایا کہ اسٹارک کی موت کے بعد آپ کی طبیعت خراب ہوگئی تھی اور بقول ان کے کہ آپ جب سے مسلسل رو رہی ہیں۔" ایک لمحے خاموش رہنے کے بعد وہ بولا تو اس نے اپنی نظریں جھکالیں۔ "میں نہیں مانتا کہ اسٹارک کی موت کا آپ کو کوئی غم ہے۔ وجہ یقیناً کچھ اور ہے۔" اس نے فوراً نظر اٹھا کر اسے دیکھا اس پل اس کا جی چاہا کہ وہ سعد کو وجہ بتائے۔ وہ سعد کو بتائے کہ میرے اپنے نبی پاک ﷺ [illegible] اور کول گئی ہے یا اس نے خود [illegible] ہے۔"

"سعد وہ..... اسے..... اسے....." وہ رک گئی، اسے اپنی گردن پر [illegible] محسوس ہوا تھا۔ وہ چونک گئی۔ وہ مضبوط ہاتھ اس کے گلے میں آکر اس کی پشت کو اپنے سینے سے لگا چکا تھا۔

"تمہارے رب کی قسم تمہیں! ایک لفظ مت کہنا۔" وہ سرگوشی کہیں قریب ہی ہوئی تھی۔ اس کے لب آپس میں مل گئے۔

"آپی! کیا ہوا؟" سعد نے اسے پکارا۔ سعد کا چہرہ

دھندلانے لگا تھا۔ اس کی آنکھیں پانی سے بھر گئیں۔ اس نے واپس نظر جھکالی اور سعد یہ تو جان گیا تھا کہ اسے اسٹارک کی موت کا غم نہیں ہے۔ وجہ کوئی اور ہے۔

"وجہ کیا ہوسکتی ہے؟" وہ الجھ گیا۔ پھر ناشتے کے دوران اور بعد میں بھی اس نے ادھر ادھر کی ڈھیر ساری باتوں سے اسے بہلالیا تھا۔ وہ بول تو نہ رہی تھی لیکن سن رہی تھی۔ یہ بھی کافی تھا۔ دوپہر میں ان کے تایا جی کے گھر دعوت تھی۔ وہ سب ان کے یہاں آگئے۔ سعد [illegible] چلی گئی تھیں۔ البتہ وہ دونوں ساتھ تھے۔ کل رات کی نسبت وہ اس وقت کچھ بہتر تھی۔ حالانکہ [illegible] تھی لیکن جواباً ہوں ہاں کررہی تھی۔ پھر اس کے بعد دعوتوں کا ایک سلسلہ سا شروع ہوگیا۔ آج یہاں دعوت ہے کل وہاں۔ اس کی نمازیں کتنی لمبی ہوگئی ہیں اس کا اندازہ ماما کو ان دعوتوں کے دوران ہی ہوگیا۔ نماز کے بعد وہ کافی دیر تک دعائیں مانگتی رہتی اور دعا کے دوران اس کی آنکھیں سرخ ہو جاتی تھیں۔ وہ بمشکل اپنے آنسوؤں کو روک پاتی تھی۔ لفظوں پر جیسے کوئی بند لگ گیا تھا، وہ بولتی تک نہ تھی اور اس کی ہنسی کو تو جیسے نظر ہی لگ گئی تھی۔ وہ کوشش کے باوجود مسکرا نہ پاتی تھی۔

"کیوں کیا اس نے ایسا؟" یہ سوچ اتنی حاوی تھی کہ باوجود کوشش کے وہ اس الجھن سے باہر نہیں آرہی تھی۔ ماہا اور طلحہ سے اس کی دوستی ہوگئی تھی حالانکہ وہ اول روز کی طرح اپنی اداسی کے دائرے میں مقید تھی، ان دونوں کی ہی کوشش سے وہ ان کے قریب ہوئی تھی یا پھر وہ اس کے قریب ہوگئے تھے۔



"عمرے کے لیے چلیں؟" رات کھانے پر اچانک پاپا نے کہا تو وہ چونک گئی۔ یکدم اسے یاد آیا کہ اس نے یہ خواہش کب کی تھی۔ ایک دن پارک میں اس نے ایڈولف سے کہا تھا کہ "پاکستان جاتے ہی وہ پاپا ماما کے ساتھ عمرے کے لیے جائے گی۔ اب پاکستان آئے بھی اسے دو ماہ ہوگئے تھے اور اب تک یہ دھیان بھی نہ آیا تھا۔

"حرم پاک میں ہر دعا قبول ہوتی ہے۔ اگر میں وہاں اس کے لیے دعا کروں گی تو ضرور قبول ہوگی۔" اس نے سوچا۔

"میرے مالک! میں وہاں اس حال میں آنا چاہتی ہوں کہ دل میں فقط تیری اور تیرے نبی ﷺ کی یاد ہو اور صرف کلمہ شریف۔ نہ کسی کی یاد نہ کسی کا خیال میرے مولا! میری اس دعا کو قبول فرمالے۔" اس رات تہجد میں اس نے بے حد روتے ہوئے دعا مانگی تھی۔ صبح پاپا نے اپنے اس ارادے کا اظہار تایا جی سے بھی کردیا تو وہ لوگ بھی جانے کے لیے تیار ہوگئے لیکن پھر ماہا کے سسرال والے تاریخ لینے آگئے تو تایا جی نے فیصلہ بدل لیا، وہ چاہتے تھے کہ اب پہلے ماہا کی رخصتی کردی جائے۔ ان کی روانگی سے پندرہ دن پہلے ماہا کی شادی کی تاریخ طے کردی گئی۔ ماہا کی شادی کی تیاریوں کے دوران تایا جی اور تائی اس کا رشتہ لے آئے تھے۔ ماما پاپا کو تو پہلے بھی اعتراض نہ تھا لیکن ان دنوں وہ اتنی چپ تھی کہ ماما نے ایک بار پھر اس سے پوچھ لینا مناسب سمجھا تھا۔

"تمہیں کوئی اعتراض......؟" انہوں نے پوچھا۔ اس نے نفی میں سر ہلادیا تھا۔ "تم خوش ہو؟" اور اس بار وہ سر بھی نہ ہلا سکی کیونکہ اسے پتا تھا وہ خوش نہیں ہے، اسے یہ بھی پتا تھا کہ وہ کبھی خوش نہیں ہوسکتی تھی لیکن اسے یہ حق نہیں تھا کہ وہ اپنے ماں باپ کی خوشی چھین لیتی۔ وہ جانتی تھی کہ اس رشتے سے وہ سب لوگ بہت خوش تھے۔

"آپ ہاں کردیں، زندگی میں کچھ نیا پن آئے گا تو آپی بہل جائیں گی۔" سعد نے سنا تو فوراً مشورہ دیا اور انہوں نے مان لیا۔ یوں اس کی منگنی کی تیاریاں ہونے لگیں۔ ماہا کی مہندی والے دن اس کی منگنی کا بھی فنکشن تھا۔ تائی اس کے لیے شرارہ سوٹ لائی تھیں۔ وہ دیکھتے ہی متوحش ہوگئی۔

"تائی! میں نے ایسے کپڑے کبھی نہیں پہنے ہیں، آپ ماما سے پوچھ لیں۔" اس کے انداز میں اتنی معصومیت تھی کہ وہ سب مسکرادیے۔

"اس سے پہلے بھی آپ دلہن بھی تو نہیں بنی تھیں۔" ماہا نے اسے چھیڑا تھا۔ اس نے سر جھکا لیا اور وہ سب ہنس دیے تھے۔

"بھائی! کرن کے لیے انگوٹھی تو آپ نے دکھائی ہی نہیں؟" اچانک پھوپو نے کہا تھا۔

"وہ طلحہ خود لائے گا۔" وہ مسکرادیں پھر ماہا کی مہندی والے دن اسے پارلر سے دلہن کی طرح تیار کروایا گیا تھا۔ وہ پہلی بار اتنا تیار ہوئی تھی تو خود بھی متحیری اپنی آپ کو دیکھے گئی۔ پھر تائی نے اسے انگوٹھی پہنائی تھی اور ماما نے طلحہ کو..... پھر کچھ تصویریں وغیرہ کھنچوانے کے بعد وہ دونوں اسٹیج سے اتر گئے۔ اب ماہا کو مہندی کی رسم کے لیے لے کر آنا تھا۔

"ماما! میں چینج کر کے آتی ہوں۔" وہ لوگ اس وقت تایا جی کے گھر تھے۔

"کچھ دیر رکو، اتنی پیاری لگ رہی ہو۔" انہوں نے اسے پیار کیا تھا۔

"ماما پلیز! مجھے الجھن ہو رہی ہے۔" وہ بے بسی سے بولی تھی۔

"اچھا جاؤ، جلدی آنا۔" انہوں نے کہا تو وہ باہر کی طرف آگئی۔ دروازے پر اسے طلحہ مل گیا۔

"بہت پیاری لگ رہی ہو۔" طلحہ محویت سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کے اندر ایک عجیب سی اداسی نے ڈیرا ڈالا تھا۔

"انگوٹھی پسند آئی.....؟ دراصل یہ میری پسند نہیں ہے۔ میرا ایک دوست ہے احمد۔ اس نے پسند کی ہے یا یہ سمجھ لو کہ اس انگوٹھی نے اسے میرا دوست بنا دیا ہے۔ میں نے اسے مدعو کیا ہے۔ وہ ابھی آتا ہوگا۔ اسی کے انتظار میں تو یہاں کھڑا ہوں۔" یہ سب باتیں اس کے لیے معنی نہیں رکھتی تھیں مگر وہ چند لمحے اسے اپنے سامنے روکنے کی خواہش میں بولے جا رہا تھا۔

"طلحہ! تم یہاں کھڑے ہو اور وہاں ماہا کا [illegible] پکڑنے کے لیے تمہیں ڈھونڈا جا رہا ہے۔" اس کے ماموں کے بیٹے نے اسے آواز دی۔

"آؤ کرن! ماہا کو دوپٹا پکڑ کرواتے ہیں۔" وہ اندر کی طرف بڑھتے ہوئے بولا تھا۔

"میں کچھ دیر میں آتی ہوں۔" وہ باہر نکل آئی تھی۔

"معاف کیجیے گا طلحہ نیازی کا گھر یہی ہے۔" اس نے اپنے گھر کی طرف رخ کیا ہی تھا کہ پیچھے سے آواز آئی۔ اسے سو واٹ کا کرنٹ لگا تھا۔ اس شخص کو اس نے اتنا سوچا تھا۔ اتنا یاد تھا کہ اس کی آواز کی گونج ہر لمحہ اس کے ساتھ تھی۔ وہ ہزاروں میں بھی اس آواز کو شناخت کر سکتی تھی۔ اس نے آہستہ سے رخ موڑ کر اسے دیکھا۔

"ان سے کہیں احمد آیا ہے۔" شستہ انگریزی میں سیکیورٹی گارڈ سے کہہ رہا تھا اور وہ ساکت رہ گئی۔ وہ چہرہ نئے نام کے ساتھ اس کے سامنے تھا۔

"ایڈی!" اس کی آواز اس کے اپنے کانوں تک بھی نہ پہنچ سکی تھی۔

"کرن بیٹا! دیکھیں تو یہ انگلش بابو کیا کہہ رہے ہیں۔ ہماری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔" چوکیدار بابا بوڑھے تھے اور انگلش سے قطعی نابلد بھی۔ وہ چونک کر پلٹا تھا اور پھر ساکت رہ گیا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے، میری سوچوں نے اب روپ دھارنا شروع کر دیا ہے شاید!" وہ دھیرے سے بولتی گئی تھی۔ گھر تک کا فاصلہ اس نے تیز قدموں سے [illegible] اس کے ساتھ طے کیا تھا اور گھر سے باہر بنی بینچ پر بیٹھ گئی تب وہ آہستہ سے اس کے برابر میں آ بیٹھا۔ وہ دونوں چپ چاپ ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے حالانکہ دونوں کو ہی ایک دوسرے سے بہت کچھ کہنا تھا۔

"کیوں کیا آپ نے ایسا!" تین ماہ میں اس نے اس سوال کا جواب بہت تلاش کیا تھا۔

"میرے ماما پاپا یہودی ہیں، وہ جتنے مذہب سے قریب، میں اتنا ہی دور۔ یہ نہیں تھا کہ مجھے اس کی تعلیمات کا بھی علم نہیں تھا۔ مسئلہ یہ تھا کہ میں اس سے مطمئن نہیں تھا۔ ان دنوں میں جرمنی کی ایک فرم میں

نوکری کر رہا تھا۔ تبھی میری ملاقات اسٹارک سے ہوئی۔ بطور عیسائی مبلغ..... اور یہودیت کے مقابل عیسائیت میں اس نے مجھے بہت سی سچائیاں دکھانے کی کوشش کی تھی۔ اگرچہ میں فوراً ہی مطمئن نہیں ہوا تھا مگر پھر بھی مجھے کچھ سکون ملا تھا لیکن عیسائیت کے اجتماعات میں شرکت کرنے سے مجھے ایک الجھن ہوتی تھی کہ ہر مذہب صرف اسلام کے خلاف کیوں ہے۔ ہر مبلغ اسلام سے کیوں عداوت رکھتا ہے۔ میڈیا صرف مسلمانوں کو کیوں برا کہتا ہے۔ میرا ارادہ اسلام پر تحقیق کا بھی نہ ہوا تھا بس ایک الجھن تھی جس کا ذکر میں نے اسٹارک سے کیا تھا۔ کیونکہ میرا ٹرانسفر امریکا ہو گیا تھا اور اب میں اسٹارک کے بہت قریب تھا۔ وہ اکثر مجھے مذہبی اجتماعات میں لے جاتا تھا۔"

"یہ مذہبی لوگ مذہب اسلام کی اتنی برائی کیوں کرتے ہیں؟" ایک روز میں نے اس سے پوچھا۔

"وہ لوگ برائی کب کرتے ہیں، حقیقت بیان کرتے ہیں۔" اسٹارک نے مجھے گھور کر دیکھا۔

"لیکن یہ حقیقتیں صرف مذہب اسلام کے بارے میں ہی کیوں ہوتی ہیں؟"

"کیونکہ یہ لوگ ڈنڈے کے زور پر اپنا دین پھیلا رہے ہیں اور ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے معصوم افراد گمراہ نہ ہو سکیں۔ تم میڈیا پر دیکھو کتنے ہی باشعور لوگ ہمارے دین میں داخل ہو رہے ہیں۔ خود میری بیوی مارگریٹ بھی پہلے مسلم تھی۔"

"اچھا!" میں حیران ہوا۔ میں اس کی بیوی سے کئی بار ملا تھا۔ اس نے مجھے یہ تو بتایا تھا کہ جب سے اس نے یہ دین قبول کیا ہے وہ پرسکون رہتی ہے اور اسٹارک کے ساتھ خوش ہے لیکن مجھے یہ نہیں پتا تھا کہ وہ مسلم تھی۔ پھر اس کے بعد اسٹارک نے مجھے بتایا کہ اس کے گھر کے قریب ایک اجتماع ہو رہا ہے چرچ میں اور میں بھی اس میں شرکت کروں۔ مجھے یقیناً عیسائیت کی بہت سی خوشخبریاں سننے کو ملیں گی۔ سو میں آ گیا تھا۔ وہ پچیس اکتوبر کا دن تھا اور بہت بڑا اجتماع تھا۔ اس میں ہر مذہب کے لوگ تھے۔ میرے برابر والی کرسی پر ایک لڑکی بیٹھی تھی جس نے فروالا اوور کوٹ پہنا ہوا تھا اور سر پر اسکارف لیا ہوا تھا۔ عیسیٰ علیہ السلام کے لیے نعتیں پڑھی جا رہی تھیں۔ [illegible] رہا تھا۔ لوگوں کے چہروں پر بے پناہ عقیدت تھی سوائے اس کے چہرے کے، وہ قطعی اس روح پرور ماحول سے متاثر نہ تھی۔ پھر اسٹارک نے اپنا بیان شروع کیا۔ تقریباً بیس منٹ اس نے عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیا۔ وہ جب جب عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتا تو میں نے اس لڑکی کے لبوں کو بھینچتے دیکھا تھا۔ پھر وہ دین اسلام کا ذکر کرنے لگا۔ وہ خود اس دین سے عداوت رکھتا تھا اور سب کو اس دین سے نفرت کا درس دے رہا تھا۔" وہ خلا میں نظریں جمائے وہ منظر یاد کر رہا تھا۔ ان دونوں کی پشت طلحہ کے گھر کی طرف تھی۔ "میں کرن حیدر کی برابر والی سیٹ پر بیٹھا ایک بے چینی و بے قراری کو اپنی نس نس میں رچا ہوا پا رہا تھا۔ مگر وہ اپنی ماما کے ساتھ ہال سے باہر نکل گئی تھی۔ میں اسے روکنا چاہتا تھا مذہب اسلام کا تشخص جاننا چاہتا تھا۔ کیا تھا اسلام، لوگ کیوں اس سے اتنے بدگمان تھے، کیوں...... مجھے محسوس ہوا تھا کہ میں جس دین کی تلاش میں ہوں وہ مذہب اسلام ہے۔ میں ابھی اس لڑکی سے سب کچھ پوچھ لینا چاہتا تھا۔ پھر میں کرن کی غیر موجودگی میں اس کے پاپا سے ملنے جاتا رہا۔ میں اسلام کو اسٹڈی کرنے لگا تھا اور کرن کے پاپا میری رہنمائی کرتے تھے۔ مجھے لگتا کہ جیسے میرے اندر روشنی پھیلتی جا رہی ہے۔ میں جو گمراہ تھا بلکہ کفار میں شامل تھا۔ جانے رب کو میری کون سی نیکی بھا گئی تھی کہ اس نے مجھے درست راہ پر لگا دیا اور یہ سب اس لڑکی کے سبب تھا جس کی آنکھوں میں میں نے ایمان کی روشنی دیکھی تھی اور جس کی باتوں میں دین حق کی سچائی تھی۔ میں کرن سے اس لیے نہیں ملتا تھا کہ اسٹارک مجھ پر گہری نظر رکھتا تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ جب میں اسلام قبول کروں تو اسٹارک اور کرن مزید دشمن بن جائیں۔ میرا دل اسلام کی

حقانیت کو پہچان چکا تھا۔ اب اسلام کے اور میرے بیچ صرف ایک دیوار تھی اور وہ دیوار تھی میری ماں باپ سے محبت۔ میں اپنے والدین سے اتنی محبت کرتا تھا کہ انہیں چھوڑنے کے خیال سے بھی ہچکچا رہا تھا۔ لیکن مجھے انہیں چھوڑنا تھا۔ مجھے پتا تھا کہ میرے والدین کبھی ایمان نہیں لائیں گے۔

"انکل میں اسلام قبول کرنا چاہتا ہوں۔" اس روز میں نے کرن کے پاپا سے کہا، وہ بہت خوش ہوئے۔ اب مجھے تیاری کرنی تھی کہ مجھے کیا کیا چھوڑنا ہے۔ مجھے اپنے ماں باپ چھوڑنے تھے۔ مجھے اپنی جاب اور گھر چھوڑنا تھا۔ مذہب اسلام قبول کرنے کے بعد میرے پاس کچھ نہ بچتا لیکن جو مل رہا تھا اس کے لیے ہی تو دنیا بنی تھی۔"

"اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔"

"مجھے خوشی تھی اللہ عزوجل نے جن ﷺ کے لیے دنیا بنائی ہے اب وہ میرے نبی ﷺ ہونے والے ہیں۔ یہ ایک خوش کن احساس تھا اور میں خوش بھی تھا لیکن یہ محبت اتنی شدید تو شاید نہ تھی کہ میں اسٹارک کے قتل کا الزام ہی اپنے سر لے لیتا۔ چونکہ کیس یہ تھا کہ اسٹارک جوئے کی رقم ادا نہیں کر رہا تھا اس لیے ایڈولف نے اسے صرف مارا، قتل کا ارادہ نہ تھا۔ میری جرمن کمپنی نے میرے لیے کیس لڑا اور میرا پچھلا ریکارڈ بالکل بے داغ تھا جبکہ اسٹارک پہلے سے جوا اور شراب اور دیگر برائیوں میں ملوث پایا گیا تھا۔ اسی لیے مجھے آزاد کر دیا گیا اور یہودی ہونے کی بناء پر میں جیت گیا اور اس کے ڈیڑھ ماہ بعد میں نے مسلم ہونے کا اعلان کر دیا۔ اس سے پہلے ہی میں کمپنی سے مستعفی ہو گیا اور ایسی کمپنی میں جاب شروع کی کہ میں پاکستان آ گیا۔ جب میں نے یہ سب کیا تھا تو مجھے نہیں پتا تھا کہ میں یہ سب کیوں کر رہا ہوں۔ میں اگر متاثر ہوا بھی تھا تو اسلام سے ہوا تھا۔ اس لڑکی سے نہیں، پھر اس لڑکی کے لیے میں یہ سب کیوں کر رہا ہوں۔ حقیقت یہ تھی کہ اسلام کی سچائی مجھے اس لڑکی نے بتائی تھی ورنہ اس سے پہلے میں نے اسلام کو اسلام سے عداوت رکھنے والوں کی نظر سے دیکھا تھا۔ بے شک میں نے رسول کریم ﷺ کی عظمت کو پہچان لیا تھا لیکن فی الحال میں اس درجہ میں نہ تھا کہ ان کے گستاخ کو قتل کر ڈالتا لیکن قتل تو میں نے کیا ہی نہ تھا پھر الزام کیوں لیا؟"

وہ رک کر اسے دیکھنے لگا جو حیرت سے منہ کھولے اسے دیکھ رہی تھی۔ "کیا تم یقین کرو گی کہ میں اس وقت تم سے پیار نہیں کرتا تھا؟" وہ چونک گئی۔ یہ کیسا اعتراف تھا......؟

وہ کون سا یقین دلانا چاہتا تھا۔ "اس وقت میں صرف اسلام سے متاثر تھا۔ اس وقت میں اپنی محسن کو بچانا چاہتا تھا۔ میری محسن جس نے مجھے اسلام کی صحیح پہچان دے کر میری دنیا و دین سنوارا تھا۔ مجھے اس نے آخرت کے لیے بچایا تھا اور میں اسے دنیا میں بچانا چاہتا تھا اور مجھے خوشی ہے کہ میں نے اسے بچا لیا کیونکہ وہ مسلم ہونے کی بناء پر ہار جاتی اور میں یہودی ہونے کے باعث بچ گیا......" وہ بولتے بولتے چونک کر رکا تھا۔ اس کی نظر اس کے ہاتھ کی تیسری انگلی پر ساکت ہو گئی۔

"آپ کو پتا ہے میں نے آپ کے لیے بہت دعائیں کی تھیں، مجھے یقین تھا کہ آپ کو کچھ نہیں ہو گا۔"

"تم حرمین طیبین گئی تھیں؟" اس نے انگلی پر نظر ہٹائے بغیر پوچھا تھا۔

"میں وہاں کیسے جاتی؟" وہ بڑبڑائی تھی۔

"یہ انگوٹھی......؟" وہ کچھ پوچھنا چاہتا تھا شاید۔

"یہ میری منگنی کی انگوٹھی ہے۔" اس نے اس کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر ایک ویرانی سی پھیلی کہ اسے پہلی بار احساس ہوا کہ یہ ایک منگنی کی انگوٹھی نہیں بلکہ پھانسی کا پھندا ہے۔ پہلے وہ ہر احساس سے عاری تھی، اب اس کے اندر احساس زندہ ہونے لگا تھا۔

"میں کبھی خوش نہیں رہ سکتی۔" چند لمحے پہلے اسے یہی محسوس ہوا تھا۔ "میں اس شخص کے بغیر خوش نہیں ہو سکتی۔" اب صحیح ادراک ہوا تھا۔

"ٹھیک ہے میں چلتا ہوں۔" وہ کھڑا ہوا تھا۔

"کہاں؟" وہ اسے چھوڑ کر جا رہا تھا۔ وہ تڑپ گئی۔

"گھر، یہی ہے نا تمہارا! صبح میں بینک سروس کے ذریعے تمہاری رقم بھیج دوں گا۔ اس گھر کی قیمت۔ ماما پاپا اب وہیں رہتے ہیں اور مجھے مسلمان ہونے کے جرم میں انہوں نے اپنی محبت و شفقت سے عاق کر دیا ہے۔" وہ افسردگی سے مسکرا کر اسے اطلاع دے رہا تھا۔ "جب تم تمام امت مسلمہ کے لیے دعا کرو تو یہ ضرور کہنا کہ احمد کے ماما پاپا بھی اسلام قبول کر لیں۔ مجھے ان لوگوں سے محبت ہے۔ میں پوری کوشش کروں گا کہ وہ لوگ اسلام قبول کر لیں لیکن تم دعا ضرور کرنا۔ جس طرح تمہاری دعاؤں سے میں بچ گیا ہوں، مجھے یقین ہے آخرت میں وہ لوگ بھی بچ جائیں گے۔" وہ یک ٹک اسے دیکھ رہی تھی۔ "چلتا ہوں۔" اس نے پھر کہا۔

"آپ طلحہ سے مل لیں۔" وہ کھڑی ہوئی، وہ تاحیات اس کے ساتھ نہیں چل سکتی تھی، اپنی اس خواہش کو وہ چند قدم چل کر پورا کر لینا چاہتی تھی۔

"جو لوگ میری چیز لے لیں۔ ان سے ملنا مجھے اچھا نہیں لگتا۔" وہ پلٹ گیا تھا اور وہ سن رہ گئی۔ وہ اگر محبت کرتا تھا تو کچھ کہہ کیوں نہیں رہا تھا۔ اسے یوں چھوڑ کر کیوں جا رہا تھا۔

"وہ طلحہ تم......" اس کی آواز پر اس نے مڑ کر دیکھا۔ طلحہ کے ساتھ ماما بھی کھڑی تھیں اور پتا نہیں وہ دونوں کب سے وہاں تھے۔ ماما اور طلحہ کی حیرت کہہ رہی تھی کہ وہ بہت کچھ سن چکے ہیں۔

"طلحہ! آئی ایم سوری، اس وقت تمہاری پارٹی میں شرکت نہیں کر سکتا۔ کل تک زندگی رہی تو ضرور آؤں گا۔" وہ آگے بڑھ گیا تھا۔ طلحہ نے اسے نہیں روکا۔

"کرن! تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا یہ سب؟" ماما پریشان سی اس کے نزدیک آ گئیں۔

"ماما! اس نے مجھے قسم دی تھی کہ میں اب یا اپنی زبان پر نہ لاؤں کہ میں نے اسٹارک کو......" وہ ان کے کندھے سے لگ کر سسک گئی۔

"میں اس کی بات نہیں کر رہی ہوں، تم احمد کو پسند کرتی ہو۔ تمہیں مجھے یہ بتانا چاہیے تھا۔"

"میں آپ کو کیسے بتاتی ماما! مجھے تو خود ابھی تک پتا نہیں چلا کہ میں اس سے کب محبت کرنے لگی ہوں اور یہ محبت کبھی بھی ہوں یا نہیں۔ بس اسے سوچا بہت ہے اور محبت کی عجیب منطق ہے کہ جسے آپ ناپسند نہ کرتے ہوں اسے سوچیں تو آپ اسی سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ میں نہیں مانتی اس بات کو ماما!"

"سنو کرن! اسے روکو۔ اس سے کہنا طلحہ نے اسے یہ انگوٹھی گفٹ کر دی ہے۔" طلحہ اس کے قریب آیا تھا۔ ماما کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

"اور انگوٹھی والی......" وہ چونکی۔

"وہ اپنی مرضی کی مالک ہے۔" طلحہ کے لبوں پر افسردہ سی مسکراہٹ آ گئی۔ اس نے ماما کو دیکھا۔

"جلدی جاؤ۔ وہ گاڑی میں بیٹھ گیا ہے۔" ماما مسکرائیں تو وہ یک دم بھاگی تھی۔

"طلحہ! میری دعا ہے خدا تمہیں بہت نیک اور پیاری بیوی دے۔"

"شکریہ چچی!" وہ مسکرایا تھا۔

"میں تمہارا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گی۔ میں اپنی بیٹی کو خوش دیکھنا چاہتی تھی۔ مجھے لگتا تھا تم اسے خوش رکھ سکتے ہو اور واقعی تم نے اسے خوش کر دیا۔ وہ پہلے ہی اسے روک لیتی مگر میری پیاری بیٹی نے ہماری خوشی کے لیے اپنی خوشی کو قربان کرنا چاہا تھا۔"

"اب یہاں کھڑی مشکور ہوتی رہیں گی یا اندر چل کر سب کو بتانا بھی ہے؟" وہ اس بار کھل کر مسکرایا تھا۔ وہ اس کے ساتھ اس کے گھر کی طرف آ گئیں۔

کرن جب چینج کر کے واپس نہ آئی تو وہ وہاں سے چلی آئی تھیں پھر اسے بینچ پر بیٹھے دیکھ کر چونکیں۔ اگلے پل طلحہ بھی ان کے پاس آ گیا۔ وہ دونوں خاموشی سے کھڑے ان دونوں کو سنتے رہے تھے۔

"احمد! آپ نے کہا تھا نا کہ میں آپ کے ماں باپ

کے لیے دعا کروں۔" وہ جو ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر دونوں ہاتھوں کی انگلیوں سے اپنی دونوں کنپٹیاں دبا رہا تھا، چونک کر اسے دیکھنے لگا جو اطمینان کے ساتھ اگلا دروازہ کھول کر بیٹھ چکی تھی۔ "مجھے آپ کو بتانا ہے کہ میں نہ صرف ان کے لیے دعا کروں گی بلکہ ساتھ ہی کوشش بھی کروں گی اور ہاں آپ کی وہ منطق کہ "جسے ہم ناپسند نہ کرتے ہوں۔ انہیں سوچیں تو ان سے محبت کرنے لگتے ہیں۔" میں اس بات کو نہیں مانتی لیکن شکار ہو چکی ہوں، میں نے ان تین ماہ میں آپ کو اتنا سوچا، اتنا سوچا کہ......"

وہ رک کر اسے دیکھنے لگی۔ اس کی تمام باتوں کے پس منظر کو اس کا دماغ قبول کر رہا تھا اور اس کے لبوں پر مسکراہٹ بکھرتی جا رہی تھی۔ چند لمحوں قبل ہونے والا درد اچانک ختم ہوا تھا۔ "ظلی نے یہ انگوٹھی آپ کو گفٹ کی ہے۔" اس نے اپنی انگلی سے وہ انگوٹھی اتار دی۔

"اور انگوٹھی والی......؟" وہ چونکا۔

"وہ اپنی مرضی کی مالک ہے۔" اس کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

"اور اس کی مرضی کیا ہے؟" وہ بے قرار لہجے میں بولا تھا۔

"آپ کے ساتھ حرمین طیبین جانے کی۔" وہ برجستہ بولی تھی۔ وہ کھلکھلا کر ہنسا۔ اسی پل اس کا موبائل فون بجا تھا۔

"ماما کا فون ہے۔" وہ چونک کر اسے دیکھنے لگا تھا۔ وہ بھی چونک گئی تھی۔ اس نے اسپیکر کا بٹن دبا دیا۔

"جی ماما! آپ ٹھیک ہیں؟" وہ گھبرا گیا۔

"اپنے پیارے سے بیٹے کے بغیر اس کی ماما کیسے ٹھیک ہو سکتی ہے؟" ماما کے بجائے پاپا کی گمبھیر آواز ابھری تھی۔

"پاپا! کیا ہوا ماما کو؟" وہ پریشان ہو گیا۔

"بیمار ہیں اور تمہیں یاد کر رہی ہیں، لو بات کرو۔" پاپا نے انہیں فون دے دیا تھا۔ ماما کی آواز سے ہی ان کی بیماری کا اندازہ ہو سکتا تھا۔

"کہاں ہو؟" انہوں نے پوچھا۔

"جہاں بھی ہوں، وہاں آپ کے بغیر بہت اداس ہوں۔"

"تو یہاں آ جاؤ۔" وہ بھی اداس تھیں۔

"جہاں آپ ہیں وہاں میں آ نہیں سکتا۔"

"تو مجھے وہاں لے جاؤ احمد! تمہارے بغیر جی نہیں سکتی میں۔"

"ماما!" وہ حیران ہوا۔

"میں اور تمہارے پاپا مسلم ہو گئے ہیں۔"

"میرے لیے......؟" وہ چونکا۔

"نہیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لیے۔"

"جی کیا کہا......؟" اس کی آواز چیخ سے مشابہ تھی۔

"جس گھر میں ہم رہتے ہیں یہ ایک مسلم کا گھر تھا۔ ایک کمرے کی صفائی کرتے ہوئے مجھے ایک ڈائری ملی، وہ اس لڑکی کی ڈائری تھی جو مسلم مبلغ تھی۔ کرن حیدر نام ہے اس کا۔ سعیکا بتا رہی تھی کہ تم اسے جانتے ہو......"

"اس ڈائری میں ایسا کیا تھا ماما!" اس نے بے چینی سے ان کی بات کاٹ دی۔

"بہت کچھ تھا۔ حضور ﷺ سے محبت سے بھری پڑی تھی لیکن ایک تحریر جو میرے ایمان لانے کا سبب بنی تھی۔ "قرآن معجزوں کا معجزہ ہے۔ خوش نصیب ہے وہ جو ایک آیت پڑھ کر ایمان لے آتا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ایک معجزے پر [illegible] اسی پل ایمان لے آئے اور سجدے میں [illegible] حضرت نوح علیہ السلام کی نو سو سال تبلیغ [illegible] صرف چالیس لوگ ہی مسلمان ہوئے [illegible] سب غرق ہو گئے۔ بالکل اسی طرح جو ان آیتوں پر ایمان نہ لائے وہ بھی غرق ہو جائیں گے۔" اس تحریر کو پڑھنے کے بعد میں نے قرآن کو پڑھا۔ میں جاننا چاہتی تھی وہ کیا ہے جس پر ایمان نہ لانے والے سب غرق ہو جائیں گے اور اس کی پہلی آیت نے مجھے اسلام سے متاثر کر دیا۔ اس قرآن عظیم کے لانے والے ﷺ اور بھیجنے والے کا گرویدہ کر دیا۔

"وہ بلند مرتبہ کتاب (قرآن) کوئی شک کی جگہ نہیں اور راہ دیتی ہے پرہیزگاروں کو۔"

"اس نے مجھے اور تمہارے پاپا کو بھی راہ دے دی ہے۔ اب تم ہمارے پاس آ جاؤ یا ہمیں وہاں بلا لو، بلکہ سنو ہم لوگ اگلے ہفتے پاکستان جا رہے ہیں۔ سعیکا نے بتایا ہے کہ کرن پاکستان شفٹ ہو گئی ہے۔ ہم اس کا شکریہ ادا کرنا چاہتے ہیں جس نے انجانے میں ہم پر اتنا بڑا احسان کر دیا ہے۔ اب بتاؤ تم کہاں ہو اور اب تک گھر آ رہے ہو؟"

"میں پاکستان میں ہوں۔ اس وقت اپنی کار میں بیٹھا ہوں اور فرنٹ سیٹ پر کرن بیٹھی ہوئی ہے۔ میری دی ہوئی منگنی کی انگوٹھی ہاتھ میں لیے کچھ سوچ رہی ہے کہ اسے پہنے یا نہ [illegible] میں ایسا کرتا ہوں انگوٹھی واپس لے لیتا ہوں [illegible] آپ آ کر خود اپنی بہو کو پہنا دیجیے گا۔"

"جی، بیٹا [illegible]" اگلے پل ماما کے ساتھ ساتھ کرن بھی چونکی تھی۔

"اور اگر آپ دونوں یوں مل کر چیخ پکار کریں گی تو میں اور پاپا پاگل ہو جائیں گے۔" اس نے شرارت سے کہا تھا۔ کرن نے اسے گھور کے دیکھا تھا۔

"تم سچ کہہ رہے ہو۔ کرن تمہارے ساتھ ہے؟" دوسری طرف ماما نے پوچھا تھا۔

"جی ماما! لیں آپ بات کریں۔" اس نے موبائل فون کرن کو پکڑا دیا تھا۔

"السلام علیکم آنٹی!"

"وعلیکم السلام، جان یہ آنٹی وغیرہ مت کہو۔ میں نے بھی اپنی ساس کو کبھی آنٹی نہیں کہا تھا۔ اب میری بہو کیسے کہہ سکتی ہے؟ سیدھے سیدھے ماما کہو۔" وہ تو بیٹے سے بھی دو ہاتھ آگے ثابت ہو رہی تھیں۔ احمد کے نظروں میں شریر سی چمک ابھری۔ وہ جھینپ گئی۔

"ہم اگلے ہفتے آ رہے ہیں۔ اپنے ماما پاپا سے کہنا انکار کر کے ہمارا دل نہ توڑیں۔" ان کی بات پر وہ مسکرا دی پھر انہوں نے اسے بہت سی دعائیں دے کر فون بند کر دیا تھا۔

"واہ بھئی بڑی خوش قسمت خاتون ہیں آپ!" وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ "آپ نے ماما پاپا کے لیے کوشش کرنی چاہی تھیں لیکن بنا کسی کوشش کے صرف آپ کی ڈائری پڑھ کر وہ دونوں ایمان لے آئے۔ کوئی لمبا سفر نہیں کرنا پڑا، کچھ گالیاں کوسنے سننے کو نہ ملے اور یہ لمبی مسافت آپ نے پل بھر میں طے کر لی۔" اس کی بات پر وہ بے اختیار مسکرا دی۔ تبھی دوبارہ اس کا موبائل فون بجا تھا۔ وہ چونک کر نمبر دیکھنے لگا۔ کوئی نیا نمبر سکرین پر نمایاں ہو رہا تھا۔

"یس!"

"احمد! میں تیمور بول رہا ہوں۔"

"اوہ ہاں تیمور! کیا ہوا......؟ خیریت تو ہے نا؟"

"تو نے جو درخواست بھیجی تھی نا اپنی سعودی عربیہ کی کمپنی میں......؟"

"ہاں!"

"تجھے وہاں منتخب کر لیا گیا ہے۔ فی الحال تجھے دبئی میں نہیں حجاز میں بھیجا جا رہا ہے وہاں کوئی ذیلی آفس ہے۔ پھر تو کوشش کر کے دبئی شفٹ ہو جانا۔ مجھے یقین ہے تجھے جلد ہی بڑی پوسٹ مل جائے گی۔" وہ اور کیا کیا کہہ رہا تھا انہیں سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ وہ دونوں تحیر سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

"بنا کسی ریاضت کے......!" دونوں کے منہ سے ایک ساتھ نکلا تھا۔ دونوں کے چہروں پر خوشی کے رنگ تھے تو آنکھوں میں اس عظیم و مقدس سرزمین پر چند مہینے رہنے کے لیے آنسو بھی آ گئے۔ اس لمحے دونوں کو اپنی خوش قسمتی پر رشک آ رہا تھا کہ بنا کسی ریاضت کے انہیں وہاں تک بلا لیا گیا تھا جہاں جا کر رہنے والے کی خوش قسمتی پر کوئی شک ہو ہی نہ سکتا تھا۔

قسط نمبر 19

اور کچھ خواب

عشنا کوثر سردار

دل اس قدر اداس بھی پہلے کبھی نہ تھا
غم میرا اک رفیق تو تھا' زندگی نہ تھا
بکھری ہوئی تھی شہر میں چہروں کی بازگشت
جس شخص کی تلاش تھی' بس اک وہی نہ تھا

کیا معارج تغلق اتنا بڑا شعبدہ باز تھا کہ سارا کچھ پل میں اپنے بس میں کرنا چاہتا تھا یا پھر ارادہ اس کا دھیان بٹانے اور "اصل" سے ہٹانے کا تھا؟ آخر کس راز کی پردہ داری کرنا مقصود تھی؟

انانیا ملک نے اس کی آنکھوں میں دیکھنا چاہا تھا' مگر ایک شدید غصے کی لہر آئی تھی۔ وہ خود پر جیسے اختیار نہیں رکھ پائی تھی۔

"ریاکار ہیں آپ! آنکھیں صاف کہتی ہیں کہ انتہائی مکار ہیں۔" جلے کٹے لہجے میں وہ بولی تھی مگر وہ مسکرا دیا تھا۔

کتنے شریں ہیں تیرے لب کہ میں
گالیاں کھا کے بدمزا نہ ہوا

ایک مدہم سرگوشی فضا میں بکھری تھی۔ معارج تغلق کے لبوں پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ انانیا ملک کی جان جیسے کسی قیامت کے زیر اثر تھی۔ چہرہ دہک رہا تھا۔ رخسار تمتما رہے تھے۔

معارج تغلق نے اس کا چہرہ آہستگی سے اوپر اٹھایا۔

"اور کیا خصوصیات ہیں مجھ میں؟ آج وہ بھی گنوا دیں۔" وہ مدہم لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

"چالباز ہیں' جال بنتے ہیں اور سازشیں کرتے ہیں۔ میں بھی آپ کی کسی سازش کا حصہ ہوں۔ بکری بنا رہے ہیں آپ مجھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے وار کر دیں گے۔ میٹھی چھری ہیں آپ!" وہ زہر خند لہجے میں بولی۔

وہ بنا برا مانے مسکرا دیا تھا۔

"میرے اتنے قریب کھڑی ہو۔ میرے دل کی بات نہیں سن سکتیں اب بھی؟" وہ شکوہ کر رہا تھا۔ اس کا لہجہ نرم تھا مگر اس کی گرفت مضبوط تھی۔ اسے تکلیف کا احساس ہوا تھا۔ جانے اس کی جانب تکتے ہوئے آنکھیں کب نمی سے بھر گئی تھیں۔ وہ خود نہیں جان پائی تھی۔ معارج تغلق کو جیسے اس پر ترس آ گیا تھا تبھی اس پر اپنی گرفت نرم کی تھی اور پھر ہاتھ بڑھا کر اس کی آنکھ کے کنارے کی نمی کو اپنی پور پر لیا تھا۔

"ان قاتل نگاہوں سے یوں اتنے وار کرنا ٹھیک نہیں۔ میرا دل ناتواں ہے کچھ ہو گیا تو......؟" کسی خدشے کے پیش نظر اس نے کوئی حفاظتی بند باندھنا چاہا تھا یا پھر یہ کوئی چھوٹی سی شرارت تھی یا پھر وہ اس کی کیفیت سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

"اتنے حملے ایک ساتھ ٹھیک نہیں جاناں۔" وہ مسکرا رہا تھا اور اسے اپنی گرفت سے آزاد کر رہا تھا۔

"ایسا کیوں کر رہے ہیں؟ اس سب کے پیچھے مقصد کیا ہے اور اس کمرے میں کون ہے؟ کیا راز ہے جس تک پہنچنے سے مجھے روکا جا رہا ہے؟" وہ اسے پلٹتا دیکھ کر بولی۔

"کہا تو تھا میری گرل فرینڈ ہے اب اور کیا سننا چاہتی ہو۔" وہ پلٹ کر دیکھتے ہوئے نرمی سے مسکرایا جیسے اسے معمول کی کسی بات کے بارے میں آگاہ کر رہا ہو۔

"مجھے یہاں سے فرار پر مجبور مت کریں۔ سب چھوڑ چھاڑ کر نکل جاؤں گی۔ تو کیا عزت رہ جائے گی اس خاندان کی؟" انانیا ملک نے ڈرایا تھا اسے یا پھر یہ کوئی دھمکی تھی مگر وہ ہنس دیا تھا۔

"تم یہ شادی چھوڑ کر جا سکتی ہو؟" اسے جیسے اس کے کچھ بھی کہنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔

"میں آپ کی طرح گیدڑ بھبکیاں نہیں دیتی' نالفاظی کی قائل ہوں۔ میں جو کہتی ہوں وہ کرتی ہوں۔" وہ مضبوط لہجے میں بولی تو وہ مسکرا دیا تھا۔

"اب آپ یہاں سے چلیں گی یا میں اٹھا کر لے جاؤں؟" اس کا اطمینان ہنوز برقرار تھا جیسے وہ اس کی کمزوری سے واقف ہو جانتا ہو کہ وہ کچھ نہیں کر سکتی۔ انانیا ملک اسے ساکت نظروں سے دیکھنے لگی پھر خاموشی سے اس کے ساتھ چل پڑی تھی۔

✿✿

انابیتا بیگ میں اعتماد نہیں تھا۔ ایسا نہیں تھا مگر ایکسل کے بھائی کی مایوں کی تقریب میں دامیان سوری اسے اتنا زچ کیسے کر پایا تھا۔ وہ اپنے اتنے کمزور پڑنے پر خود حیران تھی۔

"کیا ہوا؟ تمہارا چہرہ اتنا ہونق اور زرد رنگ کیوں لگ رہا ہے؟" پارسا سے وہ ٹکرائی تھی جب اس نے پوچھا تھا۔ اس نے فوراً سر نفی میں ہلایا تھا۔ "کہاں تھیں تم؟ ہم تمہیں وہاں ڈھونڈتے رہے تھے۔" پارسا نے پوچھا تھا۔ اس نے خشک لبوں پر زبان پھیری تھی۔

"ایکسل کہاں ہے؟ مجھے انانیا کی طرف جانا ہے دیر ہو رہی ہے۔ میں اگر مزید رکی تو اس کی مایوں کی تقریب اٹینڈ نہیں کر پاؤں گی۔ ممی کا فون بار بار آ رہا ہے۔ وہاں سب میرا انتظار کر رہے ہیں۔"

"میں بلاتی ہوں۔" پارسا پلٹی تھی جب ایکسل ان کی طرف آتا دکھائی دیا تھا۔

"ایکسل مجھے انانیا کی طرف جانا ہے۔ تمہیں مجھے ڈراپ کرنا ہو گا ممی کی طرف سے بار بار کالز موصول ہو رہی ہیں۔ وہاں سب میرا انتظار کر رہے ہیں۔" انابیتا بیگ نے کہا۔

"ہاں مجھے یاد ہے تمہیں جانا ہے۔ رکو میں کسی کو بلاتا ہوں۔" ایکسل نے کسی کو اشارہ کیا تھا چونکہ اس کی پشت تھی وہ دیکھ نہیں پائی تھی۔

"میں خود چلتا مگر فی الحال یہ ممکن نہیں یہاں بہت کام ہے۔" ایکسل معذرت کرتا ہوا بولا۔

"کوئی بات نہیں۔" انابیتا بیگ کی ساری توجہ گھڑی پر تھی جب دامیان سوری اس کے قریب آن کر رکا تو وہ سمجھ نہیں پائی کہ اسے چھوڑنے کے لیے دامیان سوری کو بلایا ہے۔

"دامیان! تمہیں انابیتا بیگ کو ڈراپ کرنا ہے۔"

"اس وقت......؟" اسے حیرت ہوئی تھی۔

"کہاں؟"

"وہ تمہیں انابیتا بتا دے گی۔" ایکسل نے کہا تھا۔ دامیان سوری نے اس کی سمت دیکھا تھا۔

"چلیں۔" اس کے پاس اور حل نہیں تھا۔ سو اس صورت حال میں اسے بہتر یہی لگا تھا کہ وہ اس کے ساتھ چل دے۔ اس نے زیادہ نہیں سوچا اور آگے بڑھ گئی۔ وہ خاموشی سے اس سے دو قدم کے فاصلے پر چل رہا تھا۔ انابیتا بیگ نے اس کی پشت کو بغور دیکھا تھا۔ چوڑے شانوں میں اس کا کسرتی جسم نمایاں تھا۔ وہ مضبوط قدموں سے چلتا ہوا یکدم مڑا تھا۔ قریب تھا کہ وہ اس سے ٹکرا جاتی مگر اس نے قدم وہیں روک لیے تھے۔

"جانا کہاں ہے؟" اس نے براہ راست اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

"تغلق محل۔" وہ رسانیت سے بولی۔

"تغلق محل؟ وہاں کیوں خیریت......؟" تغلق خاندان اور محل اپنی سیاسی ساکھ کے باعث مشہور تھا تبھی دامیان پوچھنے لگا تھا۔

"میری کزن کی مایوں ہے آج۔ وہ اسی خاندان کی بہو ہے۔" اس نے مختصراً بتایا تھا۔

"اوہ میں سمجھا تمہارے محترم منگیتر کا تعلق اس تغلق محل سے ہے۔" وہ مسکرایا تھا۔

"لمحہ بھر کو میں تو متاثر ہو گیا تھا۔ لگا تمہارے منگیتر تو سچ میں تگڑے بیک گراؤنڈ سے تعلق رکھتے ہیں اور توپ چیز ہیں۔" وہ غالباً مذاق کر رہا تھا۔ پھر پلٹ کر اس کے لیے گاڑی کا دروازہ کھولا اور دوسری طرف سے جا کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

انابیتا بیگ نے آگے بڑھ کر فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی۔

"جلدی ڈرائیو کرو۔" یوں حکم دیا تھا جیسے وہ اس کا ڈرائیور ہو۔

"وہاں تمہارے منگیتر بھی مدعو ہیں جو اتنی جلدی ہے؟" دامیان سوری نے گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے پوچھا۔ انابیتا بیگ نے خاموشی سے اسے دیکھا تھا پھر بولی تھی۔

"اس سے آپ کو کوئی مطلب نہیں ہونا چاہیے۔ وہاں کوئی میرا انتظار کر رہا ہے یا نہیں یہ میرا ذاتی معاملہ

ہے۔" انداز میں لاتعلقی صاف ظاہر تھی۔ مگر دامیان سوری جیسے مصلحت پر مائل تھا۔ کسی بات کو لے کر کچھ خاص تاثر نہیں دے رہا تھا۔

"مطلب تو مجھے کوئی بے نہیں نا میں مطلبی ہوں مگر پوچھنے میں کیا جاتا ہے؟" دامیان سوری نے اس کو ایک نظر دیکھا تھا۔ پھر کیسٹ پلیئر آن کر دیا۔ بہت بہتر میوزک تھا۔ اناہیتا بیگ کو ناگوار گزرا تھا تبھی ہاتھ بڑھا کر پلیئر آف کر دیا تھا۔ دامیان سوری نے اسے دیکھا اور پھر آن کر دیا اور اناہیتا نے دوبارہ پلیئر آف کر دیا تھا۔ دامیان نے اکتا کر اسے دیکھا تھا۔

"کچھ ایسا نہیں لگ رہا کہ ہم شادی کے بیس سال ساتھ گزارنے کے بعد ساتھ سفر کر رہے ہیں اور یہ اکتاہٹ اسی بات کی ہے کہ بیس طویل سال ویسے نہیں گزرے جیسے تم نے توقع رکھی تھی۔" یہ حملہ اتنا اچانک تھا کہ اناہیتا بیگ اسے حیرت سے چونک کر دیکھنے لگی تھی۔

"کیا بکواس ہے؟" وہ چیخی۔

"بکواس نہیں ہے۔ مجھے ایسا لگا جو کھنچاؤ ہم میں ہے ایسا ان جوڑوں کے درمیان ہوتا ہے جو ایک دوسرے کے ساتھ چلتے چلتے تھک جاتے ہیں۔" وہ مسکرایا تھا۔ اس کا تجزیہ صحیح تھا یا نہیں یہ وہ نہیں جانتی تھی مگر وہ اتنا جانتی تھی کہ وہ اسے زچ کرنے کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا تھا۔

"کیا ہم یہ سفر تھا خاموشی سے کر سکتے ہیں؟" اس نے پوچھا۔

"میں خاموشی میں سفر کرنے کا عادی نہیں ہوں۔" وہ اس کی سمت دیکھے بنا بولا۔

"اور مجھے بولنے کی عادت نہیں۔" وہ لاتعلقی سے بولی۔ "تو ٹھیک ہے پھر آپ مجھے بھی بولنے سے باز مت رکھیں۔" وہ سکون سے بولا۔

"میرا ابھی دماغ خراب تھا جو ایکسل سے کسی کو چھوڑنے کے لیے کہہ دیا۔ اس سے بہتر تھا میں اناہیتا کو فون کر کے کسی کو پک کرنے کے لیے کہہ دیتی۔"

وہ غصے سے سرخ تمتماتے ہوئے چہرے کے ساتھ بولی اور رخ پھیر کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ دامیان سوری نے اس کے چہرے کو بغور دیکھا تھا۔ نگاہ چہرے سے مقناطیسی انداز میں کچھ کھوج رہی تھی وہ نہیں جان پایا تھا۔ مگر وہ اسے زیادہ زچ نہیں کرنا چاہتا تھا تبھی نگاہ اس کے چہرے سے ہٹا لی۔

❀❀

بعض رشتے کیسے جڑ جاتے ہیں وہ نہیں جانتی تھی۔ جب دل کی اپنی رو اندر سے کوئی رضامندی نہ ہو کوئی مجبوری بھی نہ ہو پھر کیا بات تھی جو یہ رشتہ بنا رہی تھی۔ کیا ہے جو اس کے قدم روک رہی تھی اور اسے باندھ رہی تھی۔ وہ سمجھ نہیں پائی تھی۔ اسے معارج تغلق کے نام کا ابٹن لگایا جا رہا تھا اور سب سے پہلے ابتدا اسی نے کی تھی۔ اس کے گال پر ابٹن لگا کر وہ بولا تھا۔

"لو آج تمہیں اپنے رنگ میں رنگ دیا فرار کے سارے راستے مسدود ہو گئے۔ اب پلٹ کر دیکھنے سے کچھ حاصل نہیں کیونکہ یہ رنگ اترنے والا نہیں ہے۔ ایک بار چڑھ گیا سو چڑھ گیا۔ اب یہ دن بدن اور گہرا ہوگا۔" اس کے لبوں پر ایک شرارتی مسکراہٹ تھی۔ وہ دیکھتی رہ گئی تھی۔

"بھائی بھائی کو ابٹن لگاؤ۔ تم رسم پوری نہیں کرو گی؟" ایشاع نے اسے یاد دلایا۔ تو مجبوراً اسے ہاتھ میں ابٹن لے کر اسے لگانا پڑا تھا۔ مگر یہ مرحلہ بہت مشکل لگا تھا۔

"کیا ہوا تمہارا چہرہ اتنا زرد رنگ کیوں ہے؟ ہلدی ہی مل جا رہی ہے تم کو ہونق کیوں ہو۔ جیسے تمہیں توپ کے آگے کھڑا کیا جا رہا ہے؟" اناہیتا بیگ نے اسے ابٹن لگاتے ہوئے اس کے کان کے قریب سرگوشی کی تھی۔ وہ دیکھ کر رہ گئی تھی پھر بولی تھی۔

"تم یہاں میرے پاس بیٹھ جاؤ۔"

"کیوں؟" وہ چونکی تھی پھر مسکراتے ہوئے بولی تھی۔

"معارج بھائی کے ہوتے ہوئے میں کیوں...... تمہیں کباب میں ہڈی چاہیے؟" اس نے چھیڑا تھا ساتھ ہی معارج کی طرف دیکھا تھا۔

"معارج بھائی! میری بہن کو اتنا ڈرا کیوں رہے ہو؟"

"میں نے کیا کیا ہے؟" وہ چونکا۔

"آپ کے ہوتے ہوئے وہ اتنی کھوئی کھوئی اور پریشان لگ رہی ہے۔ میری بہن کے چہرے کی مسکراہٹ غائب ہے اور آپ چاہتے ہو میں اس کی باز پرس بھی نہ کروں؟"

"تمہاری بہن کی مسکراہٹ کہاں کھوئی ہے؟" وہ بغور انایا ملک کے چہرے کو تکنے لگا تھا۔ اناہیتا نے گھورا تھا۔

"کمال کرتے ہو معارج بھائی کیسے شوہر ہو آپ! آپ کی بیوی کی مسکراہٹ کہاں کھوئی ہے۔ اب اس کا پتا آپ دوسروں سے مانگو گے؟"

"نہیں میں بڑے آرام سے ان کی مسکراہٹ ڈھونڈ سکتا ہوں۔ اس کے لیے مجھے اس ہجوم کی بھی پروا نہیں مگر پھر آپ کی بہن کو شکوہ ہوگا۔" وہ نظریں اس پر جمائے مدھم لہجے میں بولا۔ انایا ملک اس کی جانب دیکھ نہیں سکی تھی نگاہ جھکا گئی تھی۔ اناہیتا نے منہ پر ہاتھ رکھ لیا تھا۔

"آہ! معارج بھائی! کتنے بے شرم انسان ہیں آپ! کچھ بھی بول دیتے ہو۔ شرم لحاظ بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔" اناہیتا بیگ نے کلاس لی تو وہ مسکرا دیا۔

"پیار کے انداز ہوتے ہیں ان پر قدغن لگانا مناسب نہیں بند باندھنے سے بہاؤ اور بھی بڑھ جاتا ہے۔" وہ سرسری انداز میں بولا۔

"بند باندھنے ہیں یاد ہم بنا ہیں مگر فی الحال آپ کو اجازت نہیں۔ کوئی نگاہ غلط بھی مت ڈالیں۔" اناہیتا نے گھورا تھا۔

"آپ یہ نکتہ چینی کیونکر؟" معارج تغلق کو حیرت ہوئی تھی۔ "مسکراہٹ ڈھونڈنے کی درخواست تو آپ نے ہی کی تھی نا!"

"آپ کو بولنے کا خبط ہے۔"

"نہیں مگر اپنی بیوی کا خیال رکھنا ہم پر فرض ہے نا! پھر کوتاہی ہوگئی تو شکوہ آپ ہی لوگ کریں گے کہ

ہماری بنی کا خیال نہیں رکھ رہے۔"

"معارج بھائی! آپ کسی سیاست دان کی طرح بات کرتے ہو۔ انکل کے بعد کیا اب آپ بھی سیاست کے میدان میں چھلانگ لگانے والے ہو؟" اس نے مذاقاً پوچھا۔

"نہیں میں ایک وقت میں ایک محاذ پر ہی لڑ سکتا ہوں۔ میں شادی کررہا ہوں۔" وہ بہت سنجیدگی سے مذاق کررہا تھا۔

"تو پھر تیار ہوجایے۔ ہماری انا نیا بھی کیل کانٹوں سے لیس ہے آپ کو ایک ہی پل میں چاروں شانے چت کردے گی۔ تک نہیں پائیں گے آپ اس کے سامنے۔"

"بے فکر رہیں مجھے ناز برداریاں کرنا خوب آتا ہے۔ شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔" وہ بہت رسانیت سے بولا تو انابیتا بیگ نے گلاب جامن اٹھا کر ان کے منہ میں رکھ دیا اور مسکرادی تھی۔

"معارج بھائی! میری بہن کا بہت خیال رکھنا ہے آپ کو اسے کبھی اداس مت ہونے دیجیے گا۔"

"آپ بے فکر رہیں میں اس مشن پر آج سے ہی ڈٹ کر کام شروع کروں گا۔" اس نے جیسے قسم کھائی تھی کہ بات کا جواب سیدھے سے نہیں دے گا۔

"ویسے آپ کے ہاتھ کا کمال ہے یا کچھ اور یہ گلاب جامن کچھ اور بھی میٹھا ہوگیا ہے۔ شادی کے بعد آتی جاتی رہیے گا۔ زندگی میں مٹھاس کی کمی نہیں آنی چاہیے۔" معارج تغلق رشتوں کو لے کر فطری مذاق کرنا کب سے سیکھ گیا تھا؟ اسے خبر کیوں نہیں ہوئی تھی۔ انا نیا ملک اسے انابیتا بیگ سے مذاق کرتے دیکھ کر بولی تھی۔

"انابیتا! امی اور مامی کہاں ہیں؟ انہیں بھی بلاؤ۔"

"وہ وہاں آپ کی ساس کے پاس بیٹھی ہیں، میں دیکھ کر آتی ہوں۔" انابیتا بیگ بولی تھی اور ساتھ ہی اٹھ کر وہاں سے نکل گئی۔

"منہ کا زاویہ ٹھیک کریں مسز تغلق! میں کسی بات کو موضوع گفتگو نہیں بنانا چاہتا۔ ہماری شادی ہورہی ہے خوشی کا موقع ہے اور آپ تو یوں بھی دلہن ہیں۔ دلہن کے چہرے پر شرم و حیا کے رنگ ہوں تو زیادہ جچتے ہیں۔ خوف کے سایوں اور اندیشوں کو جگہ نہیں ملنی چاہیے۔ جو بھی ہے اسے بعد میں دیکھا جاسکتا ہے۔"

"مگر مجھے آپ کی طرح دہری زندگی جینے کی عادت نہیں۔" وہ اس کی بات کاٹ کر بولی تھی۔

"تو عادت ڈال لو۔ مشکل کیا ہے؟" وہ اطمینان سے کہتا ہوا کسی کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

"مجھے میٹھا بننا نہیں آتا۔"

"مٹھاس زیادہ کھایا کرو۔" وہ مسکرایا اور اس کے منہ میں مٹھائی رکھ دی۔

"کمال کرتی ہیں آپ نئی نویلی دلہن ہیں۔ آپ کو مسکرانے کے لیے کسی جواز کی ضرورت ہے کیا؟ ان دنوں میں تو بڑے سہانے خواب آتے ہیں۔ مزاج نیم سا بھی ہو تو لہجہ شیریں ہوجاتا ہے۔ کیکر بھی ہو تو گلاب بن جاتا ہے۔ آپ کو اتنی تنگ دلی کی ضرورت کیوں پڑ رہی ہے؟"

"میرا چہرہ کیکر ہے یا گلاب! آپ کو اس کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ جل کر بولی۔

"ضرورت ہے جاناں۔" وہ اس کے تخاطب پر چونکی۔

"نئی دلہن کو ان سب باتوں کا خیال رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے ان سب باتوں کو سکھانے کی میں ضرورت محسوس نہیں کرتا مگر کوئی کوتاہی اگر قصہ کہانی بنا سکتی ہے تو مجھے تو خیال رکھنا ہوگا۔" وہ اس کی جانب دیکھے بنا کہتا ہوا کسی کی جانب نگاہ ڈالتا مسکرا رہا تھا۔ شاید اسے اپنی خاندانی ساکھ کی فکر زیادہ تھی۔ اس کی خوشی سے بھی زیادہ.....! وہ اس کی پروا نہیں کررہا یہ کیا بات تھی۔

"یہاں اس تقریب میں بہت سے لوگ ہیں انا نیا! اور کتنے ہی رپورٹرز میں نہیں چاہتا ان کے ہاتھ کوئی کہانی لگے اور وہ نمک مرچ لگا کر اپنے نیوز چینل یا اخبار کی چاندی کردیں۔ اس شادی کو نارمل لگنا چاہیے اور اس کے لیے آپ کے چہرے کی مسکراہٹ بہت ضروری ہے۔ میرے بارے میں سوچیں، میری آنکھوں میں دیکھیں اپنا عکس دیکھیں۔ کوئی بھی ایک بات جو آپ کو مسکرانے پر مائل کرسکتی ہے وہ کریں۔ مجھے آپ کی مسکراہٹ چاہیے۔" وہ اسے اس طرح بولتا ہوا کوئی حاکم لگا تھا۔

"یہ حاکمیت آپ کی دنیا میں چلتی ہوگی مجھے محکوم بننے کی عادت نہیں ہے۔" وہ غالباً جھکنے کو تیار نہیں تھی۔ ان کے بیچ کا تناؤ بھی بڑھنے لگا تھا۔ جانے کیا سوچ کر اس کی آنکھیں پانیوں سے بھر گئی تھیں۔ وہ اس کی جانب متوجہ نہیں تھی غالباً خود کو مضبوط ظاہر کرنا چاہتی تھی اور اس لمحے اس سے اپنے آنسوؤں کو چھپانا چاہتی تھی۔

"مجھے سمجھ نہیں آرہا۔ میں اس سب کا حصہ کیوں ہوں۔ کیوں جھیل رہی ہوں اس ڈرامے کو اور.....!" وہ جیسے اپنے آپ پر غصہ نکال رہی تھی۔ معارج تغلق اسے دیکھتے ہوئے جانے کیوں مسکرا رہا تھا۔

"کیونکہ آپ کو مجھ سے محبت ہوگئی ہے۔ سو آپ اب دور جانا نہیں چاہتیں۔ تبھی تو آنکھوں میں خوشی کے آنسو آگئے ہیں۔" وہ چھیڑ رہا تھا تبھی ایشاع وہاں آگئی تھی۔

"بھابی! کیا ہوا؟ آپ کی آنکھوں میں آنسو..... اوہ! میں سمجھ سکتی ہوں اس موقع پر ایسی ہی کیفیت ہوتی ہے دل یونہی بھر آتا ہے۔ معارج بھائی! آپ یہاں اتنے پاس بیٹھے ہیں اور بھابی کو چپ تک نہیں کراسکے؟" ایشاع نے شکوہ کیا تھا۔

"بھئی اب اتنے ہجوم میں کیسے چپ کرایا جاسکتا ہے۔ اس کے لیے تو تنہائی درکار ہوتی ہے نا! اب یہ سب کے سامنے اپنی دلہن کے آنسو پونچھیں گے تو سب کے ہاتھ ایک رنگین کہانی لگ جائے گی۔" شرجیل نے پیچھے سے کہا تھا۔ ایشاع پلٹ کر اپنے شوہر کو گھورنے لگی تھی۔

"آپ سب مرد بھی نا ایک جیسے ہوتے ہو۔ سب کے سامنے رلا سکتے ہو آنسو پونچھ نہیں سکتے۔" اس نے انا نیا کے ساتھ بیٹھ کر پیار سے ساتھ لگایا تھا۔ شرجیل، معارج تغلق کے سمت دیکھتا ہوا مسکرادیا تھا۔

"دیکھ لو شادی کے بعد کی کہانی کیا ہوتی ہے۔ بیوی کا ہر "ناٹھیک ٹھیک" کہنا پڑتا ہے۔" شرجیل نے گویا جلے دل کے پھپھولے پھوڑے تھے۔ معارج تغلق مسکرادیا تھا۔

"اب اوکھلی میں سر دے ہی لیا ہے تو موسلوں سے کیا ڈرنا!" معارج تغلق کو کچھ تو بہادری دکھانا مقصود تھی یا پھر وہ سچ میں ہار ماننے والا نہیں تھا۔ شرجیل نے اس کا شانہ تھپتھپایا تھا۔

''شاباش، مردوں کے سر اسی طرح اٹھائے رکھنا۔'' شرجیل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ویسے سنا تھا کہ ''محبوب'' وہ جس کا ہر ''ناٹھیک ٹھیک'' لگے۔ مگر بیوی وہ ہے جس کا ہر ''ناٹھیک'' بھی ''ٹھیک'' سمجھ کر ہضم کرنا پڑے۔'' شرجیل کے کہنے پر معارج تغلق مسکرا رہا تھا اور اس کی تائید کی تھی۔

''صحیح کہہ رہے ہو بھائی! اب گلے پڑا ڈھول تو بجانا ہی پڑتا ہے نا!'' معارج تغلق نے کہتے ہوئے انائیا ملک کی طرف دیکھا تھا جو اس کی جانب قطعاً متوجہ نہیں تھی۔ ایشاع نے افسوس ناک انداز میں نفی میں سر ہلاتے ہوئے انائیا کو کھڑا کیا تھا۔

''چلو بھابی تھوڑا آرام کرلو۔ ان کے ساتھ بیٹھے رہے تو بس خون ہی جلے گا۔'' ایشاع کا ایسا کہنا انائیا ملک کو بہت غنیمت لگا تھا تبھی فوراً اٹھ کھڑی ہوئی تھی اور ایشاع کے ساتھ اندر کی جانب بڑھ گئی تھی۔



اناہیتا کو انائیا ملک نے وہیں روک لیا تھا۔ شاید وہ بہت تنہائی محسوس کررہی تھی اور زائرہ ملک کو بھی یہی مناسب لگا تھا کہ کسی کو میکے سے اس کے پاس رکنا چاہیے۔ وہ سارے ہنگامے کے بعد رات لان میں بیٹھی اناہیتا کے ساتھ کافی پی رہی تھی جب اناہیتا بیگ بولی۔

''تم بہت تھک گئی ہوگی نا!'' یہ شادی کے جھمیلے بڑے تھکا دینے والے ہوتے ہیں۔ اس کا اندازہ مجھے آج ہوا ہے۔ قسم سے میں چار پانچ سال سے پہلے تو بالکل بھی شادی کرنے والی نہیں۔'' وہ مسکراتی ہوئی بولی۔

''تم جب بھی شادی کروگی یہ سب تو ہوگا۔'' انائیا ملک نے کہا تھا۔ ''تم ابھی تک اتنا بھاری بھرکم لباس پہنے ہوئے ہو؟ میری وارڈ روب سے کچھ نکال کر چینج کرلیتیں نا!۔''

''بعد میں کرلوں گی میں دراصل کافی بنانے گئی تھی۔ وہاں ایشاع مجھ سے پہلے موجود تھی۔ سو بنانے کی نوبت نہیں آئی۔ اس نے کافی بنا کر مجھے ٹرے تھمائی اور میں یہاں آگئی۔ ویسے تمہاری سسرال اتنی بری نہیں ہے۔ اچھے لوگ ہیں۔ پڑھے لکھے خیال رکھنے والے اور بڑے لوگوں میں خواہ مخواہ کا دکھاوا ہوتا ہے نا! مجھے تمہاری سسرال میں وہ دکھائی نہیں دیا۔'' اناہیتا بیگ کہہ رہی تھی جب اس کا جھکا ہوا سر دیکھ کر چونکی تھی۔

''تم خوش ہو انائیا ملک!'' مگر انائیا ملک کچھ نہیں بولی تھی۔ اناہیتا بیگ نے اس کو پیار سے تھام کر ساتھ لگایا تھا۔

''انائیا! زندگی بہت عجیب ہے۔ یہ سب کو وہ سب نہیں دیتی جس کی ضرورت ہوتی ہے۔ مگر جو دیتی ہے اسے قبولنا ہمارے لیے ناگزیر ہوتا ہے۔ تمہاری شادی جن حالات میں ہوئی ہے اور ہورہی ہے۔ اس میں تمہارے لیے کوئی کشش باقی نہیں مگر......! مجھے لگتا ہے کہ تمہیں زیادہ سوچنا نہیں چاہیے۔ مانتی ہوں اتنا آسان نہیں ہے مگر اب کیا ہوسکتا ہے جب کہ تم یہاں موجود ہو اور اس سے باہر جانے کا کوئی راستا بھی نہیں۔''

''میں سمجھوتا کرنا نہیں چاہتی اناہیتا بیگ! کیوں کہ میں سمجھوتے اور یہ زبردستی کی شادی۔ جس میں میں صرف اس خوف سے بندھی ہوں کہ وہ اونچے حسب نسب سے ہے اور طاقت ور ہے۔ میں سوچ رہی تھی تو حیرت ہورہی تھی کہ میں کتنی بے خوف اور کمزور ہوں اور وہ شخص جانتا ہے کہ میں کتنی کمزور ہوں تبھی وہ تیس مار خان بنا پھر رہا ہے۔ میں اتنی کمزور کیوں بن گئی؟'' اس کی روہانسی آواز پر اناہیتا نے اس کی پشت کو سہلایا۔

''پلیز زیادہ مت سوچو۔ زیادہ سوچنے سے ذہن الجھتا ہے اور الجھنیں بڑھتی ہیں۔''

''میں اس سب کو چھوڑ کر بھاگ جانا چاہتی ہوں انا! مجھے یہاں نہیں رہنا۔'' انائیا ملک کا ضبط جواب دے رہا تھا۔ انا نے بہن کے آنسو پونچھے تھے۔

''دیکھو تم اس طرح کمزور پڑوگی تو میں بھی رو دوں گی۔ تم اگر اس شادی سے خوش نہیں ہو تو انکار کردو۔ ایسا کیا توپ کے آگے رکھ دیں گے تمہیں معارج تغلق!'' انا سے بہن کی تکلیف دیکھی نہیں گئی تھی۔

''میں کوئی تماشا کرکے اسکینڈل بنوانا نہیں چاہتی انا! یہ ڈراما جو ہورہا ہے بہتر یہی ہے کہ اسے اسی طرح ہونے دیا جائے اور اس کے بعد میں آرام سے علیحدگی لے لوں۔ میں نے وکیل سے بات کی تھی میرا بہت دم گھٹ رہا تھا میں اس سب سے نکلنا چاہتی تھی تبھی وکیل سے رابطہ کیا۔ اس نے کہا کہ بڑا خاندان ہے حسب نسب ہے وہ یقیناً کوئی بدمزگی یا اسکینڈل افورڈ نہیں کرنا چاہیں گے سو بہتر ہے کہ چپ چاپ اس ڈرامے کو چلنے دیا جائے اور بعد میں ڈراپ سین کردیا جائے۔'' انائیا ملک نے بتایا تھا۔

''تمہیں جو مناسب لگتا ہے تم وہ کرو انائیا! ہم سب تمہارے ساتھ ہیں۔ تم تنہا نہیں ہو۔ عدن بھائی ٹرپ سے واپس آجائیں تو میں ان سے بھی بات کرتی ہوں۔''

''مجھے وکیل نے کہا ہے کہ کسی کے خوف سے چپ ہوکر نہیں بیٹھا جاسکتا۔ کوئی کتنا بھی زور آور کیوں نہ ہو قانون سے بڑا نہیں اور اگر میرے جیسی پڑھی لکھی لڑکی اس طرح چپ کرکے بیٹھ جائے گی تو پھر انصاف کیسے ملے گا؟'' انائیا نے مطلع کیا تھا۔

''یہ تو ٹھیک ہے اگر تمہیں لگتا ہے کہ تمہارے ساتھ کچھ غلط ہوا ہے تو......!'' اناہیتا بیگ نے کہتے ہوئے چونک کر انائیا کی سمت دیکھا تھا۔

''انائیا ملک تمہیں نہیں لگتا معارج تغلق کا کوئی جھکاؤ تمہاری طرف ہے اسی لیے یہ سب ہوا؟''

''مجھے ایسا کچھ نہیں لگتا انا! ایسا کچھ ہوتا تو اس سارے ڈرامے کی ضرورت نہیں تھی جو اس نے میری منگنی والے دن سب مہمانوں کے سامنے اسلحے کے زور پر کیا۔'' انائیا ملک نے اس کے کہے کو رد کردیا تھا۔

''بہت بڑا ہے یہ گھر انا! مگر میرا دم بہت گھٹتا ہے۔ میں نے کسی ایسی شادی کا تصور نہیں کیا تھا۔ جیون ساتھی کا مطلب بہت مختلف ہے۔ معارج تغلق میں مجھے وہ کوئی ایک خوبی بھی دکھائی نہیں دیتی۔ اس نے اپنے آپ کو صرف مجھ پر تھوپا ہے اور اس بات کا میں اندازہ میں اسے جلد کرادوں گی کہ وہ کتنا غلط تھا۔ شادیاں اس طرح ہوتی ہیں رشتے اس طرح بندھتے ہیں۔ اس کی زبردستی سے صرف سکون جارہا ہے۔ اس کا احساس اسے دلانا بہت ضروری ہے۔ ہم ایک دوسرے کے لیے نہیں ہیں۔ ہمیں ایک دوسرے کے لیے نہیں بنایا گیا۔ اس کی کوئی محبت یا جھکاؤ ہے۔ اسے محبت سے کوئی واسطہ نہیں۔ محبت تو دور، وہ مروت برتنے کا بھی قائل نہیں ہے۔ رکھ رکھاؤ بھی صرف دکھاوے کو کرتا ہے۔''

''انائیا! میں یا کوئی اور شاید اس صورت حال کو اتنے اچھے نہیں سمجھ سکتا جتنا کہ تم سمجھ سکتی ہوں۔ زائرہ

پھوپو ہیں' ممی ڈیڈی' دادا ابا' عدن بھائی۔ ہم سب اگرچہ تمہارے خیر خواہ ہیں اور تمہیں خوش دیکھنا چاہتے ہیں مگر ہمیں اس تکلیف کا اندازہ اس طور نہیں جس طور تمہیں ہے۔ رونا' آنسو بہانا کمزور کرتا ہے اور کمزور پڑنا کسی مسئلے کا حل نہیں ہے۔ تمہیں ہر طرح کی صورت حال کے لیے خود کو تیار کرنا چاہیے۔ میں سمجھی تھی تم دماغی طور پر اس صورت حال کو قبول کر رہی ہو اور اس شادی سے خوش ہو مگر شاید میں غلط تھی۔'' انا بیگ نے اسے تسلی دی تھی تبھی کھٹکا ہوا تھا۔ دونوں نے پلٹ کر دیکھا تو وہاں بلی کے سوا کچھ نہیں تھا۔

✿ ✿

''تم اس طرح کہاں جا رہی ہو اس وقت؟'' معارج تغلق نے اسے شولڈر بیگ کاندھے پر ڈالے ہاتھ میں گاڑی کی چابی پکڑے دیکھ کر پوچھا۔

''میں ذرا آفس تک جا رہی ہوں۔ سارہ کا فون آیا تھا ایک اہم میٹنگ ہے اور وہاں میرا ہونا ضروری ہے۔'' انایا نے مطلع کیا۔

''ہمارے یہاں رسم ہے کہ لڑکی مایوں کے بعد گھر سے تنہا باہر نہیں جا سکتی۔ تمہیں کسی سے ملنا ہے تو اسے گھر بلالو'' معارج تغلق آج کچھ سنجیدہ لگ رہا تھا۔ جیسے اس کے اندر کچھ تناؤ کی سی کیفیت تھی۔ اس کی آنکھوں کی سرخی بتا رہی تھی کہ اندر کچھ اتنا پرسکون نہیں ہے۔

''یوں بھی آج آپ کی مہندی کی رسم ہے اور ایشاع آپ کے بارے میں دو بار پوچھ چکی ہے۔ غالباً اسے آپ کو کہیں لے جانا ہے۔'' اس نے سدرہ تغلق کی طرف دیکھا تھا جو سامنے سے آ رہی تھیں۔ اس کے پاس رک کر پیار سے اس کا چہرہ تھپتھپایا تھا اور بولی۔

''معارج! اگر جانا اتنا ہی ضروری ہے تو تم ساتھ چلے جاؤ۔ لڑکی مایوں بیٹھنے کے بعد تنہا باہر نہیں جا سکتی مگر دولہا کے ساتھ تو جا سکتی ہے نا!'' سدرہ تغلق نے حل پیش کیا۔

''مگر ممی! میں ساتھ نہیں جا پاؤں گا۔ مجھے ضروری میٹنگ میں پہنچنا ہے۔ جو کہ ان کی میٹنگ سے زیادہ اہم ہے۔ آپ خود ساتھ چلی جائیں یا ڈرائیور کو ساتھ بھیج دیں۔'' وہ کہنے کے ساتھ ہی باہر نکل گیا تھا۔

''یہ اچانک کیا ہوا تھا؟''

وہ اس طرح کا سلوک کیوں کر رہا تھا۔

کل تک کی ساری رواداری اور رہی سہی مروت بھی جاتی رہی تھی۔ تنہا سا وہ جا تا وہ اس کی ساری توجہ اپنے ساتھ کھینچ لے گیا تھا۔

''چلو میں تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔'' سدرہ تغلق نے مسکراتے ہوئے ملائمت سے کہا تھا۔

''اگرچہ کبھی تیمور تغلق کے ساتھ ان کے بزنس میں ہاتھ نہیں بٹایا مگر میں بزنس کی کچھ معلومات رکھتی ہوں۔ تم مجھ پر بھروسا کر سکتی ہو۔'' وہ اتنے پیار اور ملائمت سے مسکراتے ہوئے بولی تھیں کہ اسے لمحہ بھر کو اپنے رویے پر افسوس ہوا تھا۔

''نہیں ممی! اس کی ضرورت نہیں۔ میں اسے فون کر کے میٹنگ کینسل کروا دیتی ہوں یا اسے کہتی ہوں کہ سب خود سنبھال لے۔'' اس نے کہنے کے ساتھ ہی سیل فون پر سارہ کا نمبر ملایا تھا اور بات

کرنے لگی تھی۔

”سارہ! میرا آنا ممکن نہیں ہے۔ تم پلیز کسی طرح اس میٹنگ کو نمٹالو یا پھر ملتوی کردو۔ ہاں میں تم سے پھر بات کروں گی۔“ کہنے کے ساتھ ہی اس نے سلسلہ منقطع کیا تھا اور سدرہ تغلق کی سمت دیکھا تھا جو اس کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرا رہی تھیں۔

”مجھے خوشی ہوئی کہ تم تغلق خاندان کی بہو والے سارے رکھ رکھاؤ رکھتی ہو میرے ساتھ چلو۔“ سدرہ تغلق نے اس کا ہاتھ تھاما تھا اور اسے لے کر آگے بڑھنے لگی تھیں۔

وہ سمجھ نہیں پائی تھی کہ وہ اسے کیا دکھانا چاہتی تھیں یا کہاں لے جانا چاہ رہی تھیں۔

ایک بڑے سے کمرے میں لے جاکر انہوں نے اسے رکنے کا اشارہ کیا تھا پھر الماری میں سے کچھ ڈبے نکالے اور اس کی طرف واپس پلٹیں۔

”ارے! تم ابھی تک کھڑی ہی ہو؟ بیٹھ جاؤ نا! یہ تمہاری دادی ساس کا کمرا ہے۔ اس کمرے میں آنا جانا بہت کم ہوتا ہے۔ مگر ہم اس کمرے کی اہمیت کو جانتے ہیں۔ آج سے اٹھائیس برس پہلے میری ساس مجھے اس کمرے میں اسی طرح میرا ہاتھ تھام کر لائی تھیں اور آج میں تمہیں......!“ وہ بہت نرمی سے مسکرا رہی تھیں۔

انائیا ملک ان کے کہنے پر ان کے سامنے بیٹھ گئی تھی۔

”یہ تمہاری دادی کا خاندانی سیٹ ہے جو ان کی دادی ساس نے انہیں اس گھر میں آنے کے بعد دیا تھا۔ اس کا ڈیزائن پرانا سہی مگر یونیک ہے۔ تمہیں اگر پرانے ڈیزائن پسند نہیں بھی تو ان کو ایک مان سمجھ کر اپنے پاس رکھ لو۔ یہ وہ رسم ہے جس میں مجھے اپنی بہو کو ایک پرانی روایت سونپنا ہے۔ جس طرح کہ بھی یہ سب مجھے سونپا گیا تھا۔ دیکھو تم پر اچھا لگے گا نا!“ سدرہ نے ایک پرانے مگر انتہائی بیش قیمت قدیم ڈیزائن کے نیکلس کو اس کی گردن پر لگایا تھا۔

”ارے واہ میرے معارج کی دلہن تو بہت جچ رہی ہے۔“ وہ مسکرائی تھی۔ اس کی خاموشی سے شاید وہ سمجھی تھیں کہ وہ اس سب میں دلچسپی نہیں لے رہی یا پھر اسے یہ سب بہت پسند نہیں آرہا تبھی اس کے ہاتھ میں بہت قیمتی کنگن بہت آہستگی سے پہناتے ہوئے بولی تھیں۔

”بیٹا! پرانا صرف وقت ہوتا ہے۔ روایتیں یا رشتے نہیں۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم پرانے وقت کو نئے دور سے ہم آہنگ کریں مگر اس میں رشتوں کی مٹھاس بہت ضروری ہے۔ میری ساس نے مجھے اس کمرے میں بیٹھا کر کچھ گُر کی باتیں بتائیں تھیں اور آگے مجھے وہی مرحلہ تمہارے ساتھ طے کرنا ہے۔ کل میں نئی تھی آج تم نئی ہو۔ مگر فرق صرف یہ ہے کہ تیمور تغلق کو میں بہت اچھے سے جانتی تھی، سمجھتی تھی کیونکہ ہماری منگنی بچپن سے طے تھی۔ تمہارے معاملے میں یہ سب مختلف ہے اور تم جس طرح خاموش ہو اسے لے کر میں سمجھ سکتی ہوں کہ تمہارے دل میں کتنے اندیشے یا وسوسے ہیں۔ بیٹا! میں ایک گزارش کرنا چاہتی ہوں، ایک مرد بھی گھر نہیں بناتا مگر ایک عورت بناتی ہے۔ تم اس شادی اور گھر کو کبھی ٹوٹنے مت دینا۔ یہ شادی کسی بھی طرح سے ہوئی ہو مگر اس شادی کے معنی اور تعلق اپنے اندر بہت کچھ منوانے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے اور

اہمیت بھی۔ تم اس گھر کو چھوڑنے کے متعلق کبھی مت سوچنا۔ میں اپنے بیٹے کے مزاج کو جانتی ہوں۔ اس نے کبھی کوئی غلط قدم نہیں اٹھایا نا غلط فیصلہ کیا ہے۔ وہ اپنے آپ کو کسی جذبے کی نذر نہیں کرسکتا۔ یہ شادی جس طرح سے بھی ہوئی اس میں اس کی پوری عقل شامل رہی ہوگی۔ وہ کوئی لاابالی یا جذباتی قسم کا لڑکا نہیں ہے۔ جو پل میں فیصلہ کرکے اپنی اور دوسروں کی زندگی داؤ پر لگادے......!“ سدرہ تغلق اس کا ہاتھ تھامے بہت پیار سے سمجھا رہی تھیں اور وہ بس ساکت سی ان کی سمت دیکھ رہی تھی۔

”ہم سب بہت کھلے دل کے ساتھ تمہیں اس گھر کی بہو مان رہے ہیں اور تمہیں اس گھر میں اور دلوں میں اس طور جگہ دے رہے ہیں، جس طرح کہ ایک بہو کو ملنا چاہیے۔ تمہاری طرف سے کوئی کھوٹ یا ملاوٹ نہیں ہے۔ میں آج اس طور تمہیں اس گھر کی ساری ذمہ داریاں سونپ رہی ہوں، جس طرح کل مجھے سونپی گئی تھیں اس گھر کو کس طرح سنبھالنا ہے، کیسے سب کو جوڑ کر رکھنا ہے یا اور دیگر ذمے داریاں جس طور بھی عائد ہوتی ہیں، تمہیں آج سے ان سب کو نبھانا ہے۔ رشتوں کی پاسداری، تقدیس، مان، عزت اس سب کی ذمے داری آج سے تم پر ہے۔ تغلق خاندان کی نئی بہو ہونے کے ناتے اب تمہیں ہر ایک کا خیال رکھنا ہے۔“ سدرہ تغلق نے چابیاں اس کے ہاتھ میں تھمائی تھیں۔

”ممی یہ......“

”میں جانتی ہوں یہ ذمے داری بڑی ہے۔ مگر تمہارے سوا ہے کون جسے یہ سب سونپوں؟ تم میرے اکلوتے بیٹے کی دلہن ہو آخر کل کو تمہی نے یہ سب سنبھالنا ہے نا!“

”ممی! یہ ذمے داری بہت بڑی ہے سو ہے مگر آپ تو جانتی ہیں پتا نہیں میں اس گھر میں کب تک ہوں اور......!“ انائیا ملک نے کہا تھا۔

”ایسے مت کہو۔ بہت دنوں بعد اس گھر میں یہ خوشی آئی ہے، ہمارے یہاں رشتہ ایک بار جڑتا ہے اس خاندان کی روایتوں سے واقف ہوں میں...... صرف حسب نسب ہی اونچا نہیں ہے۔ مقام بھی اونچا ہے۔ تمہیں اس گھر میں کسی طرح کی کوئی تکلیف نہ ہو اس کا ذمہ ہم لیتے ہیں۔ ہم جب تمہیں اس گھر میں لائے تھے تو وعدہ کیا تھا کہ اس گھر میں ہم تمہیں اپنی بہو نہیں بیٹی بنا کر لے جارہے ہیں اور اس گھر میں ہمیشہ تمہیں بیٹی سمجھا جائے گا۔ یہ سارا کچھ وہ تھا جو کل مجھے سونپا گیا تھا اور آج میں تمہیں انائیا تغلق کو سونپ رہی ہوں۔“

انائیا ملک کچھ نہیں بول سکی تھی۔ مگر اس کی آنکھوں کی نمی کناروں کو پھلانگ کر باہر نکلنے لگی تھی۔ سدرہ تغلق نے اس کی آنکھوں کے کناروں کو پونچھا اور بہت پیار سے بولیں۔

”ان آنکھوں میں آنسو اچھے نہیں لگتے، اگر تمہاری آنکھوں میں دوبارہ کبھی آنسو آئے اور جو از معارج تغلق ہوا تو اس کا دونوں کانوں کے بیچ میں سر کردیں گے۔ بے شک وہ ہمارا اکلوتا بیٹا ہے مگر اس گھر میں یہی خاصیت ہے کہ یہاں رشتوں کی بونڈنگ ہے۔ ایک ربط اور گہرا تعلق ہے جو ایک دوسرے کو جوڑ کر رکھتا ہے اور کبھی الگ نہیں ہونے دیتا۔ تم اس گھر کا ہمیشہ کے لیے حصہ بن رہی ہو اور آج سے تمہارے خوش رہنے کی ذمے داری ہم پر عائد ہوتی ہے۔“

یہ کیا ہو رہا تھا؟

وقت اسے کیوں باندھ رہا تھا' جب وہ فرار کی کوئی راہ ڈھونڈ رہی تھی تو یہ کیسا ذمے داریوں کا بوجھ اس پر لاد دیا گیا تھا.....؟

اسے کیوں باندھا جا رہا تھا رشتوں کے نام پر اور پیار سے......!

بیٹا رواداریوں کا قائل نہ تھا اور ماں باپ محبت نچھاور کر رہے تھے۔ دلہن تو وہ ہوتی ہے جو پیا من بھائے! جب پیا ہی خوش نہیں تھا تو وہ کس کام کی دلہن تھی اور کس بل بوتے پر اس گھر میں تھی۔

سدرہ تغلق مسکراتے ہوئے اسے تمام زیورات دکھا رہی تھیں اور ساتھ ہی ان سے جڑی کہانیاں سنا رہی تھیں مگر اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا' آنکھوں سے جو منظر دکھائی دے رہا تھا' دماغ سے اس کا رابطہ بن نہیں پا رہا تھا۔

یہ کس موڑ پر تھی وہ؟

❁❁

انابیہ بیگ شام تک واپس لوٹ گئی تھی کیونکہ اس کی یونیورسٹی تھی اور دوسرے اسے پروجیکٹ پر کام بھی کرنا تھا اور دوسرے روز اس کی مہندی میں آنے کی تیاری بھی کرنا تھی۔ ایشاع اسے پارلر لے گئی اور کئی گھنٹے وہاں لگ گئے تھے۔ کافی تھکا دینے والا مرحلہ تھا یہ وہ بتا رہی تھی اس نے آئینے میں خود کو دیکھا تھا۔ سبز رنگ کے جدید تراش خراش کے لہنگے میں وہ خود اپنی پہچان میں نہیں آ رہی تھی۔

یہ روپ سروپ کس کے لیے تھا؟

اس کا دل اوب گیا تھا۔ نگاہ آئینے پر سے ہٹ گئی تھی۔

"بھابی! آج تو معارج بھائی کی خیر نہیں' جان مشکل میں آ جائے گی۔" ایشاع نے چھیڑا تھا۔

اس نے بے دھیانی سے اس کی طرف دیکھا تھا جیسے اس سارے قصے سے اس کا واسطہ ہی نہ ہو اور وہ جانتی ہی نہ ہو کہ ایشاع کیا بات کر رہی ہے۔

کیا وہ سچ میں اتنی غائب دماغ تھی؟ ایشاع اس سے کچھ کہہ رہی تھی جب اس کا سیل فون بجا تھا۔ اس نے سنا تھا اور پھر ایشاع کی طرف دیکھتے ہوئے بولی تھی۔

"ایشاع! مجھے ایک ضروری کام سے جانا ہے۔ میں تقریب شروع ہونے سے پہلے پہنچ جاؤں گی یا پھر میں فون کر دوں گی تم گاڑی بھجوا دینا۔"

"مگر بھابی ایسی کیا ایمرجنسی ہے؟" ایشاع اسے اس طرح جانے دینا نہیں چاہتی تھی۔ کیونکہ اس وقت یہ اس کی ذمے داری تھی' وہ اس کی ساتھی تھی۔

"ایشاع میرا جانا ضروری ہے' فکر مت کرو۔ میں ٹائم پر پہنچ جاؤں گی۔" کہنے کے ساتھ ہی وہ تیزی سے آگے بڑھی تھی۔

"لیکن بھابی آپ جاؤ گی کیسے..... اور بھی اسی طرح..... اس حلیے میں؟" ایشاع نے اسے احساس دلایا تھا کہ وہ اس وقت کیسی سج دھج سے تیار ہے۔ اس نے لمحہ بھر کو اس کی سمت دیکھ کر سوچا تھا پھر کچھ زیادہ قیمتی گہنے نکال کر اس کے ہاتھ پر دھر دیے تھے۔

"بھابی!" ایشاع حیران رہ گئی تھی۔

"ایشاع پلیز! سمجھنے کی کوشش کرو میرا جانا بہت ضروری ہے۔ میں تم سے وینیو پر ملتی ہوں۔" کہنے کے ساتھ ہی وہ پلٹ کر وہاں سے تیزی سے نکل گئی تھی۔

❁❁

انابیہ کو لائبریری میں مطلوبہ کتاب تلاشتے کچھ دیر ہو گئی تھی' اس کا اندازہ اسے تب ہوا تھا جب وہ تہہ خانے میں تھی اور لائٹ چلی گئی تھی۔ اس کا دل ایک لمحے کو ساکت رہ گیا تھا۔ وہاں بہت کم لوگ جاتے تھے اور وہ بھی اس وقت جب سارا کیمپس خالی ہو چکا تھا۔ تب تہہ خانہ میں کون ہوتا۔ اندھیرے میں اسے کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا اور دوسرا خوف کے مارے اس کا دل کانپ رہا تھا۔ ایک لمحے کو تو وہ اپنی جگہ سے ہل بھی نہ سکی تھی۔ اندھیرا اس قدر گہرا تھا کہ اسے کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اس نے اسی ایک جگہ قدم جمائے کھڑے رہنے سے وہاں سے ہٹنا اور باہر کی سمت کا راستہ تلاشنے کی ٹھانی تھی۔

"کوئی ہے وہاں..... میں یہاں تہہ خانے میں ہوں۔" ایک خوف کے باعث اس نے ٹٹول کر چلتے ہوئے سوکھے حلق سے بمشکل آواز برآمد کی تھی۔

"کوئی ہے وہاں اوپر پلیز کوئی روشنی کرو۔" وہ اپنا بیگ وہاں اوپر کاؤنٹر پر چھوڑ آئی تھی۔ اور سیل فون بھی اس میں تھا سو فوری طور پر اگر سیل فون کی روشنی سے راستہ تلاشنے کا خیال آیا بھی تھا تو وہ اس پر عمل درآمد کرنے کے قابل نہیں تھی۔

"کوئی..... آہ!" وہ ایک الماری سے ٹکرائی تھی' کتابوں کی وہ الماری اس پر آن گرنے کو تھی جب کسی نے ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا تھا۔

ایک مدہم سے شور سے بیسمنٹ کا حصہ گونج اٹھا تھا۔ یہ شور یقیناً اس الماری کے گرنے کا تھا۔ جس سے وہ ٹکرائی تھی۔ کس نے اسے اتنی سرعت سے اپنی طرف کھینچا تھا وہ نہیں جان پائی تھی۔ اس اندھیرے میں وہ ایک وجود کے قریب تھی اس کی گرفت میں تھی اور قدرے اوسان بحال ہونے پر اس کی سانسوں کی تپش اسے اپنے بہت قریب سنائی دی تھی اور ایک خوش بو اس کی ناک کے نتھنوں میں گھس رہی تھی۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا تھا اندھیرے میں اس کا چہرہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ غالباً اس کی مشکل حل کرنے کو مقابل نے لائٹر جلایا تھا۔

کچھ روشنی ہوئی تو مقابل کے چہرے کے نقوش' خدوخال کچھ نمایاں ہو کر دکھائی دیے تھے۔

وہ فوری طور پر اس سے دور نہیں ہٹ سکی تھی۔

مقابل کھڑے شخص نے اس کے گرد اپنی گرفت کو ڈھیلا کیا تھا۔ جس طرح وہ اسے اندھیرے میں بھی ایک بڑی مصیبت سے بچانے میں کامیاب رہا تھا۔ اس سے صاف پتا چل رہا تھا کہ وہ اس کا خیر خواہ ہے۔ مگر غالباً وہ اس کی اس اچھائی کو تسلیم کرنا نہیں چاہتی تھی۔

"ضروری نہیں کہ میں تمہارا سایہ بن کر ہر بار تمہارے ساتھ چلوں اور تمہاری حفاظت کروں۔ اپنے ان موصوف منگیتر کے خیالوں سے ایک لمحے کو باہر نکل کر عقل کے ساتھ سوچا کرو اور صورت حال کو دیکھا کرو۔

"اتنا گم صم رہنا اچھا نہیں ہوتا اناچا بیگ۔" دامیان سوری کی بھاری آواز نے وہاں کا سکوت توڑا۔

"میں....... وہ.......!" اس نے وضاحت دینا چاہی تھی۔

"اپنے منگیتر سے کہو تمہارے لیے باڈی گارڈ کا انتظام کردے۔ تم سے اپنی حفاظت آپ نہیں ہوتی۔" وہ اسے لتاڑ رہا تھا۔

"آپ سے کس نے کہا تھا کہ آپ میری مدد کو یہاں آئیں۔ منگیتر آ جاتا نا! مگر آپ کو مدد کرنے کی پڑی تھی۔ بڑے ہیرو ہیں نا آپ! اچھا تاثر جمانے کی بھی بڑی فکر ہے آپ کو اور پھر باتیں بھی سناتے ہیں۔" تھوڑی دیر قبل وہ جتنی ڈری تھی اور حواس باختہ دکھائی دے رہی تھی اس لمحے جاننے کے بعد کہ اس کے مقابل کون ہے اور وہ اس گھپ اندھیرے میں تنہا نہیں اس کا فطری اعتماد عود کر آیا تھا۔

"ماشاء اللہ! اوسان بحال ہوگئے؟ ابھی حلق خشک تھا آواز نہیں نکل رہی تھی اور اب پٹر پٹر سنا رہی ہیں۔ میں آپ کا منگیتر نہیں ہوں جو آپ مجھے اس طرح سنا لیں گی۔ ایک تو آپ کی جان بچائی' مدد کو آیا اس پر سننا بھی پڑ رہی ہے۔" وہ اسے ایک جھٹکے سے چھوڑتا ہوا بولا تھا۔

وہ تپتے ہوئے دیکھنے لگی تھی۔

"ایسے گھور کیا رہی ہیں آپ! ایسا کیا غلط کہہ دیا؟ شکر ہے' میں آپ کا وہ احمق منگیتر نہیں ہوں ورنہ ساری عمر جھیلنا پڑتا اور گلے پڑا ڈھول بجانا پڑتا۔" دامیان سوری بولا۔

"میری جان بچا کر آپ نے کوئی تیر نہیں مارا اور میں نے نام لے کر مدد کو نہیں پکارا تھا۔ آپ کو نہیں آنا تھا تو نہ آتے۔ اس طرح احسان مت جتائیں۔" وہ ایک تو اندھیرے میں اکیلی تھیں اس پر اس کی اتنی کھری کھری سن رہی تھی۔ آواز ایک پل میں روہانسی ہوئی تھی اور آنکھیں پانیوں سے بھر گئی تھیں۔

دامیان سوری کو اس پر جیسے ترس آ گیا تھا۔ جو بھی تھا اسے اس طرح اسے نہیں سنانا چاہیے تھا۔ دشمنی اپنی جگہ مگر انسانیت بھی کوئی چیز ہے۔ وہ تو یوں بھی دوست رہ چکا تھا اور اس پر کچھ نرم دل بھی تھا۔

"سنو!" اسے قدم اٹھاتے دیکھ کر پکارا تھا۔ مگر اس نے ان سنی کر دی تھی۔ وہ آگے بڑھا اور اس کی کلائی تھام لی۔ لائٹر کی روشنی میں اس کا چہرہ سنہری لگ رہا تھا۔ آنکھوں کی نمی صاف دکھائی دے رہی تھی۔ دامیان سوری کو احساس ندامت نے گھیر لیا۔ ایک لمحے میں ہاتھ بڑھایا تھا اور اس کی آنکھوں سے ستاروں کی می پوروں پر چن لیا تھا۔ وہ اس اقدام پر حیران رہ گئی تھی۔ اچانک ہوا تھا کہ وہ اس کا ہاتھ بھی روک نہ پائی تھی۔

"ایسے گھورو مت انارکلی! یہ میرا حق تھا۔" دامیان سوری مدھم لہجے میں گویا ہوا تھا۔

"یہ آنسو میں نے دیے تھے سو ان آنسوؤں کو پونچھنے کا حق بھی میرا ہے۔ تمہارے اس منگیتر کو کوئی اعتراض ہے تو ہوا کرے۔ مجھے اس کی پروا نہیں ہے۔"

وہ ہٹ دھرم لہجے میں بولا۔ اناچا بیگ نے اس کی سمت دیکھا تھا اور کچھ لمحوں تک دونوں کی نگاہ ساکت رہ گئی تھی۔

نگاہ سے نگاہ نے کیا کہا تھا؟

کیا وہ دونوں اس سے واقف تھے؟

"تم.......!" دامیان سوری نے پکارا تھا اور اس لمحے کا سارا جادو ایک لمحے میں ٹوٹا تھا

"سنو یہ نظروں کے تیر سنبھال کر رکھو۔ نگاہ میں جادو ہے تو کیا کسی کی بھی جان مشکل میں کر دو گی؟" وہ بولا۔

"دامیان سوری! مجھے اس لہجے کی عادت نہیں ہے۔ آپ کو اپنی حد بندیوں کو پہچاننا چاہیے۔" وہ تنبیہہ کرتی ہوئی بولی۔

"حد بندیاں ہی تو باندھ رہی ہیں مجھے' اگر تنہائی میں بھی فاصلے برقرار ہیں تو سوچو کیا چیز روک رہی ہوگی مجھے!" وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتا ہوا بولا۔

"دامیان شاہ سوری آپ.......!" اناچا بیگ نے کچھ کہنے کو لب کھولنا چاہے تھے جب اس نے اسے خاموش کر دیا۔

"سنو تم میں صلاحیت نہیں ہے نا تم میری لٹی میک سے بھی مقابلہ کر سکتی ہو مگر....... تم میں کچھ خاص ہے جو شاید اس لمحے تمہیں اس عام سے حلیے میں بھی بہت خاص بنا رہا ہے کہ میری نگاہ تم سے ہٹ ہی نہیں رہی۔"

کیا وہ مذاق کر رہا تھا؟

اناچا بیگ نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ کھینچا تھا اور پلٹ کر ٹنول کر سیڑھیوں تک کا سفر کیا تھا مگر وہ اس کے پیچھے چل رہا تھا' ہاتھ میں لائٹر جلائے اس کے لیے روشنی بناتا ہوا۔

یہ کیسی خیر خواہی تھی؟

وہ دوست تھا یا مخالف!

اور یہ بتاؤ کیسا تھا اگر دوستی ہی تھی تو رسم دوستی اتنی چھپ چھپ کر کیوں نباہی جا رہی تھی؟

وہ اتنا محتاط تھا یا صرف اسے زچ کر رہا تھا؟

یہ کوئی جلن تھی' حسد تھا جو اسے اناچا کے قریب کر رہا تھا یا.......!

وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔



"آپ کہیں جا رہی ہیں؟" لٹی میک نے زائرہ ملک کو تیار ہوتے دیکھ کر پوچھا تھا۔

"ہاں آج انایا کی رسم مہندی ہے ہم وہیں جا رہے ہیں۔"

"رسم مہندی؟ مگر وہ تو اپنی سسرال میں ہے نا! اور آپ نے تو بتایا تھا اس کی شادی ہو چکی ہے۔ کیا یہ سب رسمیں شادی کے بعد بھی ہوتی ہیں؟" لٹی میک نے پوچھا۔

زائرہ ملک مسکرا دی تھیں۔

"نہیں شادی کے بعد تو نہیں ہوتیں مگر یہ شادی اپنی نوعیت کی کچھ انوکھی شادی ہے۔ انایا کے سسرال والے تمام رسمیں شادی کے بعد کرنا چاہتے تھے سو.......!" اس نے زائرہ ملک کی جانب دیکھا تھا شاید بات تو اس کی سمجھ میں اس طور نہیں آئی تھی وہ سر ہلا کر رہ گئی تھی۔ "تم ہمارے ساتھ آنا چاہتی ہو؟" زائرہ ملک نے

ہاتھ میں بریسلیٹ پہنتے ہوئے پوچھا۔

''میں تو وہاں کسی کو بھی نہیں جانتی' وہاں جا کر کیا کروں گی؟ پھر لوگ آپ سے شاید سوال کریں گے کہ میں کون ہوں اور......!'' للی کہتے کہتے رک گئی۔

زائرہ ملک نے اس کی طرف دیکھا تو وہ اپنی عمر سے زیادہ سمجھدار تھی اور ایک لمحے میں ایک سمت سے نہیں ہر سمت سے جائزہ لیتی تھی۔ جو باتیں کوئی بردبار انسان سوچتا ہو گا وہ للی سوچتی تھی۔

کیا بروکن فیملی کے بچے اتنے سمجھدار اور وقت سے پہلے بڑے ہوتے ہیں؟

''تم ہمارے ساتھ آ سکتی ہو۔ مجھے کسی کے سوالوں سے ڈر نہیں لگتا' نا میں جواب دہی سے خوف زدہ ہوں۔'' زائرہ ملک نے ملائمت سے مسکراتے ہوئے اس کی سمت دیکھا۔

''آپ نے انائیا کو میرے متعلق بتایا ہے؟'' للی ملک نے پوچھا۔

''نہیں' ابھی تو نہیں بتایا۔ مجھے ٹائم نہیں ملا۔ وہ صرف ایک بار یہاں آئی تھی وہ شادی کی رسموں اور شاپنگ میں اس قدر مصروف رہی تھیں کہ ہمیں بات کرنے کا موقع نہیں ملا۔'' زائرہ ملک نے وضاحت دی۔

''کیا انائیا ملک جانتی ہے کہ جہانگیر ملک نے کوئی شادی بھی کی تھی؟'' للی ملک نے دریافت کیا۔

''نہیں' انائیا اس بارے میں کچھ نہیں جانتی۔ وہ اس معاملے پر بات نہیں کرتی۔ ہم ہمیشہ ایک دوسرے سے کنی کتراتے رہے' کبھی کھل کر بات نہیں کر پائے۔ انائیا نے کبھی جہانگیر ملک کا ذکر نہیں کیا۔ نا کچھ پوچھا۔ اسے شاید لگتا ہے کہ اس کا ذکر کرنا مجھے تکلیف دے گا اور وہ اپنی ماں کو کوئی تکلیف دینا نہیں چاہتی۔ اس کے اندر کوئی بھی احساس محرومی رہا ہو مگر وہ کبھی اس کمی کو لے کر مجھ سے بات نہیں کر پائی۔ اس کے کسی تاثر سے کبھی نہیں لگا کہ وہ اپنے باپ کو یاد کر رہی ہے یا کبھی یاد کرتی ہے۔'' زائرہ ملک مدھم لہجے میں بول رہی تھیں۔

''آپ کو اسے اس طرح علیحدہ نہیں رکھنا چاہیے تھا۔ رشتے ڈر اور خوف نہیں دیتے جو دیتے ہیں وہ رشتے نہیں ہوتے۔ آپ کو اسے اعتماد میں لے کر بتانا چاہیے تھا تا کہ وہ سچائی کو قبول کر سکتی اور......'' وہ بول رہی تھی جب وہاں انائیا ملک کی وہ کیوٹ سی بلی گیشا آئی تھی۔ للی اسے دیکھ کر مسکرائی پھر جھک کر گیشا کو گود میں لے لیا تھا۔

''یہ انائیا کی گیشا ہے نا!'' للی نے پوچھا۔

''ہاں' انائیا کی ہے۔ اسے اس کے شوہر نے شادی سے پہلے گفٹ کیا تھا۔ انائیا کے جانے کے بعد یہ بہت تنہا محسوس کرتی ہے۔ میں تو اسے وقت دے ہی نہیں پاتی' انائیا اس کو خوب ناز نخرے اٹھاتی تھی۔'' زائرہ ملک نے ساڑھی کا پلو درست کیا تھا۔ للی میک نے زائرہ ملک کی سمت دیکھا تھا۔

''آپ اتنی جاذب نظر ہیں۔ شاندار' باوقار شخصیت ہیں۔ جہانگیر ملک کو اور کیا چاہیے تھا'' للی صاف گوئی سے بولی تو زائرہ ملک ساکت رہ گئی تھیں۔ کچھ لمحے خاموشی میں گزر گئے تھے پھر زائرہ نے آئینے میں دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

''تم ساتھ چلنا چاہتی ہو؟''

''آپ جانتی ہیں' میں آپ سے کیا بات کرنے آئی تھی؟'' للی مسکرائی تھی۔

''میرے کہنے پر بھی نہیں چلو گی؟'' زائرہ ملک اس موضوع پر بات نہیں کرنا چاہتی تھیں۔

''میں بہتر نہیں سمجھتی۔ اس موقع پر انائیا ملک کے لیے کوئی چونکا دینے والی خبر بنانا نامناسب نہیں اس کی خوشی میں اسے خوش رہنے دیں۔ میں پھر بھی چلوں گی۔'' للی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''میں فی الحال آپ سے اجازت لینے آئی تھی۔ میری مالک مکان نے مجھے جگہ خالی کرنے کا کہہ دیا ہے اور میرے پاس رہنے کے لیے جگہ نہیں ہے۔ سو میں آپ سے پوچھنا چاہتی تھی اگر میں یہاں منتقل ہو جاؤں تو؟''

''اس کے لیے بھی تمہیں پوچھنے کی ضرورت ہے کیا؟'' زائرہ ملک ملائمت سے مسکرائیں۔ ''یہ تمہارا گھر ہے' تم جب چاہو آ کر رہ سکتی ہو۔ انائیا کے بعد یوں بھی میں اور تمہارے نانا بہت اکیلے پڑ گئے ہیں۔ ابا کو تمہارے آنے سے ایک اچھی صحبت مل جائے گی۔'' زائرہ ملک جیسے ہر شے کا مثبت پہلو ڈھونڈنا چاہتی تھیں۔ للی مسکرا دی تھی۔ ''اب مسکرا کیوں رہی ہو؟'' زائرہ ملک نے پوچھا تھا۔

للی نے سر نفی میں ہلا دیا تھا اور گیشا کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

''مجھے لگتا ہے یہ بھوکی ہے میں اسے کچھ کھلاتی ہوں۔'' وہ کہنے کے ساتھ ہی اٹھ کر باہر نکل گئی اور زائرہ ملک نے گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے باہر کی جانب چل دیں۔

''ابا! آپ تیار ہو گئے ہیں تو ہم نکلیں؟ وہاں سب انتظار کر رہے ہوں گے' ہم مایوں پر بھی اسی طرح لیٹ ہو گئے تھے۔''

''بس آ رہا ہوں۔ میری ٹائی نہیں مل رہی۔'' نانا کی آواز آئی۔

''وہیں ہو گی نا! دھیان سے دیکھیں۔'' زائرہ ملک نے کہا تھا۔ ''ٹھیک ہے میں جا کر گاڑی میں بیٹھتی ہوں۔ آپ آ جائیں اور گھر کو لاک کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ للی یہیں رہے گی ہماری غیر موجودگی میں......!'' زائرہ ملک مطلع کرتی ہوئی باہر نکل گئی تھیں۔

......❀❀......

''تم نے اس سے پوچھا نہیں تھا کہ وہ کہاں جا رہی ہے؟'' سدرہ تغلق نے گھڑی کو دیکھتے ہوئے پریشانی سے بیٹی کی طرف دیکھا تھا۔

''میں نے پوچھا تھا ممی! شرجیل باہر گاڑی میں تھے۔ وہ تیار تھی ہم بس نکل رہے تھے مگر تبھی بھابی کو کوئی ضروری فون آ گیا تو انہوں نے کہا کہ انہیں ضروری جانا ہے اور وہ مہندی کی تقریب سے قبل ہی وینیو پر پہنچ جائیں گی۔'' ایشاع نے بتایا۔

''وقت تو ہو چلا ہے۔ مہمان آنا شروع ہو گئے ہیں۔ ابھی تھوڑی دیر میں سب پوچھیں گے تو ہم کیا جواب دیں گے؟'' مسز تغلق پریشان دکھائی دی تھیں۔

''آپ نے معارج بھائی کو بتایا ہے؟'' ایشاع نے پوچھا۔

''نہیں! تم اس لڑکے کے مزاج کو جانتی ہو۔ الٹا آڑے ہاتھ لے گا کہ جانے ہی کیوں دیا اور وہ بھی اس

پر جب کہ تقریب سر پر ہے۔'' سدرہ سیل فون پر کوئی نمبر ڈائل کرتی ہوئی بولی تھیں۔ ''یہ انائیا کا سیل فون بھی نہیں لگ رہا۔'' وہ اکتا کر بولی تھیں۔

''میں نے بھی کئی بار ٹرائی کیا تھا مگر بھابی کو فون بند مل رہا ہے اور یہی بات میں آپ کو بتانے آئی تھی۔ ویسے آپ پریشان نہ ہوں' بھابی اتنی غیر ذمہ دار نہیں ہیں' وہ جانتی ہیں کہ اس تقریب کی اہمیت کیا ہے۔ وہ یقیناً کہیں پھنس گئی ہوں گی۔ اس شہر کی ٹریفک بھی تو عجیب ہے۔'' ایشاع نے کہا۔ تبھی معارج تغلق آتا دکھائی دیا۔

''ممی! معارج بھائی آرہے ہیں آپ بات کو سنبھال لیجیے گا۔ بھائی کو پتا چلا کہ بھابی پارلر سے کہیں گئی ہیں اور وہ بھی میری موجودگی میں تو وہ غصہ ہوں گے۔'' ایشاع بولی تو سدرہ نے سر ہلایا۔

''کیا ہوا! آپ لوگ اس طرح کیوں گم صم کھڑے ہیں؟''

''نہیں' وہ ہم......!''

''باہر اچانک ہی بارش شروع ہوگئی ہے اور ویڈنگ پلانر نئے سرے سے ہر شے مینج کررہی ہیں۔ ساری ارینجمنٹ پر پانی پھر گیا ہے۔''

''اوہ! مگر ابھی تھوڑی دیر پہلے تک تو موسم ٹھیک تھا۔ صرف گہرے بادل چھائے تھے' گمان نہیں تھا کہ بارش ہوگی کیوں کہ اس شہر کا معمول ہے کہ صرف بادل چھاتے ہیں پھر چاہے مون سون ہی کیوں نہ ہو' بارش نہیں ہوتی۔'' ایشاع بولی تھی۔

''میں مہمانوں کو دیکھتی ہوں' کہیں وہ بھیگ نہ گئے ہوں' عجیب افراتفری کا منظر ہوگا۔''

''نہیں' ایسا نہیں ہوا۔ ویڈنگ پلانر نے انہیں بڑے ہال میں پہنچا دیا ہے اور مہندی کی ارینجمنٹ بھی وہیں ہورہی ہیں۔'' معارج تغلق نے فون کان سے لگائے کسی سے بات کرتے ہوئے کہا تھا پھر چونکتے ہوئے ایشاع کی طرف دیکھا تھا۔

''تم یہاں ہو تو انائیا کہاں ہے؟ تم تو اس کے ساتھ پارلر گئی تھیں نا!''

''میں' میں انائیا کو پارلر ہی لے کر گئی تھی مگر......'' ایشاع سے جھوٹ بولنا محال ہوا تھا۔ سو وہیں رک گئی تھی۔ معارج تغلق نے اس کی سمت دیکھا تھا۔

''مگر......؟''

''وہ پارلر میں ہے۔'' سدرہ تغلق نے بات سنبھالی تھی۔

''مگر تم گھر کیوں آئی ہو؟'' معارج تغلق کو مطمئن کرنا آسان نہیں تھا۔

''وہ میں انائیا بھابی کا ڈریس لینے آئی تھی۔'' ایشاع نے بامشکل بات بنائی تھی۔ معارج تغلق نے اس کی سمت بغور دیکھا تھا۔

''ایشاع تم کچھ چھپا تو نہیں رہیں؟'' معارج تغلق کو جانے کیوں یقین نہیں ہوا تھا۔

''بھائی! میں کیوں چھپاؤں گی کچھ......؟'' ایشاع نے نارمل رہ کر مسکرانے کی کوشش کی تھی۔

''تمہارا چہرہ ایشاع! میں جانتا ہوں تم جھوٹ نہیں بول سکتیں اور اس وقت تمہارا چہرہ تمہاری آنکھوں

سے میل نہیں کھا رہا۔'' معارج تغلق ایک تیز حس کھیر تھا۔ ایشاع کو جھوٹ پکڑے جانے کا احتمال ہوا تھا۔ اس کی حالت غیر ہوئی تھی مگر تبھی ایک غیبی مدد رستم کی صورت آئی تھی۔

''صاحب! وہاں ہال میں آپ کو بلایا جارہا ہے۔'' رستم نے مؤدب انداز میں مطلع کیا تھا۔ معارج تغلق نے سر ہلایا اور پھر باہر کی جانب پیش چل دیا۔ ایشاع نے ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے ماں کی طرف دیکھا تھا۔

''ممی! مجھے تو بہت فکر ہورہی ہے' بھابی آخر گئی کہاں ہیں اور وہ بھی اس خراب موسم میں...... جب کہ یہاں سب ان کی آمد کے منتظر ہیں اور تقریب کے شروع ہونے میں بھی زیادہ دیر نہیں رہی۔'' سدرہ تغلق نے بیٹی کی طرف دیکھا تھا۔

''مجھے نہیں لگتا ہمیں یہ بات معارج سے چھپانا چاہیے۔ تم نے وقت دیکھا ہے ہم اس بات کو زیادہ دیر چھپا نہیں سکیں گے۔ میں صرف دس منٹ اور دیکھوں گی اور پھر معارج تغلق کو مطلع کردوں گی' ایسا ضروری تو نہیں کہ وہ کہیں ایمرجنسی میں گئی ہو وہ کسی مشکل میں بھی ہوسکتی ہے اور اب تو موسم بھی ٹھیک نہیں۔'' سدرہ تغلق پریشان دکھائی دی تھیں۔ ایشاع انائیا ملک کا سیل فون ٹرائی کرنے لگی تھی جو کہ مسلسل بند جارہا تھا۔

......❁❁......

''مجھے یہاں کیوں بلایا؟'' پارسا اس کے سامنے بیٹھی سپاٹ لہجے میں بولی تھی۔ یلماز کمال نے اسے دیکھا۔

''گلابو! اتنا بدک کیوں رہی ہو؟ میں نے تمہیں ڈیٹ کرنے کو نہیں بلایا۔ اس ریسٹورنٹ میں اس لیے بلایا تھا کہ یہاں پر لوگوں کا ہجوم ہوتا ہے اور تم خود کو اتنا بے سکون محسوس نہیں کروگی مگر تم ہر بار یہی سمجھتی ہو کہ میں نے اگر ملنے کو بلایا ہے تو یہ کوئی مہم ہے یا پھر مشن اور کہیں میں تمہیں اغوا نہ کرلوں۔''

''میں نے تمہیں کئی بار بتایا ہے کہ مجھے تم سے کوئی خوف نہیں یلماز کمال! مجھے ان گیدڑ بھبکیوں سے ہراساں کرنے کی کوشش مت کیا کرو۔''

''ہاں تم تو سپر مین ہو نا گلابو!'' وہ مسکرایا تھا۔ ''لیکن سپر مین تو آدمی ہوتا ہے۔ تم تو سپر وومین ہو۔ ایک دم کڑک' بہادر' گاؤں کی مٹیار۔'' وہ مذاق اڑاتے ہوئے مسکرایا۔ پارسا نے اسے خاموشی سے گھورا۔ ''ایسے گھور کیوں رہی ہو' لگتا ہوں سے قتل کرنے کا ارادہ ہے کیا؟'' وہ اسے چھیڑتے ہوئے بولا تھا۔

''میں ایسا کوئی ارادہ نہیں رکھتی۔'' وہ پُرسکون انداز میں بولی۔

''ڈرتی ہو نا! ڈر لگتا ہے نا!'' وہ مسکرایا تو وہ بغور اسے دیکھنے لگی تھی۔

''یلماز کمال! ایک مرد کی خاصیت ہوتی ہے' جسے کوئی لڑکی سب سے زیادہ پسند کرتی ہے اور اس کے قریب آتی ہے' تم میں وہ نہیں ہے۔ تم احساس تحفظ نہیں دیتے' تمہارے قریب آکر وہ احساس نہیں ہوتا کہ تم حفاظت کرسکتے ہو اور یہ تمہارا منفی پہلو ہے۔'' وہ جتاتے ہوئے بولی تھی مگر وہ اطمینان سے مسکرایا۔

''مجھے تمہاری حفاظت کرنے کا شوق نہیں ہے۔ نا میں تمہیں یہ احساس دلانا چاہتا ہوں۔ یہ احساس اپنے شوہر میں ڈھونڈنا۔ میں تمہارا شوہر نہیں ہوں۔'' وہ جتاتے ہوئے بولا۔

"تم میرے شوہر ہو بھی نہیں سکتے۔ میں مرجاؤں گی مگر تم جیسے کسی بندے کا انتخاب نہیں کروں گی۔" وہ سلگ کر بولی تو وہ اطمینان سے مسکرادیا۔ جیسے پُرسکون پانی میں کنکر اچھال کر مطمئن ہوا اور اس ہلچل سے محظوظ ہوا ہو۔

"تم نے یہی سب کہنے کے لیے مجھے یہاں بلایا تھا؟" پارسا چوہدری نے اکتائے ہوئے انداز میں اسے دیکھا۔

"تم سے ڈیٹ کرنے کا دل چاہ رہا تھا۔" یلماز کمال کو جیسے اسے زچ کرکے سکون ملتا تھا۔

"ہا......!" وہ اکتا کر دوسری سمت دیکھنے لگی۔ یلماز کمال نے پیکٹ نکال کر اس کے سامنے میز پر رکھ دیا۔

"تمہیں کھوئے کی مٹھائی پسند ہے نا! چاچی نے تمہارے لیے وہی بھیجی ہے۔"

"اوہ!" اس نے پیکٹ اور پھر اس کی سمت دیکھا۔

"اب ایسے کیوں دیکھ رہی ہو؟" وہ جواز چاہتا ہوا بولا۔

"سوچ رہی ہوں میرے اس گھر سے نکلنے کا جواز کیا تھا اور تمہارے اس گھر سے جڑے رہنے کی وجہ کیا ہے؟"

"گلابو! تم اتنا سوچنے کیوں لگی ہو؟" یلماز کمال اطمینان سے مسکرایا۔

"میرے سوچنے کا عمل تو تبھی شروع ہوگیا تھا جب تم نے حویلی میں قدم رکھا تھا مجھے ٹیوشن دینے کے لیے......!" پارسا چوہدری بولی۔

"اوہ! تم نے پہلے کبھی نہیں بتایا کہ تمہیں وہ بیتے دن اتنا ستاتے ہیں اور تم اکثر ان کے بارے میں سوچتی ہو؟" وہ چونکتے ہوئے بولا۔ "ویسے کہیں تمہیں مجھ سے عشق تو نہیں ہوگیا تھا؟" پارسا چوہدری نے اسے خاموشی سے دیکھا تو یلماز کمال کے لبوں کو مسکراہٹ نے چھوا تھا۔

"ویسے میں نے ان دنوں کو کبھی یاد نہیں کیا کیونکہ میری زندگی میں پیچھے پلٹ کر دیکھنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ میں آگے دیکھنے اور بڑھنے پر یقین رکھتا ہوں اور پھر یہ بھی ایک جواز رہا کہ میری زندگی میں بہت سی لڑکیاں آئیں، تمہارے علاوہ بھی...... مجھے تو ان کے نام بھی یاد نہیں۔ تعداد یاد رکھنا تو دور کی بات ہے۔ مجھے تو تمہارا نام بھی شاید یاد نہ رہتا۔ اگر تم میرے پیچھے پیچھے اس کیمپس میں نہ پہنچ گئی ہوتیں۔"

"میں اس کیمپس میں تمہارے لیے نہیں آئی تھی۔" وہ نگاہ پھیر کر بولی۔

"اچھا!" جانے وہ کیا جتاتا ہوا مسکرایا۔

"مجھے لگا تمہیں کچھ جتانا مقصود تھا سو تم نے کراچی کی دیگر یونیورسٹیوں کو چھوڑ کر اسی یونیورسٹی کا انتخاب کیا۔ کہیں تم وہ گلابو اور سینڈوسی لڑکی ہونے کا لیبل تو اتارنا نہیں چاہتی تھیں؟ یا پھر مجھ سے رابطے میں رہنے کی کوئی پیش رفت تھی......؟" وہ نظریں اس پر جمائے پوچھ رہا تھا۔

"تم کسی طرح کی خوش فہمی میں یا غلط فہمی میں مبتلا ہو رہے ہو تو میرے پاس اس کا کوئی علاج نہیں ہے۔" وہ لاتعلقی سے بولی۔

"مجھے تمہاری طرف سے کسی بھی مدد کی ضرورت نہیں ہے! نا میں تمہارا بیمار ہوں۔" یلماز کمال اپنے اندر جیسے کوئی لچک نہیں رکھتا تھا۔

"میں تمہیں اپنا بیمار بنانا چاہتی بھی نہیں میرا بس چلے تو......!" وہ سلگ کر کچھ بولتے بولتے رہ گئی۔

"ہاں تمہارا بس چلے تو تم جان سے ماردو۔ تم سے مسیحائی کی امید فضول ہے۔" یلماز کا انداز شکوہ کرتا ہوا تھا۔

"میں تم جیسے شخص سے نا تو ہمدردی کرنا چاہتی ہوں نا مسیحائی! میں کوئی واسطہ سرے سے رکھنا ہی نہیں چاہتی۔ تم بھی مجھے اشارے کنایوں سے رابطوں میں لٹنا چھوڑ دو۔" اس نے درخواست کی۔

"تمہیں مدد کی ضرورت ہے اور یہ بات تمہیں سمجھنے کی ضرورت ہے پارسا چوہدری!"

"مجھے تمہاری طرف سے مدد کی کوئی پیشکش قبول نہیں ہے یلماز کمال! اور میرے گھر سے اپنے رابطوں کو منقطع کردو۔ اگر میں وہاں نہیں ہوں تو تمہارے وہاں جانے کا جواز بھی نہیں بنتا جب کہ مجھے اس گھر سے باہر کرنے میں سب سے بڑا ہاتھ تمہارا ہی ہے، وجہ تم ہو۔" وہ روانی سے کہہ گئی۔ یلماز کمال نے اسے خاموشی سے دیکھا اور پھر اطمینان سے مسکرادیا تھا۔

"میرا تعلق تمہاری وجہ سے نہیں ہے یہ بات تم جانتی ہو اور مجھ پر الزام لگا کر تمہیں کچھ حاصل ہونے والا نہیں ہے۔"

"مجھے تم سے کسی چیز کے حصول کی نہ تو امید ہے نا ضرورت......!" پارسا چوہدری سخت لہجے میں بولی اور بیگ شولڈر پر ڈال کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ تبھی اس کا ہاتھ یلماز کمال کی گرفت میں آگیا تھا۔ پارسا چوہدری نے پلٹ کر دیکھا تھا، نگاہ سلگتی ہوئی تھی۔

"میں نے مٹھاس دی تھی۔ مٹھاس سونپنے کو یہاں بلایا تھا اور تم کتنا کڑوا بولتی ہو۔" اس نے شکوہ کیا۔

"میں یہاں تم سے فضول کی بحث کرنے نہیں آئی یلماز کمال! نا تمہیں شکوے کرنے کا کوئی حق ہے۔ جب بیج دانستہ بو کر کیکر اگا دو تو گلاب کاشت کرنے کا خیال دل سے نکال دو۔" اس نے ہاتھ بہت آہستگی سے اس کی گرفت سے نکالا اور باہر نکل آئی۔ ذہن سلگ رہا تھا۔



سدرہ تعلق اس بات کو مزید چھپا نہیں سکی تھیں۔ اس راز کو دبانا مشکل تھا جب کہ اناتیا ملک اب تک واپس نہیں پہنچی تھی۔ معارج تعلق کے سامنے سچائی رکھی تھی تو وہ ساکت رہ گیا تھا۔

"آپ یہ بات مجھے اب بتارہی ہیں اور پہلے کیوں ایشاع نے جھوٹ کہا کہ وہ گھر اناتیا کا ڈریس لینے آئی ہے؟"

"اسے احتمال تھا کہ کہیں تم ناراض نہ ہو اور غصہ نہ کرو۔ یہ ذمہ داری ایشاع کی تھی کہ اسے ساتھ رکھتی اور تیاری کے بعد گھر لے کر آتی مگر اناتیا کو کہیں ایمرجنسی جانا پڑ گیا تو اس میں اب کیا ہوسکتا ہے؟"

"ممی! آپ جانتی ہیں اس شادی سے اور آج کی اس تقریب سے زیادہ ضروری کام کوئی ہو نہیں سکتا۔ ایک لڑکی کی شادی ہو رہی ہو تو اسے سب سے خاص وہی کام لگتا ہے اناتیا کو ایسا کون سا ضروری کام آگیا

جو وہ یوں چپ چاپ نکل گئی؟'' معارج تغلق نے کہتے ہوئے فون پر اس کا نمبر ملا کر سیل فون کان سے لگایا تھا۔

''مجھے لگ رہا ہے وہ فرار ہوگئی۔'' اس کا فون بند پا کر وہ بڑبڑایا۔

''وہ فرار نہیں ہوئی ہے' انسان ہے۔ ایک کمپنی ان کر رہی ہے' اس کو بھی کوئی ایمرجنسی آ سکتی ہے۔'' سدرہ تغلق اب بھی مثبت انداز سے سوچتے رہنا چاہتی تھیں۔ معارج تغلق نے زائرہ ملک کا نمبر ملایا تھا۔

''جی ممی! کہاں ہیں آپ؟''

''ہم تو راستے میں ہیں۔ اتنی تیز بارش ہے اور ہماری گاڑی ٹریفک جام میں پچھلے ایک گھنٹے سے پھنسی ہے۔''

''اوہ! یہ تو اچھا نہیں۔'' معارج تغلق نے ہونٹ سکوڑے۔

''تقریب ابھی شروع تو نہیں ہوئی؟'' زائرہ ملک نے پوچھا۔ اس نے جس بات کے لیے فون کیا تھا وہ بات معلوم ہوگئی تھی کہ انائیا ملک ماں کی طرف نہیں گئی تھی اور جہاں وہ گئی تھی اس کے متعلق وہ یقیناً نہیں جانتی تھیں اور بالکل بے خبر تھیں۔ وہ بھی دیگر لوگوں کی طرح تقریب میں شرکت کے لیے آ رہی تھیں۔

تو پھر انائیا کہاں تھی؟ اور اچانک ایسی کون سی ایمرجنسی آن پڑی تھی جس کے لیے اسے اپنی شادی بھی یاد نہیں رہی تھی؟

''ممی! آپ کی شرکت کے بنا تقریب شروع ہو سکتی ہے؟ آپ رابطے میں رہیں' تقریب آپ کے آنے سے قبل ہرگز شروع نہیں ہوگی۔'' معارج تغلق نے سہولت سے کہہ کر فون کا سلسلہ منقطع کیا تھا۔ موسم خراب تھا اور ایسے میں اس کی تلاش ایک مشکل امر تھی جب کہ گھر مہمانوں سے بھرا ہوا تھا جو تقریب میں شرکت کے منتظر تھے۔ معارج تغلق کا انداز پُرسکون تھا۔ اس کے چہرے سے پتا نہیں چل رہا تھا کہ اندر کیا کیفیت ہے۔ وہ غالباً خود کو ہر طرح سے پُرسکون رکھنا جانتا تھا اور ہر صورت حال سے نمٹنا آتا تھا اسے۔ دوسرا نمبر اس نے سارہ کا ملایا جو کہ انائیا کی قریبی دوست تھی اور اسسٹنٹ بھی۔

''سارہ! انائیا تمہاری طرف ہے؟ میرا مطلب آج آفس میں کوئی اہم کام یا میٹنگ تھی؟''

''نہیں' انائیا میرے ساتھ تو نہیں...... آج تو اس کی مہندی کی رسم ہے نا اسے تو تقریب میں ہونا چاہیے۔''

''ہاں' مگر وہ یہاں نہیں ہے۔ کوئی اہم میٹنگ تھی جس کے بارے میں تم جانتی ہو؟'' معارج تغلق نے پوچھا۔

''ہاں یاد آیا میرے پاس وکیل کا فون آیا تھا' غالباً انائیا کی کوئی اپائنمنٹ تھی۔ میں نے وکیل کو اس کا ذاتی نمبر دے دیا تھا۔ غالباً وہ وہاں گئی ہوگی۔''

''کون سا وکیل؟ کیسی اپائنمنٹ؟ کوئی کمپنی کا معاملہ تھا؟''

''یہ تو میں نہیں جانتی۔ انائیا نے زیادہ نہیں بتایا مگر وہ وکیل ہماری کمپنی کا قانونی مشیر نہیں ہے۔ عموماً قانونی مشیر ہی کمپنی کے کام دیکھتا ہے۔''

''اس کا مطلب ہے میٹنگ میں ہوگی۔ وکیل نے انائیا کا ذاتی سیل نمبر مانگا تھا غالباً وہ صرف اس سے کاروباری رابطہ رکھتا تھا۔''

''اوہ!'' معارج تغلق کو معاملہ سنگین لگا تھا۔

''وکیل کا نام بتاؤ۔''

''مسٹر لاکھانی!'' سارہ نے بتایا۔

''پورا نام بولو!'' انداز تناؤ بھرا اور لہجہ پُرسکوت تھا۔

''رئیس لاکھانی!'' سارہ نے بتایا تھا اور اس کے لیے سارا معمہ آسان کر دیا تھا۔ اسے سارا معاملہ سمجھنے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔ اس نے فوراً اس وکیل کا نمبر حاصل کیا تھا اور رابطہ کیا تھا۔

''مسز انائیا تغلق آپ سے ملنے آئی تھیں' کہاں ہیں وہ' بات کروائیں؟''

''سوری سر! وہ اس وقت تو یہاں نہیں ہیں۔ وہ میٹنگ کے لیے ضرور آئی تھیں مگر وہ تو یہاں سے جا چکی ہیں۔ میں نے پیشکش کی تھی کہ میرا ڈرائیور انہیں ڈراپ کر دے گا مگر انہوں نے منع کر دیا تھا۔ انہیں غالباً کوئی پک کرنے آ گیا تھا۔'' رئیس لاکھانی نے بتایا تھا۔

''کون؟'' معارج تغلق چونکا تھا۔

''یہ تو میں نہیں جانتا۔'' وکیل نے لاعلمی کا اظہار کیا۔

''اوہ!'' معارج تغلق نے ہونٹ سکوڑے تھے' اندر یک دم سے ایک فشار نے سر اٹھایا تھا۔ اس کی آنکھوں میں سرخی اتر رہی تھی شاید وہ اپنے ضبط کو بہت زیادہ آزما رہا تھا اور خود پر سخت بند باندھ رہا تھا۔

''آپ فکر مت کریں وہ شاید ٹریفک جام میں پھنس گئیں ہوں گی۔ آج بارش کے باعث شہر بھر کی ٹریفک بُری طرح جام ہے۔'' رئیس لاکھانی اس کی حیثیت اور مرتبے کے باعث بہت محتاط انداز میں بات کر رہا تھا' ساتھ ہی اسے مدد بھی دے رہا تھا۔ وہ اس خاندان کے سیاسی اثر و رسوخ سے یقیناً واقف تھا اور معارج تغلق کے اس طرح فون کرنے پر کچھ گھبرایا تھا۔

معارج تغلق نے کچھ کہے بنا فون کا سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔

کس کے ساتھ تھی انائیا؟

کون ملنے آنے والا تھا اسے؟

کس کے ساتھ جانا تھا اسے...... وہ بھی عین اس دن جب اس کی مہندی کی تقریب پر کئی لوگ اس کے منتظر تھے...... معارج تغلق کا ذہن جل رہا تھا اور دل میں بہت سی سوچیں گھر کر رہی تھیں۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ)

خواہش ناتمام

حمیرا نگاہ

آزمائش رشتوں میں ضروری ہوتی ہے
نہ مل پانا کسی کی مجبوری ہوتی ہے
یاد تو دور سے بھی کر سکتے ہیں لیکن
مل کے ہی دل کی حسرت پوری ہوتی ہے

''یہ نام پاکستان صرف سات حروف کا مجموعہ تو نہیں، یہ تو سو سالہ تاریخ سے حاصل کیے گئے سبق کا نتیجہ ہے۔ اقبال کے خواب کی تعبیر ہے، قائد کے تدبر کا شاہکار ہے، ایک تحریک کا نصب العین ہے، ایک قوم کا نظریہ ہے، ایک کارواں کی منزل مقصود اور ایک تہذیب کا نقش اولین ہے، مشاہیر اسلام کی شبانہ روز کاوشوں کا انعام اور اللہ تعالیٰ کی مشیت کا ظہور ہے۔'' وہ اپنی تاریخ کی کتاب سے چند سال قبل پڑھے جانے والے سبق کو ہال میں بیٹھے ہوئے لوگوں کے سامنے دہرا رہا تھا۔

''تو کیا ہم اقبال کے خواب کو، قائد کے تدبر و فراست کو اور اس عظیم الشان تحریک کے نصب العین کو بھلا دیں؟ اس سے سبق سیکھنے کے بجائے اسے سکھانے کی بات کریں۔ اس عظیم قائد کی بلند کرداری، ذہانت، جہد مسلسل، نصب العین اور شرافت پر خود غرضی، جاگیرداری اور عیش پرستی کو مقدم [illegible] ثابت قدمی اور بلند حوصلگی کے بجائے [illegible] اور پرفریب چالوں کا استعمال کریں تاکہ دو سو سالہ قربانیوں کا نتیجہ سو فیصد کے بجائے ایک فی صد بھی نہ آئے کیوں؟ آخر کیوں.....؟'' ہال تالیوں کی آواز سے گونج اٹھا تھا۔

''ہم نے ہمیشہ تاریخ سے سبق لینے کے بجائے اسے سکھانے کی کوشش کی ہے تبھی تو اس حال تک پہنچے ہیں۔ ہم گزرے لمحات کی گرفت میں [illegible]'' وہ چند لمحے رکا سامنے بیٹھے لوگوں کو اپنی نظروں کی گہری گرفت میں لیا اور بولا۔

''لیکن ہم اس گرفت سے نکلنے کی کوشش کرتے ہیں، یہ جانتے ہوئے کہ تاریخ اپنا ایک الگ تشخص رکھتی ہے اس کے دامن کی ہر لکیر ماضی کا [illegible] کرتی ہے۔ جن پر چل کر قومیں اپنا مستقبل تلاش کرتی ہیں۔'' وہ آہستہ آہستہ مدلل انداز میں بول رہا تھا اس کی آنکھوں میں سختی تھی لیکن دل اس دکھ پر رو رہا تھا جو اس کی دھرتی کا دکھ تھا..... اس کی ماں کا دکھ تھا..... ارض پاک پر بسنے والے ہر ایک

محب وطن کا دکھ تھا۔

"قصہ مختصر حاضرین محفل کہ ہم سب نے 'میں نے' آپ نے' بحیثیت قوم سوچنا چھوڑ دیا ہے' ہم صرف بحیثیت فرد سوچتے ہیں پہلے اپنا مفاد دیکھتے ہیں' چاہے اس مفاد میں ارض پاک کی جڑیں کھوکھلی ہو جائیں۔" وہ سانس لینے کو رکا تو ہال ایک مرتبہ پھر تالیوں کی آواز سے گونج اٹھا۔

"ہماری رگوں میں مصنوعی روشنی سے اندھیرا اتارا جارہا ہے ہم کب تک مدہوش دماغوں کے ساتھ اپنے لاغر وجود کو گھسیٹتے رہیں گے..... آخر کب تک؟" اس نے فرط جذبات میں نم آنکھوں سے کہا۔ "کہنا صرف یہ ہے کہ تھوڑی سی ہمت' تھوڑا سا حوصلہ' خدا پر یقین' نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان اور اپنی قوت ایمانی پر بھروسا' باقی تقدیر خود سنبھال لے گی۔ شکریہ۔" وہ سپاٹ چہرہ لیے اسٹیج سے اتر رہا تھا تالیوں کی زوردار گونج بھی اس کے چہرے پر مسکراہٹ نہ بکھیر سکی جو بکھرے ہوئے ہوں انہیں جوڑنے میں تھوڑا وقت تو لگتا ہے نا..... وہ تقریری مقابلوں میں کسی انعام کے لالچ میں حصہ نہیں لیتا تھا اس کے گھر کی الماریاں اس کے انعامات سے بھری پڑی تھیں۔ وہ تو پانچ دس منٹ اسٹیج پر کھڑا ہو کر اپنے اندر لگی آگ پر پانی کے چھینٹے ڈالنے کی کوشش کرتا تھا۔ اسے یقین تھا کہ ہمیشہ کی طرح اس مرتبہ بھی پہلا انعام اسے ہی ملے گا' لیکن اس کے باوجود اس نے وہاں سے نکلنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔



"حاطب ابھی تک نہیں آیا' اتنی دیر تو اس نے کبھی نہیں لگائی۔" زہرا بیگم لاؤنج کے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے بولیں۔

"بیٹھ گیا ہوگا کہیں دوستوں میں وہ اور کر بھی کیا سکتا ہے۔" چاول صاف کرتی ہوئی طلب پھوپو کی طرف دیکھ کر بولی' اسی لمحے لاؤنج کا دروازہ کھلا اور وہ اندر داخل ہوا' پسینے میں شرابور اور شرٹ پر جگہ جگہ خون کے دھبے' زہرا بیگم گھبرا کر اس کی طرف لپکیں۔

"کک..... کیا ہوا ہے حاطب! تم ٹھیک تو ہونا؟"

"جی..... پانی۔" اس نے مختصر جواب دے کر ماں کو مطمئن کرنا چاہا تو طلب کو آگ سی لگ گئی۔

"پھوپو کب سے بیٹھی تمہاری راہ دیکھ رہی ہیں اور تم سے اتنا نہیں ہوسکا کہ فون کر کے اطلاع ہی کر دو کہ میں کسی سے لڑائی جھگڑے میں مصروف ہوں اس لیے آپ پریشان مت ہوں۔" حاطب نے چونک کر اس کی طرف دیکھا پھر ماں کی طرف جو پریشان نظروں سے اس کی شرٹ پر لگے خون کے دھبوں کو دیکھ رہی تھیں۔

"کچھ نہیں ہوا مجھے امی! ایک دوست کا ایکسیڈنٹ ہوگیا تھا۔ اسے ہاسپٹل پہنچایا ہے اسی کے پاس تھا۔" وہ ماں کو مطمئن کرنے کو بولا۔

"اور تمہارا تقریری مقابلہ؟" طلب نے پانی کا گلاس اس کی طرف بڑھایا تو پوچھے بنا نہ رہ سکی۔

"میں تو اپنی تقریر کے بعد گیارہ بجے وہاں سے نکل آیا تھا بعد کی مجھے خبر نہیں۔" اس نے جواب دے کر پانی کا گلاس منہ سے لگالیا اور طلب کا دل چاہا کہ وہی گلاس اس سے چھین کر اس کے سر پر دے مارے۔ اتنی غیر ذمہ داری کا مظاہرہ۔

"رزلٹ تو معلوم کرتے۔" وہ خود پر قابو پاتے ہوئے بولی تو اس نے اس کی طرف غور سے دیکھا۔

"تم جانتی ہو مجھے ان چھوٹے الفاظ سے کتنی نفرت ہے اور مجھے معلوم ہے ... خصوصی ہمارے فارن منسٹر اپنی تقریر ... انگریزی لفظوں کی بھرمار کریں ... لندن یا واشنگٹن میں ہوئے ہوں۔ پاکستان ... حسب روایت محبت جتائی جائے گی صرف ... کے لیے اور پھر اپنی کرسی پر بیٹھنے کے بعد یہی وزیر اس محبت کو ماچس کی تیلی دکھانا شروع کر دے گا۔" وہ تنفر سے بولا۔

"اچھا اٹھو نہالو یہ شرٹ اتارو....." اس کی ماں نے محبت سے کہا تو وہ "جی" کہہ کر اپنے کمرے کی طرف

بڑھ گیا۔ وہ اس کا مسئلہ سمجھتی تھیں۔ وہ ارض پاک سے شدید محبت کرتا تھا کبھی کبھی تو انہیں یوں لگتا کہ اس کی رگوں میں لہو نہیں محبت دوڑ رہی ہے صرف ارض پاک کی محبت..... وہ راہ چلتے کسی بندے سے پاکستان سے متعلق کوئی نازیبا الفاظ سن لیتا تو بغیر نتائج کی پروا کیے لڑنے مرنے پر تیار ہو جاتا' وطن سے محبت نہیں عشق تھا اسے..... وہ پاک آرمی میں کمیشن کا امتحان دے چکا تھا بس اسے رزلٹ کا انتظار تھا خود پر یقین تو تھا لیکن ایک خوف سا تھا کہ کہیں اسے نااہل قرار نہ دے دیا جائے۔ وہ ہر نماز کے بعد خصوصی دعا مانگا کرتا کہ وہ پاک آرمی کا حصہ بن جائے اس یقین کے ساتھ کہ خدا اس کی دعا ضرور قبول کرے گا۔



"اور پیسے کدھر ہیں؟" وہ انس سے ٹرافی لینے کے بعد بولا۔

"وہ تو....." انس نے ولید کو دیکھ کر آنکھ ماری پھر حاطب کی طرف دیکھا اور خاموش ہوگیا۔

"تم جانتے تھے نا کہ مجھے پیسوں کی ضرورت تھی پھر تم لوگوں نے وہ خرچ کیوں کیے؟" اس کا فطری غصہ عود کر آیا۔

"مجھے تو ولید نے کہا تھا کہ ان پیسوں سے اپنی مرضی کی دعوت اڑا لیتے ہیں۔" انس نے توپوں کا رخ ولید کی طرف کر دیا۔

"تم لوگوں نے تیس ہزار کی دعوت اڑا دی؟" حاطب نے افسوس سے انہیں دیکھا تو ولید نے ایک شاپنگ بیگ اس کی طرف بڑھایا۔

"نہیں کچھ شاپنگ بھی کی تھی' یہ تمہاری کچھ شرٹس ہیں اگر پسند نہ آئیں تو ڈونٹ وری میں رکھ لوں گا۔"

"تم..... تم....." اس نے غصے سے مٹھیاں بھینچ ڈالیں۔ "مجھے ان شرٹس کی نہیں پیسوں کی ضرورت تھی۔ تم جانتے تھے نا کہ آج شام کو مالی بابا کے پوتے کا آپریشن ہے۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"کہاں چلے؟" ولید بھی کھڑا ہوا۔

"مینار پاکستان۔"

"یار کبھی کبھی مجھے لگتا ہے جیسے مینار پاکستان تیری محبوبہ ہو اگر دو دن تو اسے ایک مرتبہ دیکھ نہ لے تو تجھے ساری رات نیند نہیں آئے گی۔" انس اور ولید نے ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ مارا اور قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔

"اگر تم لوگوں کا یہ خیال ہے تو ایسا ہی سہی۔" وہ مسکرا کر بولا وہ دونوں ہنستے ہنستے سنجیدہ ہوئے۔

"تمہارا کچھ نہیں ہوسکتا دوست۔"

"یہ لو....." ولید نے پیسے نکال کر اس کی طرف بڑھائے۔ "گن لو پورے ہیں۔ تیس ہزار۔" انس نے دانتوں کی نمائش کی۔

"تمہارا کچھ نہیں ہوسکتا دوست۔" حاطب نے اسی کا جواب اسے مسکرا کر لوٹایا اور پیسے جیب میں ڈالتے بولا۔ "یقین ہے مجھے تم لوگوں پر۔"

"بھی اٹھ کر جارہے تھے۔" ولید بولا۔

"اگر یہ یقین نہ ہوتا کہ پیسے محفوظ ہیں تو کبھی بھی ہال سے خالی نہ لوٹتا۔ اب میں چلوں دیر ہو رہی ہے۔ وہ لوگ میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔" اس نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو ولید نے تھام لیا۔

"یہ لو ایک لاکھ دس ہزار ہیں' بس اتنا ہی انتظام ہوسکا ہے۔" انس نے پیسے اس کی طرف بڑھائے۔

"فی الحال بہت ہیں' ابو نے پیسے بھیج دیے ہیں' کل پرسوں تک مل جائیں گے مجھے۔ چلتا ہوں۔"

"جاؤ خدا تمہارا حامی و ناصر ہو۔" وہ انس سے ملا اور چلا گیا وہ دونوں دوست زندگی کے ہر موڑ پر اس کی کامیابی کی دعا مانگنے لگے کہ وہ انہیں بہت عزیز تھا۔



"واقعی!"

وہ خوشی سے چلا اٹھا۔

"ہاں میرے یار' ہاں..... یہ دیکھو انٹرویو کال کے لیٹرز۔" انس نے تین لیٹرز اس کی طرف بڑھائے تو اس

نے جلدی سے وہ تینوں اس سے جھپٹ لیے۔ اس نے باری باری تینوں لفافے کھولے اور انس سے بغل گیر ہوگیا۔
"ولید کہاں ہے؟" اسے یکدم ولید کا خیال آیا۔
"وہ رہا۔" انس نے ولید کو آتے ہوئے دیکھ کر اس کی طرف اشارہ کیا تو حاطب اس کی طرف لپکا۔
"کہاں رہ گئے تھے تم؟" وہ پرجوش انداز میں بولا۔
"اتنی بڑی خوشی مٹھائی کے بغیر تو نامکمل تھی نا۔" ولید نے مٹھائی کے ڈبے کی طرف اشارہ کیا تو وہ مسکرا اٹھا پھر بولا۔
"چلیں؟"
"کہاں، مینار پاکستان؟" انس نے مسکرا کر کہا تو ولید کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔
"ہاں وہیں پر سجدہ شکر ادا کریں گے۔" وہ نم آنکھوں سے بولا تو وہ دونوں بھی ریسٹورنٹ سے نکل کر اس کے ہم قدم ہوگئے۔
اس کی انٹرویو کال کیا آئی اس کے پاؤں زمین پر نہیں ٹک رہے تھے۔ اسے یوں محسوس ہورہا تھا اس کے ہاتھ ہفت اقلیم کا خزانہ لگ گیا ہو۔ وہ انس اور ولید کے ساتھ جاکر انٹرویو دے آیا تھا۔ وہاں آئے ہوئے نوجوانوں کو دیکھ کر اسے ایک مرتبہ پھر اس کے خدشے ستانے لگے تھے لیکن اس کے تمام خدشے اس وقت بے بنیاد ثابت ہوگئے جب اسے ٹریننگ لیٹر ملا۔ اسے ٹریننگ کے لیے کوئٹہ جبکہ انس اور ولید کو جہلم بلایا گیا تھا۔ اس رات وہ خوشی سے سو نہیں سکا۔ وہ رات کو کئی مرتبہ اٹھا' نجانے کتنی ہی مرتبہ اس نے شکرانے کے نوافل ادا کیے۔
وہ ٹریننگ کے لیے کوئٹہ گیا تو جہاں اس کی حب الوطنی میں اضافہ ہوا وہیں اس کا جوش ایمانی بھی طاقتور ہوا اس کی ٹریننگ مکمل ہوئی تو اسے چند دنوں کے لیے گھر واپس بھیج دیا گیا کہ عنقریب اسے اس کا جوائننگ لیٹر مل جائے گا۔ اس کے انسٹرکٹرز کا پہلا سبق خدا پر [illegible] سبق وطن سے محبت اور تیسرا سبق غصے [illegible] پانا تھا۔ اس نے تینوں باتیں دماغ میں بٹھالی تھیں اسے یونیورسٹی سے آؤٹ اسٹینڈنگ اسٹوڈنٹ کی خصوصی شیلڈ ملی تھی۔ وہ خدا کا شکر ادا کرتے نہیں تھکتا تھا۔ اسے زندگی میں وہ مل رہا تھا جس کی کبھی اس نے تمنا نہیں کی تھی۔ اس کا لیٹر آگیا تھا دو دن بعد اسے جوائن کرنا تھا۔ اس نے اپنی تیاری مکمل کرلی تھی۔ اس کی پہلی پوسٹنگ پنڈی تھی وہ دوبئی فون کرکے اپنے والد مظفر صاحب کو بھی بتاچکا تھا۔

❀♥❀♥❀

"طلب کدھر ہے امی!" وہ کچن میں روٹی پکاتی ہوئی ماں کو دیکھ کر بولا کیونکہ کھانا طلب ہی پکاتی تھی اور جب سے اس کا گریجویشن مکمل ہوا تھا اس نے خود بخود ہی سارے گھر کی ذمہ داری اٹھالی تھی۔
"اس کے سر میں درد ہے' اپنے کمرے میں ہے۔" انہوں نے اس کے سوال کا جواب دے کر ایک نظر اس کے رف حلیے پر ڈالی' شلوار کرتا اور پاؤں میں چپل۔ "تم ابھی تک تیار نہیں ہوئے؟"
"میری بلیو والی شرٹ نہیں مل رہی امی۔" وہ الجھ کر بولا۔
"آپ کی شرٹ میں آپ کے کمرے میں رکھ آئی ہوں حاطب صاحب! طلب بی بی نے استری کردی تھی۔ ان کی ملازمہ سکینہ بولی تو وہ طلب کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ دروازے پر ہلکی سی دستک دے کر اندر داخل ہوا تو وہ اپنے بستر میں لیٹی تھی۔
"اوہو' لگتا ہے لیفٹیننٹ صاحب جارہے ہیں تبھی ہمارے کمرے کو سعادت بخشی ہے۔" اس نے اسے اندر آتے دیکھا تو [illegible] پہلا وار کیا۔
"لگتا ہے ہمارے سر کا درد ٹھیک ہوگیا ہے۔" وہ صوفے پر بیٹھ چکا تھا۔ وہ بھی اٹھ کر بیڈ کراؤن کے ساتھ ٹیک لگاکر بیٹھ گئی پھر اس کی طرف دیکھ کر بولی۔

ان کے آنے سے جو آجاتی ہے منہ پر رونق
وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے

"فضول باتیں نہ کیا کرو۔ یہ بتاؤ اب سر کا درد کیسا

ہے؟ امی بتارہی تھیں کہ تمہارے سر میں درد ہے۔"
"میری باتیں تمہیں فضول کیوں لگتی ہیں حاطب! کیا محبت فضول ہوتی ہے؟ کیا فضول لوگ محبت کرتے ہیں؟" سارا درد اس کے لہجے میں سمٹ آیا تھا۔
"پلیز طلب! اس ٹاپک کو نہ چھیڑا کرو۔ تم جانتی ہو کہ میرا مقصد حیات کیا ہے۔ تم کیوں مجھے اس فضول راہ پر کھینچنا چاہتی ہو؟" اس نے سنجیدگی سے اسے سمجھانے کی کوشش کی تو وہ بیڈ سے اتر کر اس کے پاس کارپٹ پر آبیٹھی۔
"تم اپنا مقصد حیات حاصل کرو حاطب' میں وعدہ کرتی ہوں کہ کبھی تمہاری راہ میں دیوار نہیں بنوں گی۔ بس مجھے صرف اپنا نام دے دو۔" [illegible] آنسو پلکوں کی چلمن سے ٹوٹ کر گرے۔
"یہ میرے [illegible] نہیں ہے طلب! میری محبت میں کسی [illegible] کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ میری ارض پاک اور میرا [illegible]...... اور میں مرتے دم تک اس محبت میں اور کسی کو شریک نہیں کرسکتا۔" وہ اس کے آنسوؤں سے نظریں چرا کر بولا۔
"تو کیا اس میں خدا اور اس کے بندوں کے لیے کوئی جگہ نہیں۔" وہ اس کے گھٹنے پر ہاتھ رکھ کر بولی تو وہ صوفے سے اٹھ کھڑا ہوا۔
"خدا تو خود محبت ہے طلب! وہ تو ہر دم' ہر لحظہ' ہر پل انسان کے اندر ہے' جب چاہیں اسے دیکھ لیں' اسے پالیں لیکن اس کے بندوں کے لیے...... میں سچ کہہ رہا ہوں طلب' اس کے بندوں کے لیے کوئی گنجائش نہیں۔" وہ اس سے نظریں چرائے کٹھور بن کے بولا۔
"تم سچ کہہ رہے ہوگے حاطب! لیکن میں بھی سچ کہہ رہی ہوں' طلب اس محبت میں اپنی گنجائش خود پیدا کرلے گی۔" حاطب نے اس کی بات ان سنی کردی اور اسے خدا حافظ کہہ کر باہر نکل گیا گویا اسے جانے کی جلدی تھی۔ یہ دیکھے بغیر کہ پیچھے رہ جانے والے ہر لمحہ انتظار کی سولی پر گزاریں گے۔



اس نے پاک آرمی کو جوائن کرلیا۔ ولید اس کے ساتھ جبکہ انس [illegible] کھاریاں میں ہوئی۔ نظم وضبط کا تو وہ پہلے ہی سے عادی تھا۔ اب تو اس کی شخصیت میں ایک [illegible] گیا تھا۔ اسے اپنا آپ معتبر لگنے لگا تھا۔ اس کا [illegible] پاکستان سے شروع ہوکر پاکستان پر ہی ختم ہوجاتا تھا۔ اب اس کی محبت میں کسی تیسرے کا اضافہ ہوچکا تھا۔ وہ طلب سے کہا کرتا تھا کہ اس کی محبت میں کسی تیسرے کی گنجائش نہیں لیکن اس کی اپنی ہی کہی بات اس کا منہ چڑا رہی تھی جو پیکر محبت میں ڈھلا ہوا اس کے ہونے یا نہ ہونے سے فرق نہیں پڑتا کیونکہ اس کی جگہ پہلے سے ہی موجود ہوتی ہے۔
وہ میجر اشہد کیانی سے بے حد متاثر تھا۔ ان کے بات کرنے کا انداز' جوانوں کو سمجھانے کا طریقہ اور پھر ان کی مسکراہٹ جو تمام باتوں پر حاوی تھی۔ قدم قدم پر حوصلہ افزائی' لفظ لفظ محبت اور درست رستہ منزل' وہ اس جگہ پہنچ گیا جہاں اسے کسی تیسرے کی گنجائش نکالنی تھی۔
"حاطب! تم سمجھاؤ اسے وہ میری بات تو بالکل ہی نہیں سمجھ رہی۔" وہ رات ہی دو دن کی چھٹی پر گھر آیا تھا تو زہرا بیگم نے بتایا کہ طلب کے لیے دو تین جگہوں سے بہت اچھے رشتے آئے ہیں مگر وہ مسلسل انکار کررہی ہے۔
"جی امی! آپ پریشان نہ ہوں' میں دیکھتا ہوں۔" وہ اسی وقت اٹھ کر اس کے کمرے میں چلا آیا۔ دروازہ کھلا تھا وہ سامنے ہی صوفے پر بیٹھی کتاب پڑھنے میں مصروف تھی۔ کھٹکے کی آواز پر سر اٹھایا تو وہ اپنی تمام تر وجاہتوں کے ساتھ موجود تھا۔ وہ کتاب میز پر رکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ پورے چار ماہ بعد اسے دیکھ رہی تھی۔ رات وہ دیر سے آیا تھا اور صبح بھی دیر سے ہی آنکھ کھلی تھی جس کی وجہ سے طلب ابھی تک اس کی آمد سے بے خبر تھی۔
"کیا دیکھ رہی ہو؟"
وہ چونکی اور پھر بولی۔ "دیکھ رہی ہوں انسان کو اس کی

محبت مل جائے تو وہ کتنا نکھر جاتا ہے۔"

وہ مسکرا کر صوفے پر بیٹھ گیا۔ "لیکن تم نے اپنی کیا حالت بنا رکھی ہے؟" اس کا دل کٹ کر رہ گیا وہ جان بوجھ کر انجان بن رہا تھا۔ صوفے پر بیٹھا اس لمحے اسے وہ کوئی پتھر محسوس ہوا تھا کہ جس کے ساتھ جتنا مرضی سر پھوڑ لیں نقصان ہمیشہ اپنا ہی ہوتا ہے۔

"تمہارا کیا خیال ہے کہ تم چار ماہ گھر سے باہر رہ کر آئے ہو تو حقیقت بدل چکی ہوگی؟" لہجے میں درد کی چبھن لیے وہ حاطب کی طرف مڑی۔

"مجھے امی نے سب کچھ بتادیا ہے طلب! اور میں بھی نہیں چاہوں گا کہ تم میری آس لیے اس دہلیز پر زندگی گزار دو۔" اس نے دوٹوک بات کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

وہ بیڈ پر گرنے کے انداز میں بیٹھی۔ "کیا دل کی جگہ پتھر رکھا ہے حاطب! کیوں کررہے ہو میرے ساتھ ایسا؟ ایک...... ایک نام ہی تو مانگ رہی ہوں۔" آنسو پلکوں کا بند توڑ کر باہر نکلے۔

"یہ نام دینا ہی تو مشکل ہے۔" وہ آزردگی سے بولا۔

"کیوں......؟ کیوں مشکل ہے؟ نہ تو تمہاری کسی کے ساتھ کمٹمنٹ ہے اور نہ ہی......" اس کی بات نہایت درشتی سے کاٹ دی گئی۔

"میں کسی کے ساتھ کمٹمنٹ کرچکا ہوں طلب! الفاظ تھے یا کوئی پتھر جو اس کے سر کے بجائے دل پر لگے تھے۔ ایک چھناکے کے ساتھ سینے کے اندر کچھ ٹوٹا۔

"کک...... کون ہے وہ؟" اسے اپنے ہی الفاظ کی بازگشت گہری کھائی سے آتی سنائی دی۔

"مشہد" وہ اسے نام سے آگہی دے گیا۔

"مشہد......؟" اس نے زیرلب نام دہرایا پھر آنسوؤں سے بھری آنکھیں اس پر ٹکا کر بولی۔ "کیا بہت خوب صورت ہے وہ؟"

"پتہ نہیں، ملاقات نہیں ہوئی ابھی اس سے۔" اس کے الفاظ نے طلب کو جھنجوڑ کر رکھ دیا تھا۔

"واٹ، تم نے کسی سے محبت کی بغیر دیکھے......؟ بے وقوف سمجھتے ہو مجھے کہ اس طرح میں شادی کے لیے راضی ہوجاؤں گی؟" وہ استہزائیہ انداز سے بولی۔

"میں نے اس سے محبت نہیں کی طلب! کیونکہ اگر محبت کرتا تو اسے دیکھنے کی خواہش بھی کرتا، میں نے اس سے عشق کیا ہے...... بغیر دیکھے پانے کی خواہش یہ عشق بہت عجیب ہوتا ہے طلب! میں اس کا نام سن کر ہی بے بس ہوجاتا ہوں...... اور اگر...... اگر وہ میرے سامنے آجائے تو میری کیا حالت ہوگی مجھے خود اندازہ نہیں۔" طلب نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا تو حاطب کے الفاظ نے اسے خاموش کردیا۔

"میں جب اس کی باتیں سنتا ہوں تو مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہی میری منزل ہو اور پھر جب میجر اشہد محبت اور عقیدت سے اس کا ذکر کرتے ہیں تو تم گمان بھی نہیں کرسکتیں طلب اس وقت میری کیا حالت ہوتی ہے۔ میرا بس نہیں چلتا کہ میں اڑ کر اس تک پہنچ جاؤں۔" وہ کسی دیوانگی کی سی کیفیت میں گھرا بول رہا تھا اور طلب اس کے چہرے پر بکھرتے قوسِ قزح کے خوشنما رنگوں کو دیکھ رہی تھی۔

"اور وہ جو تم نے کہا تھا کہ تمہاری اور ارضِ پاک کی محبت میں کسی تیسرے کی گنجائش نہیں؟" طلب نے اسے اس کی کہی بات یاد دلائی تو وہ مسکرادیا۔

"قدرت نے خود ہی اس کی اور میری محبت میں مشہد کی جگہ بنا رکھی تھی بس میں اس حقیقت سے واقف نہیں تھا۔" اس نے کچھ حیرت اور شرمندگی کے ملے جلے جذبات کا اظہار کیا پھر وہ بجتے موبائل فون کی طرف متوجہ ہوا۔

"السلام علیکم سر!" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں سر! آپ کیسے ہیں اور مشہد......" اس لمحے جس خوب صورت مسکراہٹ نے حاطب کے لبوں کا احاطہ کیا تھا طلب گم صم بس اسے دیکھے گئی۔ "ان شاء اللہ سر! کیوں نہیں؟" نہ جانے دوسری طرف سے کیا کہا گیا تھا اس نے اپنے قہقہے کو بے ساختہ

دبایا تھا اس لمحے وہ کتنا خوب صورت لگ رہا تھا یہ کوئی طلب سے پوچھتا۔ "جی سر ٹھیک ہے۔ میں ان شاء اللہ کل شام تک پہنچ جاؤں گا...... جی سر...... جی بالکل اور مشہد کو میرا اسلام کہنا نہ بھولیے گا۔" اس نے مسکرا کر ان کی بات سنی اور خدا حافظ کہہ کر فون بند کردیا۔

"تم کل جارہے ہو......؟" وہ جو کچھ سوچ کر مسکرا رہا تھا چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ "ہوں...... اور میں چاہوں گا کہ تم امی کو ہاں کہہ دو۔" دل سینے کے اندر دہائی دینے لگا تھا۔

"اور اگر میں نہ کہہ سکوں تو......؟" اس نے سوالیہ نظروں سے حاطب کی طرف دیکھا۔

"تو یہ سن لو میری طرف سے بھی نہیں ہوگی۔" وہ باہر نکل گیا۔

"تمہاری طرف تو جب تیسرے کی گنجائش تھی تب میرے لیے نہیں تھی اب چوتھے کے لیے کہاں سے نکلے گی۔" اس نے بے اختیار آنکھیں بند کیں اور اسی سنگدل کو سوچنے لگی جسے تاعمر سوچنے کا خود سے وعدہ کررکھا تھا۔

❀♥❀♥❀

"السلام علیکم سر!" وہ ہاتھوں میں پھولوں کا بکے لیے میجر اشہد کی طرف لپکا۔

"وعلیکم السلام...... حاطب! کیسے ہو؟" وہ اس سے بالکل بڑے بھائیوں کی سی شفقت سے پیش آتے تھے۔ اس نے مسکرا کر پھول ان کی طرف بڑھادیے۔

"یہ پھول میرے لیے لائے ہو یا مشہد کے لیے؟" انہوں نے اس کی آنکھوں میں جھانک کر دیکھا تھا شاید وہ وہی الوہی چمک دیکھنا چاہ رہے تھے جو "مشہد" لفظ سن کر اس کی آنکھوں میں ابھرتی تھی۔

"یقیناً سر مشہد کے لیے کیونکہ اعلیٰ پوزیشن اس نے لی ہے آپ نے نہیں۔" وہ ہنس کر بولا تو وہ اسے لے کر اس طرف بڑھے جہاں مشہد بیٹھی تھی۔

"ہیلو۔ اچھی لڑکی۔" وہ میجر اشہد کی آواز سن کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"بھلا بتاؤ تو میرے ساتھ کون ہے؟" میجر اشہد اس کے ساتھ کسوٹی کھیلنے لگے تھے۔ وہ مسکرا کر بولی۔

"صرف اتنا بتادیجیے کہ یہ جو آپ کے ساتھ کھڑے ہیں آپ سے سینئر ہیں یا جونیئر؟"

"جونیئر" میجر اشہد نے یک لفظی جواب دیا تو وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"لیفٹیننٹ حاطب یزدانی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہوسکتا۔" حاطب اس کا اتنا درست اندازہ دیکھ کر مسکرایا۔

"آپ کا اندازہ بالکل درست ہے۔" اس نے پھول اس کی طرف بڑھائے تو میجر اشہد نے پکڑ کر مشہد کے ہاتھوں میں دے دیے۔ تو وہ بکے پر ہاتھ پھیرنے لگی جیسے ان کی تازگی پوروں میں جذب کرلینا چاہتی ہو۔

"شکریہ، ویسے میرا اندازہ درست ہی ہونا تھا کیونکہ اس محفل میں بھائی جان کو سب سے زیادہ آپ کا ہی انتظار تھا۔ پھول بہت خوب صورت ہیں۔" وہ عقیدت سے پھولوں کو چھو کر بولی تو وہ جہاں اس کی پہلی بات پر حیران ہوا وہیں دوسری بات پر مسکرادیا۔

"تم لوگ باتیں کرو میں ذرا باقی مہمانوں کو دیکھ لوں۔" میجر اشہد انہیں وہاں بٹھا کر خود گیٹ کی طرف بڑھ گئے۔ جہاں ان کی بیگم اور ان کے والد کرنل ریٹائرڈ جہانگیر کیانی مہمانوں کو ریسیو کررہے تھے۔

"بھائی جان بہت ذکر کرتے ہیں آپ کا۔" مشہد دھیمے لہجے میں بولی۔

"اور آپ کا بھی......" وہ اسی کے انداز میں بولا تو وہ ایک بار پھر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ حاطب کو یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے مدھم سر چھیڑ دیے ہوں۔

"وہ بہت محبت کرتے ہیں مجھ سے۔" اس نے نہایت عقیدت سے کہا تھا۔

"میں جانتا ہوں جو محبت سے بنائے گئے ہوں وہ صرف محبت ہی کرتے ہیں اور یہ کہنے میں کوئی قباحت نہیں کہ محبت کے پیکر میں ڈھالے گئے انسانوں میں سے ایک میجر اشہد بھی ہیں۔" اس نے بھی اسی عقیدت

کا اظہار کیا جو وہ میجر اشہد سے رکھتا تھا۔

"اور میرے...... میرے بارے میں کیا خیال ہے۔" اس نے بات کرنے کے بعد گلدستے کو ناک سے لگا کر تازہ گلابوں کی بھینی بھینی خوشبو کو اپنے اندر اتارا۔ حاطب نے اسے گہری نظروں سے مسکرا کر دیکھا اور پھر دھیرے سے بولا۔

"آپ کا تو نام ہی مشہد ہے اور کیا کہوں کہ "مشہد" لفظ ہی سراپا محبت اور سراپا عقیدت ہے۔" وہ خاموش ہوگیا۔

"بس......؟" اس نے نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبایا تھا۔

"مشہد" کی تعریف کے لیے تو شاید کوئی لفظ ہی نہیں بنا۔" اس نے اپنے آپ کو یہی کہتے سنا تھا۔

"ولید نہیں آیا ابھی تک؟" حاطب نے میجر اشہد کو اپنی طرف آتے دیکھ کر پوچھا اور ساتھ ہی متلاشی نظریں گیٹ پر جمادیں۔

"وہ دیکھو...... کرنل صاحب کی بیٹی کے ساتھ۔" میجر اشہد نے ایک طرف اشارہ کیا تو حاطب نے دیکھ کر بے اختیار قہقہہ لگایا۔ مشہد نے چونک کر سر اٹھایا۔

"کیا ہوا......؟"

"میرا دوست بہت ترقی کرے گا۔" اس نے شاندار الفاظ سے ولید کو خراج تحسین پیش کیا تھا جو کرنل لغاری کی بیٹی کے ساتھ اسی کی طرف آرہا تھا۔

"اگر تمہاری دعائیں میرے ساتھ رہیں تو......" ولید یہ کہہ کر اس سے بغل گیر ہوگیا۔ مشہد ان دونوں کے ریمارکس پر مسکرانے لگی گویا ولید حاطب کی بات سن کر سمجھ چکا تھا۔



"حاطب کا کوئی فون آیا۔" مظفر صاحب زہرا بیگم کی طرف دیکھ کر بولے۔ وہ تین دن قبل ہی دبئی سے پاکستان پہنچے تھے۔

"گھر کا فون تو خراب پڑا ہے ایک [illegible] والے بھی نا فون چاہے مہینہ مہینہ خراب رہے ٹھیک کرنے کا نام نہیں لیتے۔ مگر جب بل بھیجیں گے تو ہزاروں سے کسی صورت کم نہیں ہوگا چاہے کسی نے کال کی ہو یا نہ کی ہو۔" زہرا بیگم فون والوں کو کوسنا شروع ہوگئیں۔

"پھوپو ویسے آپ حاطب کے گھر نہ ہونے کا خوب فائدہ اٹھا رہی ہیں۔" کچن سے نکلتی طلب نے ان کی بات سنی تو بولے بنا نہ رہ سکی۔

"کیا مطلب؟" مظفر صاحب نے حیران ہو کر طلب کی طرف دیکھا۔

"مطلب یہ پھوپا جان کہ گزشتہ چند برسوں سے حاطب کی حب الوطنی میں اضافہ ہی ہوا ہے اب اگر وہ پھوپو کے یہ نادر الفاظ سن لیتا جو انہوں نے محکمہ فون والوں کی شان میں کہے ہیں تو یقیناً اس طرح واک آؤٹ کرتا کہ تین دن تک ہمیں اس کی خبر نہ ملتی۔" وہ مسکرا کر سارا قصہ ان کے گوش گزار کر گئی۔

"یعنی ہمارے صاحبزادے کا اور ارضِ پاک کا عشق و عاشقی والا چکر چل رہا ہے۔" وہ بیگم کی طرف دیکھ کر مسکرائے۔

"اچھا آپ یہ بتائیں واپس کب جا رہے ہیں؟" زہرا بیگم سبزی بناتے ہوئے بولیں۔

"ارے بیگم ہفتہ دو ہفتے تو رہ لینے دو پھر چلا جاؤں گا اور ابھی تو میں اس سر پھرے عاشق سے بھی نہیں ملا۔" وہ مسکرا دیے۔

"میرا یہ مطلب نہیں تھا حاطب آجائے تو اس سے شادی کی بات [illegible] نوں پر ہو تو سیدھا ہو کر چلا بھی نہیں جاتا۔" مظفر [illegible] ان کا اشارہ کس طرف تھا وہ سمجھ رہے تھے [illegible] سبزی کی ٹوکری اٹھائی اور کچن کی طرف بڑھ گئیں۔

"تو کیا تم نے اس سے بات نہیں کی؟" وہ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔

"میری وہ کہاں سنتا ہے آپ خود ہی اس سے بات

کریں، شادی کے نام سے تو اس طرح بھاگتا ہے جیسے تھانے کے نام سے چور۔" وہ سنجیدگی سے بولیں۔

"تم پریشان نہیں ہو وہ آتا ہے تو بات کرتا ہوں اس سے۔ شادی نہ سہی منگنی تو کر دیتے ہیں۔" وہ زہرا بیگم کی تسلی کی خاطر بولے تو انہوں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔



"لیکن طلب میں کس چیز کی کمی ہے؟" وہ اس وقت مظفر صاحب کے سامنے بیٹھا تھا اور موضوع اس کی شادی تھا۔

"کسی چیز کی نہیں ابو وہ ہر لحاظ سے مکمل ہے لیکن میں اس سے شادی نہیں کر سکتا۔" وہ [illegible] سپاٹ لہجے میں بولا۔

"وجہ [illegible] معلوم [illegible] سکتا ہوں حاطب؟" وہ عجیب سے انداز میں بولے تو حاطب نے چونک کر سر اٹھایا جن نظروں سے وہ اس کی طرف دیکھ رہے تھے وہ دوبارہ نظر جھکانے پر مجبور ہوگیا۔

"وجہ میں بتاتی ہوں پھوپا جان۔" چائے لے کر کمرے میں داخل ہوتی طلب بولی۔ تو مظفر صاحب کی طرح حاطب نے بھی چونک کر اس کی طرف دیکھا اسے نظروں ہی نظروں میں کچھ نہ کہنے کا سگنل دیا لیکن وہ اسے نظر انداز کرتی ہوئی میز کی طرف بڑھی چائے کی ٹرے میز پر رکھی پھر مظفر صاحب کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"حاطب کی کسی کے ساتھ کمٹ منٹ ہے پھوپا جان۔"

"تم جاؤ یہاں سے۔" حاطب سرد لہجے میں بولا۔

"کیوں...... کیوں جاؤں؟ کیا صرف تمہارا ذکر ہو رہا ہے یہاں؟" وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ہٹ دھرمی سے بولی تو وہ بھی اپنے غصے کو نہ دبا پایا۔

"کیا مسئلہ ہے تمہارے ساتھ......؟ ہاں، سمجھتی کیا ہو تم خود کو؟ یہ سب کچھ کرو گی تو میں مل جاؤں گا تمہیں بھول ہے یہ تمہاری، کیونکہ مجھے تمہاری کوئی تمنا نہیں میری تمام خواہشیں، تمام آرزوئیں اور تمام تمنائیں "مشہد" نام پر آکر ختم ہوجاتی ہیں۔ سنا تم نے...... اب دفع ہوجاؤ یہاں سے۔" [illegible] میں چلایا اس نے پاس بیٹھے باپ [illegible]

"طلب بیٹا! آپ پھوپو کے پاس جاؤ۔ شاباش۔" مظفر صاحب نے اسے محبت سے پچکارا تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی نم آنکھوں سے حاطب کی طرف دیکھا پھر مظفر صاحب کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"پھوپا جی اگر حاطب نہیں تو کوئی نہیں۔" وہ اپنا فیصلہ سنا کر باہر نکل گئی اگر حاطب نے باپ کی پروا نہیں کی تھی تو اس نے بھی دل کی بات پہنچانے میں دیر نہ لگائی۔

"کون ہے یہ مشہد؟" طلب کے باہر نکلنے کے بعد مظفر صاحب نے سرد لہجے میں پوچھا تو وہ جو اپنے غصے پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

"پلیز ابو جی...... میں نے زندگی میں آپ سے کچھ نہیں مانگا، کوئی خواہش، کوئی تمنا نہیں کی ہمیشہ آپ کی توقع سے بڑھ کر آپ کو رزلٹ دیا، میری خوشی، میری خواہش صرف مشہد ہے۔" وہ صوفے سے اٹھ کر ان کے قدموں میں آبیٹھا تھا۔

"وہ تو ٹھیک ہے بیٹا لیکن طلب......" ان کی آنکھوں کے سامنے طلب کا چہرہ آگیا۔

"طلب کو بہت اچھا ساتھی مل جائے گا ابو جی لیکن اگر...... اگر مجھے مشہد نہ ملی تو میری محبت فنا کے گھاٹ اتر جائے گی۔ میرا عشق نارسائی کے صحرا میں بھٹکتا پھرے گا۔" وہ مراقبے میں کھوئی ہوئی کسی روح کی طرح لفظ لفظ بول رہا تھا۔ مظفر صاحب کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ اس سے اپنی ہی زندگی کی بھیک مانگ رہا ہو وہ الجھ گئے تھے۔ ایک طرف حاطب تھا ان کا اکلوتا لخت جگر تو دوسری طرف بن ماں باپ کی بھتیجی تھی انہیں کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کریں......



"پلیز طلب!" وہ طلب کے کمرے میں بیٹھا اس کی منت کررہا تھا اسے سمجھانے کی کوشش کررہا تھا کہ وہ اس کے باپ کو منع کرے کیونکہ صبح وہ اسے اپنا فیصلہ سنا چکے تھے کہ اگر طلب انکار کردے تو پھر فیصلہ تمہارے حق میں ہوگا۔

"نہیں' کبھی نہیں۔" اس نے جھٹ سر انکار میں ہلایا۔

"محبت کا مطلب صرف پانا تو نہیں ہوتا...... محبت یہ تو نہیں سکھاتی کہ محبوب سے اس کی محبت چھین لو......" وہ فلسفیانہ انداز میں بولا تو طلب نے مسکرا کر ایک نظر اس پر ڈالی۔

"محبت یہ بھی نہیں سکھاتی حاطب کہ آپ کسی کی خوشیوں پر پاؤں رکھ کر سیڑھی چڑھ جاؤ۔"

"تم میرے ساتھ ایسا کیوں کررہی ہو طلب! ہم دونوں تو ہمیشہ سے اچھے دوست رہے ہیں تم نے ہمیشہ امی اور ابو جی کے سامنے میری سفارش کی ہے تو پھر اب کیوں نہیں......؟" وہ زچ ہوکر بولا۔

"تم بچوں جیسی باتیں کررہے ہو حاطب! جب تمہیں پتا ہے کہ میں تم سے دست بردار نہیں ہوسکتی تو بلاوجہ کیوں خود کو ہلکان کررہے ہو؟" اس نے صاف انکار کردیا تھا کہ وہ انکار نہیں کرسکتی۔

"پلیز طلب! تم کہیں اور شادی کے لیے ہاں کردو...... کیونکہ میرا ابھی کچھ سال تک شادی کا کوئی ارادہ نہیں۔" اس نے ایک اور داؤ کھیلا۔

"تم حاطب...... تم...... بے شک تم مجھے نہ ملو لیکن یاد رکھنا مشہد بھی تمہیں نہیں ملے گی۔" طلب کی بات پر حاطب کو کرنٹ لگا۔

"بددعا دے رہی ہو؟"

"نہیں۔"

"میں کبھی نہیں ہارا طلب! کبھی نہیں اور مشہد مجھے ضرور ملے گی۔" اس نے ایک قہر آلود نظر طلب پر ڈالی اور باہر نکل گیا۔

"ایسا کیا خاص ہے اس میں جو مجھ میں نہیں۔" اس ایک بات پر آ کر وہ ہمیشہ الجھ جاتی تھی۔

❀♥❀♥❀

حاطب نے ماں اور باپ کے سامنے طلب سے شادی کرنے سے انکار کردیا تھا۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ جب انہوں نے مشہد کے گھر رشتہ لے جانے کی بات کی تو اس نے مسکراتے ہوئے کچھ عرصے بعد کا کہہ کر ٹال دیا۔ طلب کے لیے آیا ہوا رشتہ منظور کرلیا گیا تھا۔ اس نے دل پر جبر کرکے حاطب کے علاوہ کسی اور کے ساتھ زندگی گزارنے کا فیصلہ کرلیا تھا...... شادی کی تیاریاں مکمل ہوچکی تھیں۔ طلب بہت چپ سی ہوگئی تھی اور کسی حد تک حاطب بھی...... وہ جہاں طلب کو دیکھتا اپنا رستا بدل لیتا شاید خود کو شرمندہ محسوس کررہا تھا۔ طلب کی مہندی پر ولید اور انس نے خوب رونقیں لگائیں لیکن حاطب گم صم رہا سب نے اس کی خاموشی کو نوٹ کیا تھا' وہ یوں اس طرح چپ چاپ بیٹھنے والا بندہ ہی نہیں تھا۔ وہ تو جس محفل میں ہوتا اسے لوٹ لیا کرتا تھا اور اب...... اب ایسا کیا ہوگیا تھا کہ وہ یوں ایک دم چپ ہوگیا تھا' جب کہ سب کچھ اس کی حسب منشاء ہوگیا تھا۔ وہ طلب سے اپنا رستا الگ کرنا چاہتا تھا' جو ہوگیا تھا...... اس نے مشہد کو پانے کی خواہش کی تھی' اس کے ماں باپ اس کا رشتہ لے کر جانے پر راضی تھے' مگر پھر بھی ویران ویران اور اجڑی اجڑی شکل لیے وہ بہت بکھرا بکھرا لگ رہا تھا...... وجہ کیا تھی' کوئی نہیں جانتا تھا...... طلب اگر اس دن حاطب اور مظفر صاحب کے درمیان ہونے والی گفتگو نہ سن لیتی تو شاید وہ کبھی شادی کے لیے نہ مانتی لیکن اس نے سنا کہ......

"مجھے معاف کردیں ابو جی! میں آپ کی خواہش پوری نہیں کرسکتا۔" وہ اپنے باپ کے قدموں میں بیٹھا رو رہا تھا۔

"میں کیا کروں حاطب میں طلب کی آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتا۔" وہ حاطب کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے بہت بے بس ہوکر بولے تھے۔

"میں مشہد سے عشق کرتا ہوں ابو جی...... ! لیکن قسمت کے لکھے پر بھی یقین رکھتا ہوں۔" اس نے اپنی دونوں ہتھیلیاں پھیلا کر ان کی طرف دیکھا پھر باپ کی طرف دیکھتے ہوئے سلسلہ گفتگو دوبارہ جوڑا۔ "میں شادی کرچکا ہوں ابو جی اس دھرتی کے ساتھ...... اس مٹی کے ساتھ کہ اس سے زندگی کے آخری لمحوں تک وفاداری نبھانے کا عہد کیا ہے۔ صرف مشہد کے ساتھ کی خواہش ہے اگر خدا نے اسے میری تقدیر میں لکھا ہے تو اسے کوئی نہیں چھین سکتا لیکن اگر...... اگر وہ میری قسمت میں نہیں تو لاکھ سر پٹخوں اس کے سامنے جھولیاں پھیلاؤں اس کی منتیں کروں' وہ نہیں ملے گی...... آپ مجھ سے ایک وعدہ کریں ابو جی!" وہ باپ کا سر پر رکھا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر بولا۔

"کیسا وعدہ؟" وہ حیران ہوکر بولے۔

"آپ وعدہ کریں ابو جی کہ آپ آئندہ کبھی بھی مجھ سے اس موضوع پر بات نہیں کریں گے۔"

"لیکن حاطب......!" وہ گڑبڑا گئے اگر ایک طرف جان سے عزیز بیٹا تھا' تو دوسری طرف ان کے دل میں بستی طلب تھی۔

"پلیز ابو جی! میں آپ سے مشہد کا ساتھ بھی نہیں مانگ رہا...... لیکن میں ایسا بھی نہیں کرسکتا جیسا آپ چاہتے ہیں۔" وہ نم آنکھوں سے ان کی طرف دیکھتے ہوئے بولا تو نہ جانے ان کا دل یکبارگی اتنی زور سے کیوں دھڑکا کہ انہوں نے حاطب کو کھینچ کر سینے سے لگالیا۔

"جو تم کہو گے ویسا ہی ہوگا میری جان...... ! بالکل ویسا ہی' میں میں خود طلب سے بات کروں گا اسے سمجھاؤں گا۔" بیٹے کی محبت ہر رشتے پر حاوی ہوگئی تھی وہ ارادہ کرچکے تھے اور دروازے کے باہر کھڑی طلب نے آن واحد میں ان کے تمام احسانوں کا بدلہ چکانے کا فیصلہ کرلیا تھا۔

❀♥❀♥❀

وہ جانے کے لیے بالکل تیار کھڑا تھا۔ سب لاؤنج میں جمع تھے مظفر صاحب' زہرا بیگم...... اس کی دوست اس کی کزن اس کی غم خوار اس کی سب کچھ طلب بھی اور طلب کے ساتھ اس کا شوہر فہد بھی...... وہ جو طلب کی شادی کے بعد خود کو خاصا پرسکون محسوس کرنے لگا تھا اسے مطمئن اور خوش دیکھ کر مطمئن ہوگیا تھا' وہ سب سے پہلے مظفر صاحب کی طرف بڑھا۔

"میرے لیے دعا کیجیے گا ابو کہ میرا عشق لاحاصل نہ رہے۔" سر جھکائے آنسوؤں پر قابو پاتی طلب نے ایکدم سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا تھا۔ وہ اس سے بہت دور تھا' صدیوں کے فاصلے چند دنوں میں اور بڑھ گئے تھے۔ اس کے پھوپا نے اسے کیا کہا اس نے خود کو بہرہ کرنا چاہا لیکن نہ جانے کیوں عضو عضو سماعت بن چکا تھا۔

"میں دعا کروں گا کہ میرا بیٹا اپنے مقصد میں کامیاب ہوکر لوٹے۔" انہوں نے اس کی پیشانی پر بوسہ دیا تھا' وہ نم آنکھوں سے مسکرا دیا باپ سے گلے لگنے کے بعد ماں کی طرف بڑھا۔

"امی! مجھے معاف کردیں' میں آپ کی توقعات پر پورا نہیں اتر سکا۔" اس نے اپنے دونوں ہاتھ ماں کے سامنے جوڑ دیے۔

"نہیں' میرے بچے نہیں۔" انہوں نے اس کے جڑے ہاتھ کھولے اور اسے کھینچ کر خود سے لگایا اور زار و قطار رونے لگیں۔

"جوان بیٹوں کی مائیں روتی اچھی نہیں لگتیں امی جی۔ پلیز آپ بھی مت روئیے گا میں جو ارادہ لے کر جارہا ہوں دعا کیجیے گا کہ خدا مجھے اس میں کامیابی دے۔" وہ ان کے آنسو صاف کرتے بولا پھر کوئی خیال آنے پر نم آنکھوں سے مسکرایا اور جھجکتا ہوا گویا ہوا۔

"مائیں ہمیشہ بچوں کی پیشانی اور رخسار پر بوسہ دیتی ہیں میری خواہش ہے کہ میری ماں میرے کشادہ سینے کا بوسہ لے۔"

"زہرا بیگم نے بوسہ لیا تو ان کی آنکھ سے کئی آنسو

چھلک کر وہیں دھڑکتے دل پر بارش کر گئے پھر وہ طلب کی طرف مڑا۔

”مگر ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا کہ میں نہ چاہتے ہوئے بھی تمہارے دکھوں میں اضافے کا باعث بنا ہوں۔“

”نہیں حاطب! مجھے تم سے کوئی گلہ نہیں ہیں...... میں دعا کروں گی کہ تم سرخرو لوٹو اور مشہد تمہارا مقدر ہو۔“ وہ نم آنکھوں سے بولی تو حاطب نے اپنا ہاتھ اس کے سر پر رکھ دیا۔

”طلب کا خیال رکھنا فہد یہ ہم سب کو بہت عزیز ہے۔“ وہ فہد کی طرف مڑا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

”اللہ حافظ!“ اس نے فرداً فرداً سب کی طرف دیکھ کر گھر پر ایک الوداعی نظر ڈالی اور آنسوؤں پر قابو پاتا ہوا باہر نکل گیا۔

وہ قلم اور کاغذ ہاتھ میں تھامے ان لمحوں کی گرفت میں تھا وہ لمحے جو حیاتِ جاودانی کی طرف لے کر بڑھتے ہیں‘ اس نے چند لمحے سوچا پھر قرطاس ابیض پر قلم چلانا شروع کیا۔ اس کے سامنے اس کی ماں کا چہرہ آیا پھر اس کے باپ کا اور پھر اس کا...... جو اسے جنون کی حد تک چاہتی تھی لیکن اسے اس کی محبت میں سرخرو کرنے کے لیے کسی اور مسافر کا ہاتھ تھام کر اپنی منزل پر قدم رکھ دیے۔ وہ کیا تھی اس کے لیے صرف وہی جانتا تھا یا پھر اس کا خدا...... وہ اس سے محبت کرتا تھا لیکن یہاں محبت نے ایک نیا موڑ لیا تو محبت کی جگہ عشق نے لے لی اور طلب اور محبت دونوں پیچھے رہ گئیں وہ مشہد سے عشق کرنے لگا تھا۔ وہ طلب کے بغیر رہ سکتا تھا لیکن مشہد کے بغیر رہنا اسے گوارا نہیں تھا۔ مشہد سے ملاقات سے قبل اس کی آخری خواہش طلب کو دلہن بنا دیکھنا تھا اور وہ پوری ہو چکی تھی۔ اب تو بس ایک ہی خواہش ایک ہی تمنا اور ایک ہی آرزو تھی کی وہ مشہد کو پالے وہ میجر اشہد سے بات کر چکا تھا۔ ان کی بات سن کر اسے یقین آ گیا تھا کہ وہ دنیا میں ان چند خوش قسمت ترین انسانوں میں سے تھا جن کی ہر خواہش پوری ہوتی ہے جن کی نیکیوں کا اجر انہیں دنیا میں ہی دیا جاتا ہے۔

قلم چلتا گیا اور صفحے بھرتے گئے۔ اس نے قلم کو روکا آخری ورق پر ایک طائرانہ نظر ڈالی پھر مسکراتے ہوئے اس خط کو بوسہ دیا اور لپیٹ کر اپنی دائیں جیب میں ڈال لیا۔

”ولید! میں نے اپنی وصیت یونیفارم کی دائیں پاکٹ میں رکھی ہے یاد سے نکال لینا۔“ اس نے کتاب پڑھتے ہوئے ولید کو مخاطب کیا تو اس نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

”اس تک پہنچنے کے لیے ایک لمبا سفر ہے حاطب! بے فکر ہو کر جاؤ۔“ ولید نے اسے مشہد کے حوالے سے چھیڑا تو وہ بولے بنا نہ رہ سکا۔

”میری میجر اشہد سے بات ہو چکی ہے ولید اور میں...... میں اس کی طرف رختِ سفر باندھ چکا ہوں۔ اب...... اب مجھے کوئی بھی وصالِ محبوب سے روک نہیں سکتا۔“ وہ فضاء میں کسی غیر مرئی نقطے پر نظریں جمائے بولا۔ اس لمحے اس کی آنکھوں میں نظر آنے والی روشنی ولید کو کچھ نئے سویروں کا پیغام دے رہی تھی۔

”اگر اس حوالے سے تمہاری میجر اشہد سے بات ہو چکی ہے تو تم رک جاؤ حاطب‘ تمہاری جگہ میں اپنا نام دے دیتا ہوں۔“ ولید نے [illegible] عشق کی معراج تک پہنچنا چاہا۔

”یہ میرے وطن کی سلامتی کا سوال ہے۔ کروڑوں جانوں کی حفاظت کا معاملہ ہے اور اس کو مقدم رکھنا میری اولین ترجیح ہے...... اور جہاں تک مشہد کا تعلق ہے تو مجھے یقین ہے بس تقدیر ہمیں ملانے ہی والی ہے۔“ وہ غصہ ہونے کے ساتھ ساتھ تھوڑا جذباتی بھی ہوا۔

”سوری یار! میں تو بس یہ دیکھنا چاہ رہا تھا کہ مشہد سے عشق طاقتور ہے یا سینے میں دھڑکتا پاکستان۔“ ولید نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

”نہیں یار! اس وردی کے توسط سے تو مجھے مشہد کی محبت کا ادراک ہوا ہے۔ بس دعا کرو کہ میرا عشق لاحاصل نہ رہے۔ مجھے اپنی فکر نہیں کہ اپنی فکر تو تب ہوتی جب کسی روڈ ایکسیڈنٹ میں مرجانے کا خوف ہوتا۔ فکر تو اس وطن کی ہے اس دھرتی کی ہے اس کی خاطر زخمی ہونا یا جان کا جانا پچھتاوے کا سبب کبھی نہیں بنے گا۔ بس خواہش اتنی سی ہے کہ مشہد......“ وہ ایک جوش سے بولتے بولتے خاموش ہو گیا۔ تو ولید نے اس کے کندھے پر رکھے ہاتھ کو تسلی دینے والے انداز سے دبایا۔



انہوں نے جونہی علاقے میں لینڈ کیا‘ وہاں چھپے شرپسندوں نے فائر کھول دیے تھے۔ ان سب نے اپنی اپنی پوزیشن سنبھال لی اور فائرنگ کا جواب دینے لگے بھرپور جوابی حملے سے بزدل دشمن کے بھاری ہتھیار خاموش ہو چکے تھے لیکن ارضِ پاک کے غیور بیٹوں نے اپنی کارروائی جاری رکھی محاذ پر ان کا استقبال بالکل ویسے ہی ہوا تھا جیسا امکان تھا۔ دن ڈھلے تک سب نے اپنی اپنی پوزیشنز مستحکم کر لیں۔ جنرل آفیسر کمانڈنگ ایس ایس جی (اسپیشل سروسز گروپ) اپنے جوانوں میں عزم و ہمت کی نئی روح پھونکنے کے لیے خود تشریف لائے تھے۔

”سر!“ وہ کمانڈنگ آفیسر کے سامنے کھڑے تھے۔

”آگے بڑھنا اور بڑھتے ہی رہنا...... پیچھے ہٹنے سے قبل ایک لمحے کے لیے یہ ضرور سوچنا کہ تمہارا پیچھے ہٹنا بہت سے سر جھکا دے گا۔ اگر اس دھرتی کو مقدم جانا ہے اسے اپنی پہلی محبت پہلا عشق مانا ہے تو جان لو کہ اگر سر اس کی خاطر کٹا کر آئے سینہ اس کے عشق میں گولیوں سے چھلنی کروایا تو تم کو اپنی کشادہ آغوش میں لینے سے یہ انکار نہیں کرے گی۔ اس امید کے ساتھ آپ سب کو خدا کی حفظ و امان میں دیتا ہوں کہ پاک آرمی نے جس فخر کی بنیاد پر اور جتنی امیدیں وابستہ رکھتے ہوئے ایس ایس جی کے جانبازوں کو پکارا ہے یہ غیور بیٹے ملک و قوم پاک فوج اور ایس ایس جی کے ماتھے کا جھومر بنیں گے۔ ان شاء اللہ۔“ کمانڈنگ آفیسر نے ایک ایک جوان پر محبت بھری نظر ڈالی۔

ان سب نے ایک ساتھ سلیوٹ پیش کیا۔

وہ رختِ سفر باندھ چکے تھے۔ اس نے اپنی دائیں جیب پر محبت سے ہاتھ پھیرا اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ الرٹ ہو کر کھڑا ہو گیا۔

”لیفٹیننٹ حاطب مظفر!“ وہ سب کھڑے تھے جب میجر اشہد نے اس کا نام پکارا۔

”سر!“ وہ آگے بڑھا۔

”ابراہیم کمپنی کی کمانڈ آپ کریں گے اور حمزہ کمپنی کی کمانڈ کیپٹن بلال ظفر کریں گے۔ آپ دونوں آپس میں رابطے میں رہیں گے آپ کو لیفٹ سے اٹیک کرنا ہے جبکہ بالکل آپ کے پیچھے زکریا قلندری کمپنی ہوگی جس کو میجر عارف کمانڈ کریں گے جبکہ ہم سب رائٹ سے اٹیک کریں گے۔“

”یس سر!“ وہ اٹینشن کھڑا ہو کر بولا۔

”اگر آپ کو اپنے جوانوں سے کچھ کہنا ہو تو آپ کہہ سکتے ہیں۔“ میجر اشہد نے اس لمحے باری باری سامنے کھڑے چھ کمانڈنگ آفیسرز کو مخاطب کر کے کہا تھا۔

”سر ہمیں بس اپنا لائحہ عمل طے کرنا ہے بس آگے ہی آگے بڑھنا ہے۔ پیچھے نہیں ہٹنا۔“ کیپٹن بلال ظفر نے ایک دفعہ پھر ان سب کا حوصلہ بلند کرنے کی کوشش کی تھی۔



ٹارگٹ سامنے تھا دشمن اپنی پوزیشن سنبھالے متوقع حملے کے لیے تیار تھا۔ اسٹاف آفیسر میجر غیور حیدر نے ایک مرتبہ پھر انہیں علاقے اور دشمن سے متعلق بریفنگ دی۔ رات کے وقت ساٹھ جوانوں نے میجر اشہد کی کمانڈ میں دشمن پر فیصلہ کن حملے کے لیے پیش قدمی شروع کی۔ وہ سب اس وقت سوات کے گاؤں پیوچار کو شرپسندوں کے قبضے سے چھڑوانے کے لیے رواں دواں تھے۔

مشکلات کی پل صراط سامنے تھی۔ دشمن وہاں کے چپے چپے سے واقف تھا لیکن وہ ایمان اور امید کی شمع جلائے آگے بڑھ رہے تھے اس یقین کے ساتھ کہ وہ گاؤں ان کا ہے اور انہیں ہر حال میں قبضہ واپس لینا ہے۔

آٹھ گھنٹے کے جان لیوا سفر کے بعد وہ منزل کے قریب پہنچ چکے تھے۔ میجر عارف نے فورس کو تعینات کیا اور کیپٹن بلال ظفر کو ایک اونچی پہاڑی پر قبضہ کرنے کا آرڈر ملا۔ کیپٹن بلال اپنی ٹیم کے ساتھ اس پہاڑی کی طرف بڑھے۔ دشمن چوکنا ہو چکا تھا' اس نے فائر کھول دیا' ایمان والوں کے قدم اتنی جلدی ڈگمگایا نہیں کرتے۔

کیپٹن بلال نے اپنے کمانڈر کو ساری صورت حال سے خبردار رکھتے ہوئے حیاتِ جاودانی کی طرف اپنا سفر جاری رکھا' وہ اس چوٹی کو تسخیر کرنے کا عزم خود سے کر چکے تھے۔ وہ آگے بڑھتے جا رہے تھے جب...... راکٹ لانچر کا ایک فائر کیپٹن بلال کو لگا' دھرتی ماں کا بہادر بیٹا جام شہادت نوش کر کے دھرتی ماں سے جان کی بازی لگانے کا عہد پورا کر چکا تھا۔

انا للہ و انا الیہ راجعون○

کیپٹن بلال کی شہادت سے ان کا حوصلہ بلند ہوا تھا۔ وہ سب اپنی بھوک' پیاس اور تھکاوٹ کو نظر انداز کر کے شہادت کے نشے میں سرمست تھے' لیفٹیننٹ حاطب مظفر' منی آر کا استعمال کرتے ہوئے اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ دشمن کے مورچوں کے نزدیک پہنچ چکا تھا' اس نے چند گرنیڈ پھینکے' دشمن کا بھاری نقصان ان کے حوصلے پست کر چکا تھا...... شرپسندوں نے اندھا دھند فائرنگ اور گولہ بارود کی بارش کر دی لیکن وہاں تو دھرتی ماں کے بہادر سپوت تھے' دھرتی ماں کو سر کرنے والوں کو اتنی جلدی کیسے چھوڑ دیتے۔ وہ کیپٹن بلال کی شہادت کو مشعل راہ بناتے ہوئے آگے بڑھتے جا رہے تھے۔ گولیاں بہادر بیٹوں کے سینے چیر رہی تھیں لیکن آگے بڑھنے والوں کے پائے استقلال میں لغزش تک نہ آئی۔

''نعرۂ تکبیر!'' لیفٹیننٹ حاطب مظفر کی آواز سے پہاڑیاں گونج اٹھی تھیں۔

''اللہ اکبر۔'' ایک زوردار نعرہ بلند ہوا۔ جاں بازوں کا یہ حملہ اتنا خوفناک تھا کہ شرپسندوں کے چھکے چھوٹ گئے۔ پسپائی' رسوائی' شکست اور ناکامی ان کے مقدر میں لکھی جا چکی تھی۔ انہوں نے مزاحمت کی بھرپور کوشش کی لیکن مقابل دھرتی ماں کے عظیم بیٹے تھے۔ وہ تو جان ہتھیلی پر رکھ کر نکلے تھے۔ سروں پر کفن باندھے حق کو باطل سے الگ کرنے آئے تھے' پسپا کیونکر ہوتے جب خدا نے فتح لکھ دی تھی۔

دہشت گرد اندھا دھند گولیاں برسا رہے تھے جب ایک ٹریسر لیفٹیننٹ حاطب مظفر کے کندھے میں لگا۔ لیفٹیننٹ حاطب نے اس کی پروا نہ کی اور اپنا مشن جاری رکھا' دوسرے لمحے وہ سنسناتی گولیاں اس کی چھاتی کے عین وسط پر لگیں' اس نے سینے پر لگنے والی گولیوں کی پروا نہ کی' اگر وہ ہمت ہار جاتا تو ''اس کے ساتھی......'' اس سے زیادہ وہ نہ سوچ سکا' اس نے تیزی سے رول کیا اور پوزیشن سنبھال کر جوابی فائرنگ جاری رکھی تھیں۔ ایک اور بوچھاڑ اس کے سینے اور گلے پر لگی...... انتظار کی گھڑیاں ختم ہو چکی تھیں۔ عشق لاحاصل نہ رہا تھا مشہد اس سے ملاقات کو آ پہنچی تھی۔

اس نے پوری قوت سے اپنے جسم کو دھکیل کر ڈھلان کے ساتھ ٹیک لگائی اور جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی شام فراق ڈھل کر شب وصل میں بدل چکی تھی۔

انا للہ و انا الیہ راجعون۔

❀♥❀♥❀

مظفر صاحب کو فون کے ذریعے اطلاع دی جا چکی تھی۔ انہوں نے یہ خبر بہت ہمت اور حوصلے سے سنی تھی' انہوں نے حاطب کے آنے تک زہرا بیگم سے یہ بات چھپالی تھی کیونکہ ماں تھیں اور مائیں جتنی بھی بہادر ہوں ایک دفعہ تو ممتا کا کلیجہ ضرور تڑپتا ہے...... طلب کا دل گھبرایا تو وہ بھی دو چار دنوں کے لیے آ گئی...... اور پھر اپنی شہادت کے تیسرے دن وہ آ گیا' سبز ہلالی پرچم میں لپٹا ہوا اس کا جسد خاکی...... چہرے پر خوب صورت چمک اور تازگی لیے...... لبوں پر طمانیت بھرا تبسم اور آنکھیں نیم وا گویا محبت سے انہیں دیکھ رہی ہوں۔ ہزاروں لوگوں کی موجودگی میں اسے مٹی کے حوالے کر دیا گیا' اس مٹی کے حوالے جس کی حفاظت کی خاطر اس نے اپنی جان دے دی اور اس کی دھرتی ماں...... فخر سے سر اٹھائے نم آنکھوں سے مسکرا رہی تھی کہ اس کے بیٹے نے سینے پر گولیاں کھائی ہیں اس سینے پر کہ جہاں وقتِ رخصت جنم دینے والی ماں نے بوسے لیے تھے۔

''طلب بیٹا یہ بیگ......'' مظفر صاحب نے پھوپو کے پاس بیٹھی طلب کو پکارا تو وہ اٹھ کر ان کے پاس آ گئی۔

''اس میں حاطب کی چیزیں ہیں اور یہ......'' انہوں نے جیب سے خون کے دھبے لگا ایک لفافہ نکال کر اس کی طرف بڑھایا تو طلب نے نم آنکھوں سے ان کی طرف دیکھا اور لفافہ پکڑ لیا۔

''حاطب کا آخری خط......'' وہ اپنے آنسوؤں پر قابو نہ پاتے ہوئے وہاں سے چلے گئے۔ طلب کچھ سوچ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ بیگ ایک کونے میں رکھا اور وہیں نیچے کشن پر بیٹھ کر خط کھول کر پڑھنے لگی۔

''سلام کزن!

میں جا رہا ہوں اس منزل کی طرف جس کو پانے کی خواہش ہر جوان کو ہوتی ہے میں مشہد سے ملنے اسے پانے جا رہا ہوں' طلب میں نے ارضِ پاک سے محبت کی ہے تو مشہد سے عشق اور اسے پانے کی خواہش اتنی ہی شدید ہے جتنی اس کی محبت اس کا عشق...... ہو سکتا ہے جب تمہیں میرا خط ملے تو میں مشہد (اللہ کی راہ میں شہید ہونے والا) ہاں' شاید میں نہ رہوں مشہد بن چکا ہوں...... تم سمجھ گئی ہوگی کہ مشہد کون تھی اور میرا عشق میرا جنون کس حد تک تھا' جہاں تک میجر اشہد کی بہن مشہد کا تعلق ہے تو ہم دونوں ایک دوسرے سے صرف ناموں کی حد تک عقیدت رکھتے تھے' مجھے مشہد نام سے عشق تھا تو وہ حاطب نام سے محبت کرتی تھی۔ حاطب اس کا جڑواں بھائی جو ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں جان سے ہاتھ دھو بیٹھا اور مشہد نے اپنی بینائی کھو دی۔ آخری بات کی مرتبہ سوچا کہ تم سے کہہ دوں لیکن ڈرتا تھا کہ اظہار کر دیا تو جان نہ چلی جائے...... کل ایک نظم پڑھی تھی...... سمجھ جانا...... اپنے والدین کو خدا کے بعد تمہاری حفظ و امان میں دیتا ہوں ان کا خیال رکھنا اور وہ بات...... ہاں آخری بات!

وہ شخص مجھے پیارا تھا اسے کہنا
وہی جینے کا سہارا تھا اسے کہنا
لوگ پیارے تھے بہت سے مجھ کو
مگر وہ سب سے پیارا تھا اسے کہنا
محبتیں' شکایتیں' عداوتیں اس کی
مجھے سب گوارا تھا اسے کہنا
چاہنے والے اور بھی تھے لیکن
یہ دل صرف اور صرف تمہارا تھا اسے کہنا
ہاں! یہ دل صرف اور صرف تمہارا تھا طلب......!

خدا حافظ......!

شہید لیفٹیننٹ حاطب مظفر یزدانی

اس کے آنسو بجل بجل گرتے ہوئے اس کے چہرے کو بھگو رہے تھے' لفظ ''شہید'' پر اس نے محبت اور عقیدت سے انگلی پھیری اور زور زور سے رونے لگی کہ وہ جاتے جاتے اسے اپنی محبت کی کسک دے گیا تھا' اس کی خواہش ''کہ وہ کب محبت کا اظہار کرے گا'' اس نے جانے سے پہلے خط لکھ کر پوری کر دی تھی۔



چاند، چاندنی، چراغ

سیدہ گل بانو

تمہارے ساتھ ہی موسم بھی رخ بدلنے لگے
ہوا تھمی ہے تو بارش کے تیر چلنے لگے
رہ حیات میں یوں تم نے میرا ساتھ دیا
کہ جیسے چاند مسافر کے ساتھ چلنے لگے

"شادی بھی ایک مصیبت ہوتی ہے۔" عمارہ بڑے دن بعد اس کے گھر آئی تھی اور آتے ہی حسب عادت اپنی نامرادی اور کم نصیبی کا رونا رو رہی تھی۔

"امبر! یقین کرو انسان کی سب سے بڑی کم عقلی یہ ہے کہ وہ شادی کی خواہش کرے۔" عمارہ کی زبان بدستور چل رہی تھی اور امبر کی تسکین کا آغاز بھی ہو چکا تھا۔ وہ امبر کو اپنے ہمدردوں کی فہرست میں اول درجے پر رکھتی تھی کیونکہ یہ وہ باتیں تھیں جن سے وہ خود بھی متفق تھی پر کہہ نہیں سکتی تھی۔

"اچھی خاصی زندگی دی ہے قدرت نے انسان کو جسے وہ خواہ مخواہ شادی جیسے جھنجھٹ میں پڑ کر فضول ضائع کر دیتا ہے۔" امبر کو اس کے لفظ لفظ میں بڑی دلچسپی محسوس ہو رہی تھی۔

"شوہر کی چخ چخ، بچوں کی ریں ریں، ساس سسر کے چونچلے اور دیگر سسرالیوں کی فضول اور موقع بے موقع دخل اندازی زندگی میں زہر سا گھول دیتی ہے۔" عمارہ تلخ کافی کی چسکیاں [illegible] ونایاب خیالات کا بے تکان اظہار [illegible] گویا دوسرے معنوں میں امبر کے دل میں مزید اپنی قدر و قیمت بڑھا رہی تھی جو کہ تواتر سے بڑھ بھی رہی تھی۔ آج بہت دنوں کے بعد عمارہ کے ساتھ گپ شپ امبر کو پھر سے تازہ دم کر رہی تھی۔ وہ تو ترس جاتی تھی ایسی باتوں اور عمارہ کی تشریف آوری کے لیے۔ اس نے کافی کا آخری گھونٹ لیتے عمارہ کو دیکھا۔

"بس لڑکی ذات کیا کر سکتی ہے عمارہ! شادی تو لڑکی کے لیے سب سے بڑی مجبوری [illegible] لڑکی شادی نہ کرے تو یہ دنیا [illegible] کی بات کہ اپنے ہی اسے بر[illegible] لڑکی تو مرد کی ذات کے سہارے [illegible] بالکل بے بس اور مجبور ہوتی [illegible] آہ بھر کر جیسے اپنی بے بسی ظاہر کی۔

"ہاں [illegible]...... یہی تو سب سے بڑا المیہ ہے ہم لڑکیوں کی مجبور اور بے سہارا ذات کا۔" عمارہ نے بھی خاصی سرد آہ بھری تھی پھر ہارن کی آواز پر چونکتا ہوتے کھڑی ہوئی تو امبر کے چہرے کی بشاشت معدوم پڑنے لگی۔

"لگتا ہے تمہارے میاں آج کچھ جلدی گھر آگئے؟"
عمارہ بولی۔

"ہاں شاید وہی ہیں یا پھر ڈرائیور گاڑی چھوڑنے آیا ہوگا کیونکہ انہوں نے کہا تھا کہ ہوسکتا ہے آج منیجر کی گاڑی میں اس کے ساتھ جانا پڑ جائے تو گاڑی بھیج دوں گا۔" امبر نے بتایا۔

"تم بیٹھو ناں۔" اس نے عمارہ سے کہا مگر عمارہ کی نظریں اندر آتے ہوئے فیروز پر تھیں۔

"نہیں...... میرا خیال ہے میں اب چلوں۔ کیا حال ہے فیروز بھائی!"

"ایک دم زبردست۔ تم سناؤ عمارہ! بڑے دن بعد آئیں۔"

"جی وہ بس فیروز بھائی کچھ مصروفیات بڑھ گئی تھیں۔ اچھا امبر میں چلتی ہوں۔" عمارہ نے وہاں سے جلدی کھسکنا چاہا۔ فیروز کی عقابی نظریں برداشت کرنا بھی کسی کسی کے بس کی بات تھی...... بقول امبر!

"کیا کہہ رہی تھی تمہاری دوست کیسے آنا ہوا؟" وہ کوٹ اتارنے لگا۔

"کچھ نہیں...... آج بہت دنوں کے بعد ایسے ہی بس ملنے کا دل چاہا تو آگئی تھی۔ آپ تو کہہ رہے تھے کہ شاید رات گھر نہ پہنچیں۔" امبر نے کوٹ اتارنے میں اس کی مدد کرنے کے دوران پوچھ لیا۔

"کیا واپس چلا جاؤں؟" وہ عادتاً ہنس کر بولا امبر سن کر بھی ان سنی کرتی کوٹ صوفے کی پشت پر ڈال کر کچن کی طرف جانے لگی۔

"چائے یا کافی؟" حسب معمول مختصراً پوچھا۔

"زبردست اور کڑک چائے اور جلدی سے کیونکہ آج تو جسم ٹوٹ رہا ہے تھکن اتنی ہوگئی ہے کہ حد نہیں یارا!" لمبے چوڑے وجود کو صوفے کے سپرد کرکے نیم دراز ہوتا ہوا تھکن سے چور لہجے میں بولا۔ امبر بنا کچھ کہے خاموشی سے کچن میں چلی گئی۔

"کیا کہہ رہی تھی تمہاری ڈکیت دوست؟" امبر چائے لے کر آئی تو فیروز اسی طرح تھکے تھکے انداز میں صوفے کے بازو پر سر رکھے لیٹا تھا۔ ایک ہاتھ سے چوڑے ماتھے پر بکھرے بالوں کو لانبی انگلیوں میں سمیٹ سمیٹ کر بکھیرنے کا انداز بتاتا تھا کہ موصوف کسی گہری سوچ میں جکڑے ہوئے تھے۔ دوسرے ہاتھ میں ڈھیلے انداز سے پکڑے سیل فون سے دھڑا دھڑ میسج اڑائے جارہے تھے۔

"کون...... عمارہ؟ اتنی اچھی تو ہے آپ تو ایسے ہی اسے برا بھلا کہتے ہیں۔ پہلے تو آپ اس سے نہیں چڑتے تھے۔" امبر نے اپنی دوست کی بھرپور حمایت کی۔ چائے کا کپ بڑھا کے پلٹنا چاہتی تھی فیروز نے چائے کے کپ کی بجائے اسے کلائی سے تھام کر پہلو میں بٹھالیا۔ دوسرے ہاتھ سے سیل فون تھام کے میسج کا آخری کونر بھی اڑالیا۔

"میں اسے برا بھلا نہیں کہتا......" فیروز نے اپنے لفظوں کو دبا کر ادا کیا۔ "میں اسے برا کہتا ہوں۔" مزے سے امبر کا دل جلا کے وہ سر دوبارہ صوفے کے بازو پر رکھ چکا تھا۔ سیل فون اس کی گود میں پھینک کر اب وہ چائے پینے میں مشغول ہوچکا تھا۔ امبر کی شکوہ کناں نظریں اس کے بارعب نقوش کو ٹٹولنے لگیں۔ ہونٹ بھینچ کر "پہلے مجھے ان موصوفہ کے بارے میں معلومات نہیں تھیں کہ آپ کی عزیزہ انتہائی غیر ذمے دار اور فضول واقع ہوئی ہیں۔" فیروز کا لب و لہجہ مضبوط لیکن انداز سرسری تھا۔ امبر خاموش رہی کہ فیروز کو بات بات پر بحث کرنے والی بیویاں پسند نہیں تھیں۔

"شام کا کیا پروگرام ہے؟"

"کچھ نہیں۔"

"کیا خیال ہے پھر آج لانگ ڈرائیو پر چلیں؟"

"میرا آج نہیں چاہ رہا۔"

"تمہاری امی کی طرف چلیں؟"

"میری امی آپ کی کچھ نہیں لگتیں؟"

"یہ میرے سوال کا جواب تو نہیں۔"

"آپ سے بھی تو سوال کیا ہے میں نے" کیا اس کا کوئی جواب نہیں آپ کے پاس؟"

"یار......!" فیروز نے آخری گھونٹ کے ساتھ کپ خالی کرکے قریبی ٹیبل پر رکھا پھر مصالحانہ انداز میں دونوں ہاتھ اٹھا کے بولا۔

"تمہاری امی میری ساس ہیں اور میری بہت ہی پیاری آنٹی ہیں اور میں ان کا چہیتا داماد۔ تم بات بات پر بحث نہیں کرنے لگیں آج کل کچھ زیادہ۔ اور عمارہ سے ملنے کے بعد تو کچھ زیادہ ہی تلخ ہونے لگتی ہو۔" وہ مستانہ انداز میں کہتا ہوا وہ ابھی تک مسکرا رہا تھا۔

"میری دوست بہت اچھی ہے جناب!"

"اچھا جی! برے تو ہم ہوئے۔" وہ سرد آہ بھر کر برجستہ بولا۔

"میں نے یہ کب کہا؟" غزالی سیاہ آنکھیں پھیل کر مزید کشادہ ہوئیں۔ تیکھے ابرو حیرت سے وا تشکری نرم ہونٹ فیروز کو لاجواب کر گئے تھے۔ وہ پل بھر کو مبہوت سا اسے تکتا رہ گیا۔ اس کی نظروں میں وارفتگی اُمڈ آئی تھی۔ مگر فیروز کے تیور بدلتے ہی وہ اس کے پہلو سے اٹھ گئی تھی۔ فیروز خود کو یوں نظر انداز کیے جانے پر دم بخود بیٹھا رہا تھا۔

"آپ کا سوٹ نکال رکھا ہے آپ جا کر نہا لیں۔" وہ کپ اٹھا کے کچن کی طرف بڑھ گئی تھی۔ فیروز نے ایک ٹھنڈی آہ بھر کر اپنے مضبوط ہاتھوں کی خالی ہتھیلیوں کو دیکھا جن میں صرف چند لمحے پہلے امبر کے کول نرم و گداز ہاتھ کو اس نے کس بے خودی کے عالم میں تھامنا چاہا تھا مگر......!

اور پھر یہ روز ہی ہونے لگا دن بھر کی مصروفیات کے بعد فیروز کو فرصت کے تھوڑے سے لمحات میں جب ایک قریبی ساتھی کی اشد ضرورت محسوس ہوتی تو ایسے میں اس نے امبر کو خود سے بہت فاصلے پر ہی پایا۔ اسے امبر کا رویہ سمجھ سے باہر لگ رہا تھا۔ اول اول تو اسے یہی سمجھنے میں دقت پیش آرہی تھی کہ امبر کے سپاٹ رویے اور ان دونوں کے بیچ طوالت کھینچتے روکھے پھیکے تعلقات کی وجہ کیا تھی؟ کوئی تو جواز ان دونوں کے درمیان بڑھتی دوریوں کا موجود تھا مگر کیا...... اس سوال کا جواب کہیں نہ تھا۔ ہر انسان کی زندگی کی کچھ ترجیحات ہوتی ہیں اور انسان ہونے کے ناتے وہ بھی اپنی ازدواجی زندگی کو ہر طرح سے مکمل بھرپور اور پرسکون دیکھنا چاہتا تھا۔ مگر امبر کے مزاج میں رونما ہونے والی تبدیلیاں اسے الجھا چکی تھیں۔ آخر وہ ایسی کیوں ہوتی جارہی تھی کہ وہ شادی کے بعد ازدواجی زندگی نہیں بلکہ جیسے زبردستی خود پر مسلط کیا جانے والا کوئی فیصلہ تمام تر مجبوریوں کے باوجود سہہ رہی تھی اور وہ تمام تر مجبوریاں...... شوہر سے دور دور رہنے اور زندگی کی چھوٹی موٹی بے ترتیبیوں پہ بے انتہا جھنجلانے کے سوا اور کچھ نہ تھیں اور بے ترتیبی اور دوری بھی وہ جو صرف اور صرف خود امبر کی ہی فرسودہ سوچوں کی پیداوار تھیں۔



"آج تم وہ ہو کل کلاں کو بچے بھی ہوں گے......"
عمارہ نہ جانے اسے کیا سمجھانا چاہ رہی تھی اس نے قصداً بات ادھوری چھوڑ کے امبر کے تاثرات کو بغور جانچا تھا جہاں عمارہ کے عام سے جملے کا ردعمل بڑا شدید تھا۔

"میڈم عمارہ کیا ضروری ہے کہ آپ ہماری نجی زندگی میں مداخلت کریں۔" فیروز کی بالکل اچانک غراہٹ نے عمارہ کو بوکھلا دیا۔

"آپ......!" عمارہ کے ساتھ ساتھ خود امبر بھی اس کی غیر متوقع آمد پر سٹپٹا کے رہ گئی۔ دونوں ایک ساتھ اٹھتی فیروز کی طرف پلٹی تھیں۔

"جی...... میں تو فیروز بھائی...... میں تو بس ویسے ہی......"

"آپ جاگ گئے......؟" امبر نے ہکلاتی عمارہ کا ہاتھ دبا کے چپکے سے اسے حوصلہ دیا تھا۔

"جی...... میں تو ہمیشہ سے ہی جاگ رہا ہوں اور آپ بھی جاگ جائیں۔" فیروز نے امبر کو بھی خاصی سرزنش کرتی نگاہوں سے گھورا تھا۔

"آپ فریش ہوجائیں میں ناشتا لگاتی ہوں۔" امبر

سنبھل چکی تھی۔
"ٹھیک ہے...... مگر ذرا جلدی......" فیروز ٹھنڈی نظروں سے امبر کو اک خاموش تنبیہ کرتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف پلٹ گیا۔
عمارہ سر تھام کے صوفے پر بیٹھ گئی۔
"حیرت ہے تم کیسے جی رہی ہو اس کے ساتھ؟ یہ بددماغ اور غصہ ور آدمی جسے تمہارے نازک جذبات کی پروا ہے نہ قدر......" عمارہ کی زبان قینچی کی طرح چل پڑی تھی جبکہ اس کے الفاظ پہ امبر کا دل نہ جانے کیوں دھک سے رہ گیا تھا۔ احتجاج کی ایک مانوس لہر اس کی رگ و پے میں تھرتھرائی پر وہ ہمیشہ کی طرح عمارہ کی ہر بات کو سر تسلیم خم کیے سننے کے سوا کچھ نہ کر سکتی تھی۔ عمارہ کی موجودگی اسے پرسکون رکھتی تھی یا پھر اس کی غیر موجودگی میں اس کا سکون اور قرار پوشیدہ تھا وہ آج تک یہی محسوس نہ کر پائی تھی۔ ہاں بس اتنا ضرور تھا کہ عمارہ کے لفظوں میں جانے کیا تاثیر تھی کہ وہ بس اسے ایک ٹک سننے پہ مجبور رہتی۔ اس کی زبان بند اور اس کی ذات کے اندر اس دوران سناٹا سا چھایا رہتا۔ نہ سمجھ میں آنے والا تاریک دبیز گہرا گمبھیر سناٹا مگر عمارہ کے جانے کے بعد اسے فیروز کے سوال و جواب کا سامنا بھی کرنا ہی تھا۔
"کیا کہہ رہی تھی وہ؟"
"کچھ نہیں......!"
"اچھا! وہ گونگے کا گڑ منہ میں لیے خاموشی سے آئی اور خاموشی سے چلی گئی؟" فیروز اسے مسلسل گھور رہا تھا۔
"کیا ہو گیا ہے آپ کو؟ میری دوست ہے عمارہ ملنے آئی ہے وہ مجھ سے، کبھی کبھی وہ...... دوستوں میں کس قسم کی باتیں ہوتی ہیں، کیا میں نے آپ سے آپ کے کسی دوست یا آپ کے اور آپ کے دوستوں کے بیچ ہونے والی باتوں کی جاسوسی کی ہے کبھی......؟" امبر بری طرح جھنجلا کے چیخی۔
"اپنی زبان پر قابو رکھو امبر!"
"ہاں...... ساری پابندیاں، سارے جرم میرے ہیں۔ میرے ساتھ میری دوستوں کے ساتھ جیسا چاہے برتاؤ ہوتا رہے پھر بھی میں ہی مجرم میں ہی گناہ گار؟"
"اس نے تم سے جو بکواس کی وہ میں سن چکا ہوں۔"
"تو پھر آپ دوبارہ مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہیں۔ جب آپ اپنے کانوں سے سن ہی چکے ہیں تو؟"
"تمہارا یہ انداز، یہ نگاہیں، یہ رویہ...... یہ سب کیا ہے آخر تم نے ہمارے درمیان یہ جو روش اختیار کر لی ہے کیا ہے یہ سب؟" فیروز کا ضبط قابل دید تھا۔ "آخر بات کیا ہے؟"
"کوئی بات نہیں فیروز! آخر آپ سننا کیا چاہتے ہیں؟"
"یہ بے وجہ الجھنا، جھنجلانا، یہ دوریاں یہ بدگمانی کیا ہے یہ سب...... کیا سبب ہے تمہاری بے جواز دوری اور چڑچڑے پن کا؟ اگر کوئی وجہ ہے تو مجھے بھی خبر ہونی چاہیے اس کی؟"
"یہ صرف آپ کے شکوک وشبہات ہیں اور کچھ نہیں۔"
"کوئی بات تو ہے امبر! جس کی مجھ سے پردہ داری ہے۔"
"کوئی بات ہو تو بتاؤں بھی۔ آپ تو بے وجہ کی ہر بات کا سراغ لگانے بیٹھ جاتے ہیں۔" امبر ایک بار پھر ناقابل برداشت حد تک جھنجلائی۔ اس کے اس انداز کو فیروز نے لبوں کو بھینچ کر کچھ لمحے خاموشی کے ساتھ برداشت کیا تھا اور پھر وہ یک لخت جیسے تمام ضبط گنوا کے چیخ پڑا تھا۔
"کیا سمجھتی ہو تم...... میں ایک دم الو گھامڑ ہوں، گدھا ہوں جو انسانی جذبات سے قطعی نابلد ہوں؟ جو کسی کو اپنی بات سمجھا سکتا ہے اور نہ کسی کی بات سمجھنے کی عقل رکھتا ہے؟ کیا ہوں آخر میں، کیا ہوں تمہاری نظر میں؟ تم مجھ سے زیادہ عقل و سمجھ والی ہو اور میں ایک دم عقل سے پیدل۔ بکواس کرتا ہوں......"
"میں نے آپ سے ایسا کچھ بھی نہیں کہا۔" امبر

قدرے خائف ہو گئی تھی۔
"یہ نہیں کہا...... وہ نہیں کہا...... یہ بات نہیں وہ بات نہیں امبر آخر بات ہے کیا؟ آخر تمہارا مسئلہ کیا ہے۔ تمہاری ذہنی کج کس نہج تک پہنچ گئی ہے آخر کہ جہاں تک میری رسائی ناممکن ہو گئی ہے۔ میری اور اپنی ازدواجی زندگی میں فاصلوں کی یہ انمٹ لکیر مت بناؤ۔"
"آپ بے وجہ غصہ کر رہے ہیں۔" وہ ہولے سے منمنا سکی۔
"ٹھیک ہے۔" وہ دونوں ہاتھ بات ختم کرنے والے انداز میں اٹھا کر گھٹی آواز میں گویا ہوا۔ "میں بے وجہ غصہ کر رہا ہوں۔ تم سرتاپا سچائی کا پیکر ہو اور میں جھوٹا ہوں بلکہ میں ہی ہر فساد کی جڑ ہوں۔"
"فیروز! آپ..."
"بس...... آئندہ عمارہ اس گھر میں نہیں آئے گی۔" فیروز نے ایک لمحے میں حکم صادر کیا۔ امبر دنگ سی کھڑی رہ گئی۔ فیروز اس حد تک بھی جا سکتا ہے یہ تو اس نے کبھی نہ سوچا تھا مگر فیروز اپنی بات کہہ کر وہاں سے جانے کے لیے پلٹ چکا تھا۔
"ایسا کیسے ہو سکتا ہے فیروز۔" وہ اس کے پیچھے لپکی تھی۔ "وہ میری بہترین دوست ہے۔ آپ میری اور اس کی دوستی کو یوں اپنے شک وشبے کی بھینٹ کیسے چڑھا سکتے ہیں؟" وہ فیروز کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ "وہ میری دکھ سکھ کی ساتھی، میری ہم راز ہے جس سے میں اپنی زندگی کے سارے مسائل آنکھیں بند کر کے پورے اعتماد کے ساتھ شیئر کر سکتی ہوں۔" امبر ڈرائنگ روم سے راہداری، راہداری سے باہر جانے والی سیڑھیوں تک فیروز کے پیچھے تک احتجاج کرتی آئی تھی۔ فیروز خاموشی سے لب بھینچے سنی ان سنی کرتا لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا اس سے کہیں آگے نکل گیا تھا۔ یہاں تک کہ امبر کے لیے اس کے تیزی سے اٹھتے مضبوط قدموں کے برابر چلنا ناممکن ہو گیا تھا۔ فیروز ایک ساتھ دو دو سیڑھیاں عبور کرتا پورچ میں کھڑی گاڑی تک چلا گیا جہاں ڈرائیور اسے آفس لے جانے کے لیے منتظر تھا۔ فیروز سے کئی قدم پیچھے رہ جانے والی امبر بے بسی سے پاؤں پٹخ کے رہ گئی۔

○❖○❖○

شام ڈھلے وہ عمارہ کے گھر کی اطلاعی گھنٹی کے بٹن پہ انگلی رکھے پژمردہ سی کھڑی تھی۔
"امبر! تم اس وقت؟" عمارہ اسے اس وقت وہاں اپنے سامنے دیکھ کر حیران ہوئی۔
"کیا میں صبح تک تمہارے پاس ٹھہر سکتی ہوں عمارہ!" عجیب شکست خوردہ انداز میں امبر گویا ہوئی۔ عمارہ کے رگ و پے میں خفیف سی لہر سرایت کر گئی۔ اس کا جی چاہا وہ امبر کو وہیں سے لوٹ جانے کا کہہ دے۔
"ایک رات کی ہی تو بات ہے......" عمارہ نے دل ہی دل میں خود کو امبر کو ایک رات کے لیے اپنے گھر ٹھہرانے پر قائل کیا۔
"ہاں...... کیوں نہیں...... آؤ...... یہ بھی تمہارا گھر ہی ہے۔ جب تک چاہو یہاں رک جانا۔" عمارہ نے فراخ دلی سے اس کا ہاتھ تھام کر جیسے اسے بھرپور سہارا فراہم کیا اور گھر کے اندر لے آئی۔
"آخر ایسی بھی کیا بات ہوئی جو تم نے یہ قدم اٹھایا امبر!" اس کی بھرپور تواضع کرنے کے بعد جب دونوں اندر ہی اندر خود کو کافی حد تک سنبھال چکیں تو کافی کا آخری گھونٹ لیتے ہوئے عمارہ نے پوچھا۔
"میں اس انسان کے ساتھ اور گزارا نہیں کر سکتی عمارہ! اس کی سوچ میں احساس برتری اور حکمرانی ہے۔ اس کے خیال میں شوہر کے ساتھ اس کی بیوی کو بیوی کی طرح نہیں بلکہ ایک مشین کی طرح ہونا چاہیے جو اس کے اشاروں سے چلتی رہے۔ بیوی کے حقوق اور اس کی خواہشات تو بس اس کے ایک ہاتھ کی ایک ہی انگشت تک گنتا ہے۔ ایک، دو، تین اور بس......! اس کے بعد بیوی کی کیا منشا، کیا جذبات و احساسات ہیں اس کی بلا سے...... آخر میں بھی اسی کی طرح دل و دماغ رکھنے والی

انسان ہی ہوں۔ گوشت پوست کی زندہ سلامت انسان......" امبر کے اندر کا بھروسا جیسے آج ٹوٹ رہا تھا جو اس نے شوہر کی ذات سے بھی منسوب کر رکھا تھا۔ وہ بے تکان بولتی چلی گئی جب تھک کر خاموشی اختیار کی تو اسے لگا عمارہ دیوار گیر گھڑی پر نگاہ ڈال رہی تھی اس کا انداز بے حد اضطراری تھا اور نظریں قدرے اجنبی اور بے نیاز...... جو باتیں وہ کہہ رہی تھی عمارہ نے وہ چپ چاپ سن ضرور لی تھیں مگر وہ باتیں عمارہ کے لیے کسی اچنبھے کا باعث نہ تھیں۔ کیونکہ یہ وہی باتیں تھیں جو وقتاً فوقتاً عمارہ فیروز کے لیے اس کے دل و دماغ میں انڈیلتی رہتی تھی اور جو امبر کو آب حیات سے کم بھی نہ لگتی تھیں۔ کوئی اور وقت ہوتا تو شاید اسے اپنی ان سکھائی پڑھائی گئی باتوں کو دہراتے دیکھ کر عمارہ ضرور اس کے صدقے واری جاتی مگر فی الحال تو وہ ٹکٹکی باندھے دیوار گیر گھڑی کی جانب دیکھ دیکھ کر ہر گزرتے لمحے میں پہلے سے کہیں زیادہ مضطرب ہوتی دکھائی دے رہی تھی اور یہ اضطراری کیفیت اس وقت عروج تک پہنچ چکی تھی جب عمارہ کے شوہر راشد کی گھر میں تشریف آوری ہوئی۔

"بھئی عمارہ نے تو بتایا ہی نہیں کہ آج اس کی کوئی دوست ہمارے گھر کو رونق بخشنے آئی ہوئی ہیں ورنہ قریب ہی تو ریسٹورنٹ ہے......" کھانے کے دوران راشد کی زبان فراٹے بھر رہی تھی اور امبر نے زندگی میں پہلی بار اسے اس قدر خاموش دیکھا تھا ورنہ عمارہ اور خاموشی دو قطعی مختلف چیزیں تھیں۔

"رہنے بھی دیں راشد اتنا کچھ تو تھا گھر میں، پھر ریسٹورنٹ کی کیا تک ہے۔"

"ارے تم جیسی پھوہڑ عورتوں کو کیا خبر مہمان کیا ہوتے ہیں اور وہ بھی امبر جیسے خاص مہمان......" راشد کی باتوں سے آنکھوں تک میں اس خاص مہمان کے لیے اس قدر پسندیدگی جھلک رہی تھی امبر خود کو اس قدر خاص سمجھے جانے پر جھینپی جا رہی تھی اور عمارہ کا جی چاہا امبر کو بازو سے پکڑ کر اسی وقت اس کے گھر روانہ کر دے۔

رات گہری ہو رہی تھی اور عمارہ کے سکون کا خانہ خراب ہو چکا تھا۔ ایک ایک لمحہ اس کے لیے ایک ایک صدی بن چکا تھا۔ وہ عجیب دوراہے پہ کھڑی تھی اسے آج رات امبر کے ساتھ سائے کی طرح لگے رہنا چاہیے کہ راشد پہ کڑی نظر رکھنے کے لیے اس کا دم چھلا بن جانا چاہیے یہ فیصلہ اسے چند لمحوں میں کرنا چاہیے تھا مگر کئی گھنٹے گزر جانے کے بعد بھی وہ شش و پنج میں پڑی تھی۔ وہ جانتی تھی راشد نامی یہ شخص انسان نہیں بلکہ معصوم بھولی بھالی لڑکیوں کے لیے سفاک بھیڑیا تھا اس کی سفاکیت کی کئی کہانیوں کی وہ چشم دید گواہ نہ سہی مگر ان سے باخبر ضرور تھی۔ راتوں رات وہ امبر جیسی کلی جیسی معصوم لڑکی کو اس کی دسترس سے یوں اڑا کے لے جاتا کہ عمارہ کے فرشتوں تک کو بھی ہوا نہ لگتی۔ راشد کا کردار آج سے پہلے تو کبھی عمارہ کے لیے اتنا تکلیف دہ اور باعث خوف نہ بنا تھا جس قدر وہ آج امبر کی طرف سے راشد کی گھاگ فطرت کے سبب خوفزدہ ہو گئی تھی۔

"مجھے راشد کے سو جانے تک راشد کے قریب رہنا چاہیے اور جب راشد گہری نیند میں چلا جائے تو پھر مجھے امبر کے پاس جانا چاہیے کیونکہ راشد کے جاگنے تک مجھے راشد کے ارادوں کی خبر رہے گی اور اگر میں راشد کے جاگنے کے دوران امبر کے پاس گئی تو راشد پہ نظر نہ رکھ سکوں گی۔" راشد کے بیڈ پر لیٹنے تک وہ اسی فیصلے پہ پہنچ کر کچن سے فارغ ہو کے اپنے بیڈ روم میں آ گئی۔ امبر کو اس نے کچن سے ہی مہمان خانے میں بھیج دیا تھا وہ اسے راشد کی نظروں سے بچا کر دور رکھنا چاہتی تھی مگر یہ کیسے ممکن تھا؟

عجیب سی اتنی گہری رات تو کبھی عمارہ نے نہ دیکھی تھی۔ کھڑکی سے آتا تیز ہواؤں کا شور عمارہ کے اندر بھی اودھم مچا رہا تھا۔ راشد جو بیڈ پر سونے کے لیے لیٹتا تو صبح ہی بستر سے اٹھتا تھا آج اس نے بیڈ پر لیٹنے کے پون گھنٹے کے اندر تین چکر کمرے کے باہر کے لگا لیے تھے اور اس دوران موبائل فون بدستور اس کے ہاتھوں

میں دائیں بائیں منتقل ہوتا رہا تھا۔ اس کے اضطراب نے عمارہ کے ہوش اور نیند دونوں چٹکیوں میں اڑا کے رکھ دی تھی۔ عمارہ نے وقت دیکھا، ابھی آدھی سے زیادہ رات باقی تھی اور اس کا جسم و ذہن ابھی سے تھک کر یوں نڈھال ہو رہا تھا جیسے وہ کئی راتوں سے بنا پلک جھپکے جاگ رہی ہو۔ اس پر راشد کے پراسرار انداز، عادت کے خلاف امبر سے جلد ہی بے نیازی ظاہر کرنا، وقت سے پہلے جلد ہی تمام گھر کی بتیاں گل کر کے جلد سونے کی تاکید بستر پر نیند آنے سے پہلے تک راشد کو بار بار کروٹ بدلتے رہنے کی عادت تھی مگر آج وہ اس عمل سے دانستہ گریز کر رہا تھا تو شاید اس لیے کہ عمارہ کی نیند میں خلل واقع نہ ہو مگر عمارہ کا تو آج سونے کا کوئی ارادہ نہ تھا اور عمارہ کو لگا وہ اندر ہی اندر جیسے ڈر سے تھر تھر کانپ رہی ہو اور اس کے بڑھتے خوف کی کئی وجوہات تھیں۔ وہ سو کیوں نہیں جاتا...... وہ بار بار اٹھ کر باہر کمرے سے نکل کر کہاں اور کس مقصد سے جاتا ہے اور اس کے موبائل فون پر کالز کس کی آ رہی ہیں۔ موبائل فون اس نے سائلنٹ موڈ پہ کیوں لگا رکھا ہے...... وہ حسب عادت بیڈ پر لیٹ کر کچھ دیر کروٹیں لینے کے بعد اب سو کیوں نہیں جاتا۔

"کیا راشد خود کسی کو کال کرنے باہر جاتا ہے مگر کسے اور کیوں...... ایسی بھی کیا ضرورت پڑ گئی اچانک رات گئے......" عمارہ نے سوچا اور اندر تک سن پڑ گئی اسے کئی راتیں یاد آئیں کہ جب اسی طرح رات گئے راشد موبائل فون سے چپکا رہتا اور پھر راتوں رات ان کے گھر کا مہمان خانہ راشد کے اوباش دوستوں سے کھچا کھچ بھر جاتا اور ساتھ ہی رات بھر نسوانی سرگوشیوں، چوڑیوں، پائلوں کی جھنکار میں راشد اور اس کے عیاش دوستوں کی مدھم آوازیں، چور قہقہے سنتے سنتے عمارہ نیند کی وادیوں میں اتر جایا کرتی تھی۔

"کیا یہ ایسی ہی کوئی رات ہے؟ یااللہ! تو رحم کر اس معصوم پر......" جانے کس دم عمارہ کی پلکیں نیند سے بوجھل ہونے کو تھیں۔ مجبوری یہ کہ اٹھ کر بیٹھ بھی نہ سکتی تھی اور لیٹنے سے دن بھر کا تھکا ہارا وجود کب تک نیند سے غافل رہتا۔ غیر ارادی طور پر عمارہ کی پلکیں بوجھل ہونے کو تھیں جب اسے لگا کہ راشد نے ہاتھ بڑھا کر پہلے دراز اور پھر اس کے تکیے کے نیچے ہاتھ ڈال کر کچھ تلاش کیا تھا۔

"مہمان خانہ کی چابی......!" عمارہ کے ذہن میں جھماکا ہوا...... اسے یاد آیا کہ اس نے مہمان خانہ کی چابی امبر کو دی تھی کہ وہ اندر سے دروازہ مقفل کر کے سوئے ایسا اس نے امبر کو راشد کے سامنے اس لیے کہا تھا کہ تاکہ راشد یہی سمجھے کہ مہمان خانہ کی چابی بھی اس نے امبر کو دے دی ہے مگر بعد میں اس نے امبر سے کہا تھا کہ مہمان خانہ کے دروازے کا تالا بنا چابی کے نہیں لگتا اس لیے وہ خاص طور پر چابی سے تالا لگا کر سوئے۔ امبر یہ نہ جانتی تھی کہ عمارہ کے دل و دماغ میں کیا پریشانی چل رہی ہے اور اب راشد کو مہمان خانہ کی دوسری چابی کی تلاش تھی؟ اس لیے وہ کبھی دراز تو کبھی عمارہ کے تکیے کے نیچے سے چابی تلاش کرنے کی تگ و دو میں تھا۔ عمارہ پچھتاوؤں میں گھر گئی۔ اسے امبر کو رات یہاں ٹھہرانا ہی نہیں چاہیے تھا۔ اس کا دل گھبرا رہا تھا۔

راشد کو چابی نہ ملی اور پھر بھی وہ کسی طرح امبر کے پاس پہنچنے میں کامیاب ہو گیا تو...... تالا توڑنے کے ہزار طریقے ایک طرف اگر امبر نے دروازہ کھول دیا تو......؟

"نہیں...... نہیں میں اس معصوم کو اس شیطان کے ذلیل عزائم کی بھینٹ نہیں چڑھنے دوں گی۔ کبھی بھی نہیں......" عمارہ روح تک تھرتھرا رہی تھی۔ آج تک اس نے شوہر کے داغدار کردار کی کبھی کوئی فکر خود پہ سوار نہ ہونے دی مگر آج ان لمحات میں اس کا جی چاہ رہا تھا اس کا گلا گھونٹ کر اسے ابدی نیند سلانے کے بعد خود سکون کی میٹھی نیند سو جائے روز کی طرح...... وہ ذہنی اور جسمانی مشقت سے تقریباً آخری حد تک ٹوٹ پھوٹ چکی تھی کہ جب اسے لگا کہ راشد کے سرہانے پڑا اس کا موبائل فون روشن ہو رہا تھا مگر وائبریشن کے سبب کال آنے پر تھرتھراہٹ کے باوجود راشد کے وجود میں کوئی حرکت نہ

ہوئی تھی۔ صرف ایک لمحے میں عمارہ نے غیر ارادی طور پر موبائل فون اٹھالیا اور دوسرے ہی لمحے موبائل فون آف کرکے اس نے دوبارہ راشد کے سرہانے دھرا تھا اور آہستگی سے بستر چھوڑ دیا۔ کچھ لمحے اس نے راشد کی طرف سے کسی ردعمل کا انتظار کیا اور پھر گہری خاموشی میں راشد کے مدھم خراٹوں کی آواز پاکر وہ دبے پاؤں کمرے سے باہر نکل آئی اور اپنے پیچھے وہ خواب گاہ کا دروازہ باہر سے مقفل کرنا نہ بھولی تھی۔ دوسری چابی سے مہمان خانہ کا دروازہ کھول کر وہ سرعت سے گہری نیند سوئی امبر کے پاس پہنچی تھی۔ نازک سراپا، معصوم بانکپن، سحر انگیز رعنائیوں سے گندھی یہ لڑکی راشد کے ساتھ ساتھ آج تو عمارہ کی بھی نیند اڑا گئی تھی۔ جانے کیا ہوا کہ اس تک پہنچتے ہی عمارہ نے جھک کر بے ساختہ اسے دیوانہ وار چھوا اور بے ساختہ اس کی چندن سی پیشانی کو بے پناہ محبت سے چوم لیا۔ دو چار آنسو عمارہ کی پلکوں سے ٹوٹ کر امبر کے تکیے پر بکھرے ریشمی بالوں کی گھٹا میں جذب ہوگئے تھے۔ اس کے لیے اپنے گھر سے نکل کر اس کے پاس ایک رات گزارنے کے لیے پورے اعتماد کے ساتھ آنے والی یہ لڑکی عمارہ کو پلک جھپکتے میں کتنی انمول لگنے لگی تھی جو اس پر اندھا اعتماد کرتی تھی اور اس وقت بھی کس بے فکری سے اس کے گھر کے مہمان خانے میں محو خواب تھی جیسے اس کے پاس پہنچ کر وہ ہر فکر سے آزاد ہی تو ہوگئی تھی۔

"بھولی لڑکی! میں اتنے بھی اعتبار کے قابل نہیں کہ شوہر کو جھٹلا کے مجھے تم نے خود سے مخلص سمجھ لیا...... ہاں! مگر اب میں تمہارا بال بھی بیکا ہونے نہیں دینا چاہتی۔" عمارہ بڑبڑائی پھر اپنے ہاتھ میں پکڑے سیل فون سے وہ فیروز کا نمبر ملاتے ہوئے مہمان خانے سے باہر آگئی۔

"ساری باتیں چھوڑیں فیروز بھائی...... ! آپ بس اسے لینے آجائیں۔" اس کی آواز سنتے ہی فیروز غصے سے پھٹ پڑا تھا۔ عمارہ نے التجا کی۔

"رہنے دو رکھو اسے آج تم اپنے پاس اس کا شوق بھی پورا ہوجائے۔"

"وہ آپ سے بہت پیار کرتی ہے۔ آپ کو بھی اس کے لیے اپنی مصروفیات سے وقت نکالنا چاہیے۔"

"تم جو ہو اسے وقت دینے کے لیے۔" فیروز نے طنز کیا۔ عمارہ کے لبوں پر شکستہ سی مسکراہٹ ابھر کے معدوم ہوگئی۔

"ہاں میں تو اسے ہمیشہ وقت دے سکتی ہوں مگر پلیز آپ ابھی آکر اسے یہاں سے لے جائیں۔"

"وہ جاسکتی ہے تو واپس آبھی سکتی ہے۔"

"کمال کرتے ہیں فیروز بھائی! وہ آپ کے لیے یہاں تڑپ رہی ہے اور آپ......"

"اور میں تو جیسے یہاں چین کی بنسری بجارہا ہوں۔ آخر اسے یہ کیوں لگتا ہے کہ تم اس کے لیے جو بھی کہتی ہو وہی اس کے لیے سچ ہے اور میں تو بس بکواس کرتا رہتا ہوں؟"

"وہ غلط بھی نہیں سمجھتی فیروز بھائی! میں اس کے لیے غلط کیوں سوچوں گی؟" عمارہ بولی تو معلوم نہیں کیوں خود اپنے ہی الفاظ کی اس کے دل پر گہری چوٹ پڑی۔ وہ اس کے لیے کتنی درست سوچ رکھتی تھی اس کا اسے آج شدت سے احساس ہورہا تھا۔ "تو پھر آپ آرہے ہیں نا؟"

"تم دونوں کو ابھی ہوش آیا ہے! وقت دیکھو [illegible] رہے ہیں اور میں تم دونوں کی بے وقوفی کا [illegible]۔ آدھی رات کو سڑکوں پر گاڑی بھگا [illegible] دنیا مجھے آوارہ سمجھے یا پھر......" [illegible] وہ [illegible] رہا تھا۔ کوئی خطرناک بات کہنے جارہا [illegible] عمارہ نے عاجزی کی انتہا کردی۔

"پلیز آپ [illegible]......"

"[illegible]......" وہ ٹال گیا۔

"فیروز بھائی! آپ سمجھتے کیوں نہیں؟ جلدی آجائیں ورنہ کوئی گڑبڑ ہوگئی تو......" نڈھال و شل ہوتی عمارہ یکلخت ہی گڑگڑا اٹھی۔ بھرایا لہجہ، ٹوٹے پھوٹے الفاظ...... یکلخت ہی امبر کی طرف سے فیروز کا دل شدت سے فکرمند ہوا۔

"کیا ہوا ہے عمارہ!"

"آپ آجائیں بس ابھی...... جلدی سے...... بس آپ آجائیں پلیز......" عمارہ ہنوز گڑگڑا رہی تھی۔ فیروز کے دل کو کئی خدشوں نے گھیر لیا۔ یہ وہ عمارہ تو نہ تھی جسے وہ جانتا تھا یہ تو کوئی اور ہی عمارہ تھی۔

"ٹھیک ہے میں ابھی آرہا ہوں۔" فیروز کا لہجہ نرم پڑنے لگا۔ "تم اس کا خیال رکھو...... آتے آتے بھی کچھ وقت تو لگے گا مجھے۔" فیروز کو بھی یکلخت امبر کی فکر ستانے لگی۔



"تم ان کو کہہ دیتیں کہ میری [illegible] ضرورت نہیں۔" امبر کو جگا کے اس نے [illegible] بڑی خوشخبری سنائی تھی مگر امبر کا منہ پھول گیا۔

"زیادہ باتیں مت کرو امبر اور پلیز تمہارا ابھی اور اسی وقت ان کے ساتھ چلے جانا ہی بہتر ہے ورنہ مرد ذات کے دل کا کیا بھروسا۔ اس کے دل میں کوئی بات کانٹے کی طرح پیوست ہوجائے کیا خبر......؟" عمارہ معلوم نہیں کیوں اس سے نظر نہ ملا پارہی تھی۔

"پھر بھی ان کو کچھ احساس تو ہونا چاہیے نا۔" امبر ہنوز منہ پھلائے بیٹھی تھی۔

"پگلی! احساس تو ان کو شروع سے ہی ہے تمہارا، بس سمجھنے نہ سمجھنے کی بات ہے۔"

"میں سب سمجھتی ہوں۔ ان کی باتوں میں آگئی ہو تم بس......"

"چلو یہی سہی...... تم جو بھی سمجھو میں تمہارا بھلا چاہتی ہوں۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر اتنی بدگمانیاں دل میں پیدا نہیں کرنی چاہئیں۔ فیروز بھائی تمہیں بہت پیار کرتے ہیں اس لیے تو میرے ایک بار بلانے پر ہی دوڑے چلے آئے ہیں آدھی رات کو بھی تمہیں لینے۔ چلو اٹھو...... آجاؤ...... میں تمہیں ان کے پاس چھوڑ کر آتی ہوں اور ان سے وعدہ لوں گی کہ وہ آئندہ بھی تمہیں پریشان نہیں ہونے دیں گے۔" عمارہ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام کر خود اسے باہر گاڑی تک چھوڑنے آئی جہاں فیروز ڈرائیونگ سیٹ پر ان دونوں کا بے چینی سے منتظر تھا۔ عمارہ نے انہیں اندر آنے کی دعوت دی مگر وہ "رات بہت ہوگئی ہے" کہہ کر دروازے سے ہی گھر واپس جانا چاہتا تھا۔

تمام راستے ان دونوں کے بیچ معنی خیز خاموشی رہی تھی اور دروازے سے لے کر خواب گاہ تک یہ خاموشی برقرار رہی تھی۔ بالآخر امبر سے رہا نہ گیا تو کہہ اٹھی۔

"مجھے پتا ہے آپ کو مجھ پر بہت غصہ آرہا ہوگا مگر میں نے جو بھی کیا مجھے اس پر کوئی پچھتاوا نہیں۔" ضدی ضدی سا عجب روٹھا سا لہجہ تھا۔

"افسوس تو مجھے بھی اس سب پر نہیں جو یہ سب ہوا......" فیروز اس کے قریب آکے معنی خیزی سے بولا امبر نے چونک کر فیروز کو دیکھا۔

"کیا مطلب؟" امبر نے پلکیں جھپک کر ناسمجھی سے پوچھا۔

"مطلب یہ کہ اگر آج یہ سب نہ ہوا ہوتا تو مجھے پتا کیسے چلتا کہ عمارہ تمہارا اتنا خیال کرتی ہے کہ اس نے سوچا کہ اس وقت تمہیں اس کے مہمان خانہ کی بجائے میرے ساتھ میرے گھر میں ہونا چاہیے۔" فیروز کا انداز کھلکھلاتا ہوا تھا اور ہنسی بے ساختہ...... نظروں کی وارفتگی بہت کچھ امبر کو سمجھا گئی تھی۔

"آپ......" امبر نے بے یقینی سے اس کے پرسکون چہرے کو دیکھا۔

"ششش......" فیروز نے اس کی بات کاٹ کے اس کے نرم ہونٹوں پر انگلی رکھ کے اسے خاموش کرادیا۔ "بہت سی باتیں کہنے کے لیے نہیں سمجھنے کے لیے ہوتی ہیں۔" اور دونوں سمجھ گئے تھے کہ وہ دونوں ایک دوسرے کے بنا نہیں رہ سکتے تھے۔



قسط نمبر 29

پتھروں کی پلکوں پہ

نازیہ کنول نازی

> ہم موم کی سیڑھی پہ کھڑے سوچ رہے ہیں
> سورج سے بناوٹ کا صلہ کیسے ملے گا
> اب دیکھنا یہ ہے کہ رضا کچے گھڑے کو
> دریا سے محبت کا صلہ کیسے ملے گا

شجر جو کوئی جال ہوگا
تو پنچھیوں کا زوال ہوگا
ستارا مٹی میں گم ہوا تو
تمہیں بھی اس کا ملال ہوگا
وفا کی مٹی کو چھو کے دیکھو
ہمارے جیسا ہی حال ہوگا
جواب تم سے جو گم ہوا ہے
کوئی تو ایسا سوال ہوگا
جو بیچ رستے میں ٹوٹ جائے
وہ ربط کیسے بحال ہوگا
بتولؔ دل جو لہو لہو ہو
تو رنگ آنکھوں کا لال ہوگا!

”اللہ ہدایت کیسے دیتا ہے؟“
حسب معمول وہ سونے جاگنے کی کیفیت میں مبتلا تھی اور وہی جلالی بزرگ پھر اس کے سامنے تھے۔ جب اس نے خوف زدہ ہو کر ان سے پوچھا تھا۔
جواب میں بزرگ کی موندی ہوئی آنکھیں کھل گئیں۔ ان آنکھوں کی سرخی اور جلال نے گوری کا دل سہما دیا تھا۔

"بہت مہربان ہے وہ اپنی مخلوق پر اپنے محبوب کی محبوب امت پر، گناہ سے لتھڑے یہ لوگ جو دنیا کی مستی میں گم ہیں۔ جن کے لیے آخرت ایک قصے کہانی کے سوا اور کچھ نہیں یہ لوگ ہدایت کے حق دار نہیں ہیں بچی کہ ان کے ظاہر و باطن میں تضاد ہے۔ یہ نماز میں اللہ رب العزت کی پاک ذات کے سامنے سر جھکاتے ہیں مگر ان کے دل...... ان کے دماغ' ان میں دنیا ہی چل رہی ہوتی ہے۔ بکری کے مردہ بچے سے زیادہ حقیر دنیا' یہ عمر کی نقدی خرچ ہونے تک ہوش میں نہیں آئیں گے۔ دنیا ان کے لیے نشہ ہے اور یہ اس نشے میں مدہوش ہیں۔ انہی لوگوں کے لیے شیطان مردود نے بڑے کروفر کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ سے کہا تھا کہ وہ قبر تک ان کا پیچھا نہیں چھوڑے گا۔ ان لوگوں کے لیے دنیا کی زندگی ہی سب کچھ ہے مگر...... اللہ کی مخلوق میں اس کے وہ بندے جو اس کی رضا اور خوشنودی کے لیے اللہ کے ناپسندیدہ تمام کاموں سے کنارہ کشی کرلیتے ہیں خواہ وہ ان کے کتنے ہی محبوب ہوں تو یہ ہدایت اور بڑا انعام ہے بچی۔ یہ دنیا کی زندگی تو گہری نیند کا نام ہے۔ اس نیند سے آنکھ نزع کی آخری ہچکی کے ساتھ ہی کھلے گی مگر افسوس' تب تک عمر کی ساری نقدی خرچ ہوچکی ہوگی۔"

"کیسی عمر کی نقدی بابا؟ کیسا دنیا کا بازار؟"

وہ پریشان تھی۔ بابا کے ہاتھ میں موجود تسبیح کے گرتے دانے رک گئے۔

"عمر کی نقدی کا نہیں پتا تجھے......؟ یہ مہلت کا نام ہے بچی دس سال' بیس سال' پچاس سال وہ اپنے جس بندے کو جتنی چاہتا ہے عمر کی نقدی دے کر بھیجتا ہے کہ جا تجھے دنیا کے بازار میں جینے کے لیے اتنی مہلت اتنے ماہ و سال دیے۔ اس مقرر کی ہوئی مہلت میں اپنے لیے جو کما سکتا ہے کما' چاہے تو نیکی اور اچھے اعمال کی گٹھری تیار کر' جو تیرے اخروی سفر میں تیرے کام آئے۔ وہ وقت کہ جب جنم دینے والی ماں بھی بچے کی نہیں ہوگی۔ نفسانفسی کے اس وقت میں صرف اپنے اعمال کام آئیں گے۔ نہیں تو برائی کے شیطانی تھیلوں کی طرف چلا جا اور آخرت میں اپنی ذلت کے لیے اپنے اعمال نامے میں گناہوں کا بوجھ اکٹھا کرتا جا۔ پھر جیسے ہی سانسوں کی مہلت ختم ہوگی۔ حساب شروع ہوجائے گا۔ امتحان کا وقت گزر جائے تو پھر نتیجہ ہی تیار کیا جاتا ہے بچی۔ یہی عمر کی نقدی اور دنیا کے بازار کی کہانی ہے۔"

"مگر...... میں تو اس راہ کی بھٹکی ہوئی راہی نہیں ہوں بابا' میں تو بے زار ہوں اس روندی ہوئی دنیا سے......!"

وہ روئی تو بزرگ کے لبوں پر تمسخر اڑاتی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"کیسی بے زاری ہے یہ جس میں دنیا کی چاہ ختم نہیں ہوئی' کیا تو نے اپنے اصل کے لیے......؟"

کتنا مشکل سوال تھا اور کیسی کڑی تھی۔

وہ پسینے میں شرابور سر جھکا گئی۔

خوابوں کا یہ سلسلہ لامتناہی ہوتا جارہا تھا۔

اس کی آنکھ کھلی تو دل پوری شدت سے دھڑک رہا تھا۔ شب آدھی سے زیادہ بیت چکی تھی۔ وہ بستر پر اٹھ بیٹھی۔ خواب کا ایک ایک منظر ذہن میں تازہ تھا۔ آپ ہی آپ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔

"کیا کروں میں؟ یہ خواب...... یہ آگہی...... آخر کیا مقصد ہے ان کا؟ میرا رب مجھ سے کیا کام لینا چاہتا ہے؟"

وہ الجھ رہی تھی اور اس الجھن کا سرا سوائے قرآن پاک اور نماز کے اور کسی سے نہیں مل سکتا تھا۔

......♥♥♥......

پچھلے دو ماہ میں وہ بہت زیادہ سنجیدہ اور مصروف ہو کر رہ گیا تھا۔

گھر میں ہادیہ کے ساتھ ساتھ باقی لوگوں نے بھی یہ بات محسوس کی تھی مگر اس سے استفسار کسی نے نہیں کیا۔ ہادیہ

اس روز نہیں آئی تھی اور عباد کو فوری اسلام آباد جانا تھا مگر صاعقہ کو دیکھنے کے بعد جیسے اس کے سارے کام ملتوی ہوگئے تھے۔ وہ تیز قدموں سے چلتا اس کے کیبن میں آیا تھا۔ جہاں وہ سر جھکائے بیٹھی اپنے کام میں مصروف تھی۔

"صاعقہ!"

مانوس پکار پر اس نے فوراً سر اٹھایا تھا اور پھر جیسے سر جھکانے کے قابل نہیں رہی تھی۔ دل اتنی شدت سے دھڑکا تھا کہ وہ خود اپنی بے اختیاری پر گھبرا اٹھی۔

"مجھے تم سے بات کرنی ہے۔ میرے ساتھ چلو پلیز۔"

دو قدم مزید آگے بڑھاتے ہوئے وہ اس کے سر پر آ کھڑا ہوا تھا۔

صاعقہ کا چہرہ ضبط سے سرخ ہوگیا۔

"سوری...... میں آپ کو نہیں جانتی۔"

"صاعقہ پلیز...... ایک بار میری سن لو پھر جو بھی فیصلہ کروگی مجھے قبول ہوگا۔"

"مجھے کوئی فیصلہ نہیں کرنا نہ میرا آپ سے کوئی واسطہ ہے سمجھے آپ۔"

"صرف ایک بار...... پلیز۔"

اسے ارد گرد کا کوئی ہوش نہیں تھا۔ صاعقہ اس کی ہٹ دھرمی پر تپ اٹھی۔

"میں اس وقت کام میں مصروف ہوں مسز زین اور میرے ایم ڈی اس وقت مجھے کہیں جانے کی اجازت نہیں دیں گے۔"

"بھاڑ میں گیا کام میں ایم ڈی سے بات کرلیتا ہوں۔ تم ابھی اور اسی وقت میرے ساتھ چل رہی ہو بس۔"

"ضد مت کریں مسز زین میں......؟"

"تم بھی نہ کیا کرو ضد' چلو جلدی کام سمیٹو شاباش' میں ابھی آتا ہوں۔"

اپنی مخصوص ہٹ دھرمی سے کہتا وہ ایم ڈی کے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا۔ صاعقہ اس کی ضد اور دل ہی دل میں تلملائی آفس میں تماشا نہ بننے کے لیے مجبوراً آفس سے نکل آئی۔ عباد اس کے پیچھے ہی نکلا تھا۔

دل میں اس کی طبیعت صاف کرنے کا ارادہ کرلی۔ خاموشی سے اس کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ گئی۔

......♥♥♥......

گاڑی ایک جھٹکے کے ساتھ ساحل سمندر کے قریب رکی تھی۔

موسم بے حد سہانا تھا تبھی اس نے ساحل کا رخ کیا تھا۔ ورنہ وہ اسے کسی پارک یا ریستوران میں ہی لاتا۔ پورے راستے صاعقہ گاڑی سے باہر دیکھتے ہوئے اپنا غصہ ضبط کرتی رہی تھی۔

وہ گاڑی سے باہر نکلا تو صاعقہ اس سے پہلے ہی گاڑی سے نکل آئی۔ خوب صورت گندمی چہرے پر غصے کی شدت کے باعث جیسے دھوپ چمک رہی تھی۔ وہ ترچھی نظر سے اسے دیکھتا۔ قدرے نادم سا قریب آ کھڑا ہوا۔

"ایم سوری صاعقہ میں آپ سے بہت شرمندہ ہوں۔"

"کیوں......؟"

وہ بڑی سلگتی نگاہوں سے سامنے سمندر کو دیکھ رہی تھی۔

عباد کو لگا جیسے شاید اس کے الفاظ اندر ہی کہیں دم توڑ گئے ہوں۔ بہت مشکل سے وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

"اس روز میرے باس کی بیٹی میرے ساتھ تھی۔ اسی لیے میں نے آپ کو پہچاننے سے انکار کیا مگر خدا گواہ ہے صاعقہ' میں پچھلے دو ماہ میں ایک پل بھی سکون سے نہیں رہ سکا۔ بار بار میرا ضمیر مجھے ملامت کرتا رہا' مگر نہ فون پر آپ سے رابطہ ہو

رہا تھا نا آپ فس آ رہی تھیں۔ یہ بہت غلط ہے صاعقہ کم از کم آپ کو مجھ سے وضاحت ضرور مانگنی چاہیے تھی۔"

اس کا لہجہ دھیما تھا اور صاعقہ کا دل چاہا وہ اس کا چہرہ تھپڑوں سے سرخ کردے۔

"ہو گیا آپ کا لیکچر مکمل؟"

اس کی طرف دیکھے بغیر وہ مکمل اجنبی دکھائی دے رہی تھی۔ وہ تڑپ اٹھا۔

"صاعقہ پلیز......!"

"مر گئی صاعقہ اور مار دیا اسے آپ پر اعتبار نے آپ نے کیا سمجھا مسٹر زین میں غریب ہوں تو میری کوئی عزت نہیں؟ آپ امیر ہیں تو جب جو چاہے سلوک کر سکتے ہیں؟ نہیں میں نے آپ کو پسند کیا تھا۔ اپنا آپ فروخت نہیں کیا۔ یہ ساری دنیا بھی اگر میری غربت کی وجہ سے مجھے دھتکار دے تب بھی میرے لیے میری ذات کی بہت اہمیت ہے کیونکہ میں خود کو دنیا کی نظر سے نہیں دیکھتی۔ میرا ہونا میرے لیے اہم ہے۔ خواہ دنیا کو میرے ہونے نہ ہونے سے کوئی فرق پڑے یا نہ پڑے۔"

وہ کھل کر دل کا غبار نکال رہی تھی۔

عباد دانستہ خاموش رہا کہ اس وقت خاموشی میں ہی عافیت تھی۔ اب بھی اگر وہ دل کا غبار نہ نکالتی تو شاید ان دونوں کے درمیان قائم فاصلے کبھی کم نہ ہوتے۔

"آپ نے کیا سمجھا...... آپ مجھے کسی سستے سے کھلونے کی مانند دھتکار دیں گے تو میں ٹوٹ کر بکھر جاؤں گی۔ روتی پھروں گی آپ کے ہجر میں یا آپ کے پاؤں پکڑ کر آپ سے محبت کی بھیک مانگوں گی؟ بھیک میں نہیں ملتی محبت اور نہ ہی بدلے ہوئے محبوب کا دل پاؤں پکڑنے سے موم ہوتا ہے۔ آج تک روئے زمین پر کوئی ایسی دوا بھی ایجاد نہیں ہوئی جو محبت کے زخموں کا تریاق بن سکے۔ بدلے ہوئے لہجوں کا کوئی حل نکال سکے۔ آپ نے اچھا کیا کہ مجھے میری اوقات یاد دلا دی۔ ورنہ کاغذ کی محبت کے کاغذی دلاسوں پر جیتی ابھی آگے چل کر جانے کتنی تکلیف اٹھانی پڑتی مجھے آخر جو جتنی اونچائی پر جائے گا اسے منہ کے بل گرنے پر اتنی ہی چوٹ اور زخموں کا عذاب سہنا پڑے گا۔"

"صاعقہ......!"

"اور ہاں ایک بات ہمیشہ یاد رکھیے گا مسٹر زین یہ جو ہم جیسے کم حیثیت فقیر لوگ ہوتے ہیں ناں بڑے انا دار ہوتے ہیں یہ جذبوں میں ہر چیز خالص ہوتی ہے ہمارے پاس چاہے وہ آنسو ہوں احساسات ہوں یا جذبات۔ قدرت نے ہم جیسے کنگلوں کو ایک چیز بڑی فراوانی سے ودیعت کی ہوتی ہے اور وہ ہے "محبت" بہر حال صاعقہ احمد آپ کے غم میں ٹوٹ کر بکھرنے والوں میں سے نہیں ہے۔"

بنا اس کی صدا کو خاطر میں لائے وہ سمندر کی پرسکون موجوں پر سلگتی نگاہیں جمائے اپنا کہہ رہی تھی یوں جیسے ان خاموش پرسکون موجوں کو جتا رہی ہو کہ دیکھو اس روز تم مجھ پر میری بے بسی پر میرے اکیلے پن پر ہنس رہی تھیں۔ آج میں نے اپنے محبوب کو پرایا کر دیا اور تم خاموش ہو دیکھتی رہیں۔ میں نے کہا تھا ناں۔ تم بھی صاعقہ کو ٹوٹ کر بکھرتے ہوئے نہیں دیکھو گی۔

"بس...... یا ابھی کچھ اور بھی کہنا ہے؟"

کچھ لمحوں کی خاموشی کے بعد بالآخر عباد نے لبوں کو جنبش دی تھی۔

صاعقہ نے اس کا سوال سنا ان سنا کر دیا۔

غصے اور جذبات کی شدت سے جہاں اس کی آنکھیں اور ہونٹ کانپ رہے تھے وہیں آنکھیں آنسو ضبط کرنے کی

کوشش میں لہورنگ ہو رہی تھیں۔ عباد کو اس لمحے اس سادہ سی لڑکی پر بے حد ترس اور پیار آیا۔

اس کے مقابل آ کر براہِ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے وہ ذرا سا مسکرایا تھا۔ پھر انتہائی اپنائیت اور نرمی سے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے بولا۔

"میری آنکھوں میں دیکھو صاعقہ' تمہیں خبر ہو جائے گی کہ تم ٹوٹنے سے بچ نہیں سکی ہو' اپنا چہرہ دیکھو فقط دو ماہ میں کتنا کملا گیا ہے۔ اپنی یہ خوب صورت آنکھیں دیکھو' کیسے پرانے مزاروں کے دیپ کی مانند بجھ کر رہ گئی ہیں ایک نظر ذرا اپنے سراپا پر دوڑاؤ' وہ پہلے سی جاذبیت اور دل کشی کہیں کھو گئی ہے کیوں......؟"

اس کا ہاتھ صاعقہ کے گال پر ٹکا تھا اور وہ اتنے دن سے ضبط کا پہاڑ بنی ہوئی تھی۔ ایک دم سے جیسے سارا گلیشیر پگھل گیا۔ ایک بار جو آنسو ٹوٹ کر گالوں پر پھسلے تو پھر قطار ہی لگ گئی عباد نے پہلی بار اتنے قریب سے کسی لڑکی کو یوں روتے ہوئے دیکھا تھا تبھی اس کا دل جیسے ٹھہر سا گیا تھا۔

صرف ایک لمحے میں اس پر آشکارہ ہوا تھا کہ وہ صاعقہ احمد کے بغیر کچھ بھی نہیں' صاعقہ اب اپنا ضبط کھو بیٹھی تھی۔ وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے بری طرح رو رہی تھی۔

"تم بہت برے ہو' زین دنیا میں تم سے زیادہ اسٹوپڈ دوسرا کوئی نہیں۔"

"سیم ٹو یو' میرا بھی یہی خیال ہے تمہارے بارے میں' چاہوں تو ابھی تم سے زیادہ آنسو بہا سکتا ہوں مگر وہ ایک شعر ہے ناں!

ہم نے ہنس ہنس کر بھرم اہلِ وفا کا رکھا
ہم بھی رو دیتے اگر عشق میں جھوٹے ہوتے

اس کے کہنے پر صاعقہ نے اپنا سر اوپر اٹھایا تھا۔

"میں نہ جھوٹی ہوں نہ چال باز۔"

"میں نے کب کہا کہ تم جھوٹی ہو' میں تو یہ کہہ رہا ہوں کہ تم بہت اسٹوپڈ ہو' کوئی ذرا سی بات پر اتنا سخت ناراض ہوتا ہے۔"

"ذرا سی بات...... تمہارے لیے وہ ذرا سی بات تھی؟"

ازحد دکھ کے ساتھ اس نے پوچھا تو عباد نے نگاہیں چرالیں۔

"کہا ناں صاعقہ اس وقت مجبور تھا۔ قسم سے وہ لڑکی اگر تمہیں میرے ساتھ دیکھ لیتی تو بات کا بتنگڑ بنا لیتی۔ جانے باس کو کیا کیا کہتی جا کر...... اور پھر بس اس ذرا سی بات پر میری نوکری یہ شاہانہ ٹھاٹھ باٹھ سب ختم اور میں آ جاتا سڑک پر۔ ذرا سوچو اگر ایسا ہو جاتا تو ہم اپنے آنے والے بچوں کو کیا منہ دکھاتے۔"

سنجیدگی سے بات کرتے کرتے وہ اچانک فنی ہوا تھا۔

صاعقہ جو بغور اس کے چہرے کی طرف دیکھ رہی تھی ایک دم سے جھینپ گئی۔

"دیکھو اس وقت کتنا خوب صورت رنگ ٹھہرا ہے تمہارے چہرے پر' اسی لیے کہتا ہوں یار مت امتحان لیا کرو میرا اور اپنا۔ جس اذیت میں یہ دو ماہ میں نے گزارے ہیں صرف میرا خدا اور یہ دل جانتا ہے۔ تم تو فیصلہ کر کے سکون سے گھر میں بیٹھ گئی تھیں۔ میں بے چارا فیس ہر کام چھوڑ کر صبح سے شام تک صرف اس امید پر کہ شاید تمہاری کوئی ایک جھلک کہیں دکھائی دے جائے تمہاری گلی کے نکڑ پر پاگلوں کی طرح کھڑا رہتا تھا۔ دو ایک بار تو لوگ مشکوک بھی ہونے لگے تھے۔ بھی دل پر پتھر رکھ کر یہ سلسلہ ترک کیا۔

اس کی آنکھوں میں محبت کے چشمے پھوٹ رہے تھے۔

صاعقہ سرور کی رخ پھیرے کھڑی مسکرا اٹھی۔

"ادھر دیکھو صاعقہ' کتنے لڑکے لڑکیاں آزادانہ گھوم رہے تھے۔ ایک دوسرے کو جھوٹی محبت کا یقین دلا رہے ہیں۔ گھر والوں کے اعتبار کا خون کر کے جھوٹ کا سہارا لے کر صرف یہیں نہیں ہوٹلوں پارکوں کی زینت بنے ہوئے ہیں اور شاید روز بنتے ہیں۔ مگر یہ پیار نہیں ہے یہ صرف ضرورت ہے۔ جوان لڑکا ایک دوسرے کے قریب لاتی ہے۔ یہاں ساحل سمندر پر آنے والا ہر لڑکا زین نہیں ہے۔ نہ ہی ہر لڑکی صاعقہ احمد ہے جس کا اندر اجلے دودھ کی مانند شفاف ہے۔ اس لیے ہمیشہ یقین رکھنا' مجھے تمہاری غربت یا حیثیت سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میرے لیے اگر اہم ہے تو صرف تمہاری ذات' تمہارے اندر کا اجلا پن' تمہاری پاکیزگی تمہاری حیا اور یہ وہ چیز ہے جو ہر لڑکی کے پاس نہیں ہوتی۔ یہ زیور یہ خزانہ یہ دولت۔ کسی بھی لڑکی کو سب کچھ عطا کر سکتا ہے صاعقہ' مجھ سے خاکسار کی تو اوقات ہی کیا ہے۔"

اس کی زبان سے نکلے ان لفظوں نے پل میں معتبر کر دیا تھا اسے۔ وہ سر اٹھا کر اسے دیکھتی مسکرا دی۔

"چلو اب اس صلح کی خوشی میں اچھا سا لنچ کرتے ہیں۔"

"نہیں' بہت دیر ہو جائے گی۔ ایم ڈی صاحب ناراض ہو جائیں گے۔"

"ہونے دو ناراض' میں خود بات کر لوں گا ان سے تم چلو۔"

وہ کہاں اس کی سننے والا تھا۔

صاعقہ محض مسکرا کر رہ گئی۔

واپسی کا یہ سفر کتنا دل کش اور سہانا تھا۔ وہ بے مقصد ہی ڈرائیو کرتے عباد کو نک سک سے تیار اس شاندار لباس میں بار بار نظر بچا کر چوری چوری دیکھتی رہی۔ کہنے والوں نے کتنا صحیح کہا ہے کہ عشق و محبت کے روگی کا علاج سوائے اس کے محبوب کے اور کسی کے پاس نہیں۔

......♥♥♥......

"ہادیہ لنچ کے لیے چلنا ہے کہ نہیں؟"

بجی سنوری ہانیہ نے کوئی تیسری مرتبہ اسے آواز دی تھی جب وہ کنگن پہنتے ہوئے کمرے سے نکلی اور سرعت سے سیڑھیاں کراس کرنے لگی۔

"میں تو تیار ہی ہوں بس آپ کے بھائی صاحب کا انتظار ہو رہا ہے۔ وہ اسٹوپڈ فون ہی ریسیو نہیں کر رہا۔"

"مصروف ہوں گے۔ ویسے بھی ہو سکتا ہے وہ اسلام آباد کے لیے نکل گئے ہوں' آج اسلام آباد جانا تھا انہیں۔"

"لیکن اس نے لنچ پر آنے کا وعدہ کیا تھا۔"

"تو کیا ہوا یار! مصروف بھی تو ہو سکتے ہیں۔ اب جلدی چلو تمہارے بھائی اس سے زیادہ انتظار نہیں کریں گے۔"

وہ عجلت میں تھی۔ ہادیہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے ایک مرتبہ پھر عباد کا نمبر پریس کر گئی مگر دوسری طرف پھر اس کا سیل کوئی رسپانس نہیں دے رہا تھا۔ وہ کوفت زدہ سی ہانیہ کے ساتھ گاڑی میں آ بیٹھی۔

لنچ کا جو پروگرام ہانیہ کی شادی کے بعد اس نے صرف عباد کے لیے بنایا تھا۔ ایک دم سے بے مزہ ہو کر رہ گیا تھا۔

......♥♥♥......

محبت عام اک سانحہ تھا!

ہمارے ساتھ پیش آنے سے پہلے وہ اور گڑیا گہری نیند سو رہے تھے۔ جب امامہ ست روی سے چلتی اپنے بیڈ روم

میں پٹی آئی۔

پرسوں شجاع کی نفرت اور بے تحاشا غصے کے بعد وہ سر جھکائے مغموم بیٹھی تھی۔ جب ریاض بابا (چوکیدار) نے اس کے سر پر دستِ شفقت رکھتے ہوئے اسے تسلی دی تھی اور اسی گھر میں بنے اپنے کوارٹر کے دروازے اس پر کھول دیے تھے۔ شجاع سے ان کا واسطہ بہت پرانا تھا۔ وہ اس کی ضد اور غصے سے بخوبی واقف تھے۔ وہ ایک بار جو فیصلہ کر لیتا تھا پھر اس کو پتھر کی لکیر بنا دیتا۔

وہ جانتے تھے کہ شام میں گھر واپس لوٹنے کے بعد اگر امامہ اسے دوبارہ نظر آئی تو وہ کسی بھی حد تک جاسکتا ہے۔ خاندانی ملازم ہونے کی حیثیت سے وہ شجاع کی زندگی کے بہت سے نشیب و فراز سے آگاہ تھے۔ لہٰذا امامہ کو سمجھا بجھا کر وہ اپنی طرف لے آئے تھے۔ جہاں ان کے ساتھ ان کی بیمار بوڑھی بیوی رہتی تھیں۔

شجاع نے گھر واپسی کے بعد امامہ کو موجود نہ پا کر گہرا سانس بھرا تھا۔ رات میں وہ سونے کے لیے بستر پر لیٹا تو نظر سائیڈ ٹیبل پر پڑی اور اپنی شادی کی تصویر پر جا ٹھہری۔ دل میں ایک لمحے کے لیے ہلچل سی مچی تھی اور اس نے شکوہ کناں نگاہوں سے تصویر کو دیکھتے ہوئے ٹیبل پر واپس رکھ دیا۔

گڑیا اس سے امامہ کے بارے میں سوال پر سوال کر رہی تھی۔ وہ بمشکل اسے بہلاتا۔ اس کے بالوں میں ہاتھ چلاتے ہوئے اسے سلانے لگا۔ تھوڑی دیر بعد وہ سوگئی تو وہ اٹھ کر ٹیرس پر چلا آیا۔

رات خوب چاندنی تھی مگر اس چاندنی میں ایک عجیب سا حزن بھرا اصاف دکھائی دے رہا تھا۔ وہ جیسے بے زار ہو کر واپس پلٹا اور کمرے میں آکر نیند کی گولی ہتھیلی پر رکھی۔ گلاس پانی سے بھرا اور گولی نگل کر بازو آنکھوں پر دھرتے ہوئے لیٹ گیا۔

امامہ جس وقت وہاں آئی وہ گہری نیند میں مدہوش سو رہا تھا۔ بڑی احتیاط سے قدم اٹھاتے ہوئے وہ کوارٹر سے نکلی تھی اور بنا کسی کو بتائے وہاں پہنچی تھی۔ جہازی سائز بیڈ کے دائیں طرف گڑیا لیٹی تھی وہ اسی طرف چلی آئی۔ اس کا ننھا ہاتھ پہلو میں گرا تھا۔ وہ جب یہاں آئی تھی تو یہ گڑیا بہت چھوٹی تھی۔ شاید اسی لیے اسے جان کا عذاب لگتی تھی مگر اب جب کہ اس کا دل بدل گیا تھا تو یہ بازی پلٹ گئی تھی۔

ہائے افسوس......

وہ بیڈ کے کنارے پر ٹک کر بچی پر جھک گئی۔ چھ سال کی عیشاء میں اس وقت اسے اپنا آپ دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے جھک کر بے ساختہ اپنے ہونٹ اس کی سرد پیشانی پر رکھ دیے۔ وہ کمبل کے بغیر لیٹی تھی اس نے کمبل کھول کر اچھی طرح اس پر پھیلا دیا۔ پھر وہ گھوم کر بیڈ کی بائیں سائیڈ پر آئی اور شجاع کے پاؤں کے قریب بیٹھ کر اس نے اپنے ہاتھ اس کے پاؤں پر دھر دیے۔ ٹپ ٹپ آنسوؤں کا سلسلہ تاحال جاری تھا۔ اس کے دل میں جانے کیا آئی کہ جھک کر اپنے لب اس کے پیروں پر رکھ دیے۔ عین اسی لمحے شجاع کی آنکھ کھلی تھی۔

اپنے پیروں پر جھکی اس روتی ہوئی لڑکی کو دیکھ کر ایک لمحے کے لیے تو اسے سمجھ ہی نہیں آیا کہ کیا معاملہ ہے مگر اگلے ہی لمحے جب سمجھ میں آیا تو اس نے تیزی سے اپنے پاؤں کھینچے اور فوراً اٹھتے ہوئے اسے بازو سے تھاما اور بیڈ روم سے باہر لے آیا۔

”کیا کر رہی ہو تم اس وقت یہاں؟ میں نے کہا تھا ناں دوبارہ کبھی شکل مت دکھانا۔“

اس کا بازو جھنجوڑتے ہوئے وہ غرایا تھا۔

امامہ بے بسی سے رو پڑی۔

"میں گڑیا کے بغیر نہیں رہ سکتی شجاع خدا کا واسطہ ہے آپ کو مجھے اس معصوم بچی سے دور مت کریں۔"

"جسٹ شٹ اپ۔ تم جیسی بے ایمان بے ضمیر دھوکے باز لڑکی کو بہت اچھی طرح سمجھ گیا ہوں میں۔ تم جانتی ہو کہ میری بیٹی میں میری جان ہے اور اس بار تم اسی کو مہرہ بنا کر فائدہ اٹھانا چاہتی ہو مگر میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔ سمجھی تم۔"

وہ اپنا اعتبار کھو چکی تھی۔

شجاع بنا اس کے آنسوؤں کی پروا کیے کمرے میں گیا اور قمیص پہن کر پھر لاؤنج میں چلا آیا۔

"چلو۔"

اگلے ہی پل وہ پھر اسے بازو سے تھامے اپنے ساتھ گھسیٹ رہا تھا۔

وہ ہکا بکا رہ گئی۔

"کہاں لے جا رہے ہیں آپ مجھے؟"

"گاڑی میں بیٹھو پھر بتاتا ہوں۔"

کتنی سختی تھی اس چہرے پر اور اس لہجے میں۔ اس نے ایک جھٹکے سے بازو چھڑانا چاہا مگر گرفت بے حد سخت تھی۔ وہ آنسو پیتی بے بس سی ساتھ گھسٹتی رہی۔

گیٹ پر موجود گارڈ ابھی بھی الرٹ تھا۔ شجاع کے اشارے پر اس نے فوراً سے پیشتر گیٹ کھول دیا۔ گاڑی گیٹ سے نکلی تو اس نے پوچھا۔

"اپنے کزن کا ایڈریس بتاؤ چھوڑ کر آ رہا ہوں اس کے پاس۔"

"کوئی ضرورت نہیں ہے گاڑی روکیں۔ پپ...... پلیز۔"

"ایڈریس بتاؤ امامہ نہیں تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔"

اس بار وہ دہاڑا تھا۔

امامہ سمجھ گئی کہ چوکیدار بابا نے کیوں فی الوقت اسے اس کے سامنے آنے سے منع کیا تھا۔ اس وقت اس کے غصے سے ڈرتے ہوئے اس نے ارسلان کا ایڈریس ٹھہر ٹھہر کر اسے بتا دیا۔ اگلے پینتیس منٹ میں گاڑی اس گھر کے باہر کھڑی تھی۔ جہاں ارسلان ٹھہرا ہوا تھا۔

"جاؤ اور اب کبھی پلٹ کر پیچھے نہ دیکھنا۔"

اس کی سائیڈ کا دروازہ کھولتے ہوئے اس نے نیا حکم سنایا تھا۔

امامہ سر جھکائے بیٹھی رہی۔

"شجاع میں......!"

"گاڑی سے نکلو امامہ حسن اس سے پہلے کہ میرا دماغ گھوم جائے۔"

درشتگی سے کہتے ہوئے اس نے زبردستی اسے کھینچ کر گاڑی سے نیچے اتار دیا تھا۔

"اب جاؤ......!"

امامہ نے سر اٹھا کر دیکھا وہاں معافی کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔

اس نے اپنی محبت کو پانا چاہا تھا۔ شجاع حسن سے بیاہ کرنے کی خواہش بھی کی تھی اور دل کی گہرائیوں سے دعا بھی مانگی تھی مگر اس وقت اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ اس دعا کی مقبولیت کیسی اذیت سے دوچار کر دے گی اسے۔ محبت کے یوں حصول کا تو اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ آنسوؤں سے بھری آنکھوں کے ساتھ آخری بار سر اٹھا کر اس نے شجاع حسن

کو دیکھا تھا مگر وہ رخ پھیرے کھڑا تھا۔ وہ شدید مایوس ہو کر آگے بڑھ آئی۔

اس کے اٹھتے قدموں کے ساتھ ہی وہ گاڑی میں بیٹھا تھا اور جس وقت امامہ نے اس گھر کے بند دروازے پر دستک دی اور جواب میں وہ دروازہ کھلا۔ وہ اطمینان سے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے زن سے وہاں سے نکلتا چلا گیا۔

گو دل اس وقت سخت اضطراب کا شکار تھا مگر...... اتنا سکون پا گئی تھی۔

اندر کے مرد کو جیسے قرار آ گیا تھا۔

وہ نہیں جان پایا تھا کہ اس رات اس نے اپنی زندگی کی کتنی بڑی غلطی کی تھی۔

❤❤❤

دھول اڑاتی نگاہوں سے وہ گاڑی میں بیٹھا انوشہ اور اپنے بیٹے کو اس اجنبی مرد کے ساتھ ریستوران کے اندر جاتے ہوئے دیکھتا رہا تھا۔

عجیب ستم ظریفی تھی کہ اس نے انگلینڈ میں کبھی سرمد کو روبرو نہیں دیکھا تھا۔ ان دونوں کے درمیان ہمیشہ فون پر بات ہوتی رہی تھی۔ کبھی وہ اس کی شخصیت سے کام رہا تھا۔

انوشا اپنے لیے اتنی جلدی کوئی فیصلہ کر سکتی ہے اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ اسے خبر نہ ہوئی کہ وہ کتنی دیر وہاں گاڑی میں بیٹھا رہا تھا۔ وہ لوگ ڈنر سے فارغ ہو کر باہر نکل آئے تھے تب بھی وہ وہیں موجود تھا۔

واپسی کے سفر میں اس نے اپنی گاڑی ان لوگوں کی گاڑی کے پیچھے ڈال دی تھی۔ ایک طویل مسافت کے بعد جس عمارت کے سامنے رکی تھی وہ عمارت شاہ زر کے لیے ہرگز غیر شناسا نہیں تھی۔ زاور کے ساتھ وہ اکثر وہاں آتا رہا تھا بلکہ اسی کے مشورے اور رہنمائی کے بعد زاور وہ پلاٹ خرید کر وہاں عمارت کھڑی کرنے میں کامیاب ہوا تھا۔

انوشا اور سرمد کے گھر میں داخل ہونے کے بعد وہ پلٹا اور اس بار جیسے ہاتھوں میں اسٹیئرنگ وہیل تھامنے کی ہمت ہی نہیں رہی تھی۔ جانے کس عالم میں ڈرائیو کے بعد وہ ہوٹل واپس پہنچا تھا۔

ایک لمحے کے لیے دل چاہا کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر گھر واپس بھاگ جائے مگر پھر سر جھٹک دیا۔ جب وہ قسمت میں ہی نہیں تھی تو بھلا خود کو تھکانے سے کیا حاصل تھا؟ انوشہ کو "چاند" کیسے اور کہاں ملا یہ ایک اور الجھا دینے والا سوال تھا۔

کل سرمد کے ساتھ اس کی میٹنگ تھی۔

حاشر نفیس صاحب کے گھر منعقد ایک چھوٹی سی پارٹی میں اسے سرمد کے ساتھ اور بھی کئی لوگوں سے ملنا تھا۔ انوشہ اپنی دانست میں اس سے چھپ کر دور چلی گئی تھی مگر اس نے پھر سے اس کا سراغ ڈھونڈ لیا تھا۔

اضطراب کے ساتھ ساتھ اپنے بیٹے کی سلامتی پر دل کو قدرے قرار نصیب ہوا تھا۔ چاہے وہ دنیا کی نظر میں اس کا بیٹا نہیں تھا۔ صرف اور صرف انوشہ کے ماتھے کا کلنک تھا اک گناہ تھا۔ مگر شاہ زر کو اس ننھے سے وجود میں اپنی جان دوڑتی دکھائی دیتی تھی۔ وہ اس کے لیے امید کی ایک کرن تھا۔

ناجائز تعلق سے جائز جنم لینے والا وہ ننھا فرشتہ اس کی ہر چیز کا مالک تھا۔

سوچ کا محور انوشہ اور چاند سے ہو کر بریرہ کی طرف رخ موڑ گیا تھا۔ اسے انگلینڈ گئے کئی ہفتے ہو گئے تھے مگر وہ ابھی تک اس کے حق میں کوئی فیصلہ نہیں کر پایا تھا۔ اچھا ہی ہوا کہ اس نے بریرہ کی دل آزاری نہیں کی ورنہ انوشہ کے یوں فیصلہ کر لینے کے بعد کیا باقی رہ جاتا اس کے پاس۔

رات انہی سوچوں کی نذر ہو گئی تھی۔ صبح دیر تک پڑا سوتا رہا۔ ظہر کی نماز کے بعد کہیں آنکھ کھلی تو فریش ہو کر نیچے چلا

آیا۔ اگلے دو گھنٹے یونہی سستی میں گزر گئے جب اس کے سیل پر سرمد کی کال آ گئی۔

"ہیلو!"

"السلام علیکم جناب' کہاں ہیں آپ؟"

"بس نکل ہی رہا تھا یار' تم پہنچ گئے کہ نہیں؟"

"کب سے پہنچا ہوا ہوں یار' اب تو سب تمہاری راہ دیکھ رہے ہیں۔"

"ٹھیک ہے میں بس ابھی آیا۔"

جلد سے جلد اس نے بات سمیٹی تھی کہ طبیعت ابھی بھی بے حد بوجھل تھی۔

اگلے پچیس منٹ کے بعد وہ حاشر صاحب کے گھر پہنچا تو وہاں واقعی رنگ و نور کا سیلاب آیا ہوا تھا۔ وہ سب سے ہاتھ ملاتا اچانک سرمد کو دیکھ کر رک گیا۔

"رک کیوں گئے یار' میں سرمد ہوں' سرمد خان کیا نہیں پہچانا؟"

وہ شاید اسے پہلے دیکھ چکا تھا۔ شاید نہیں تصویروں میں مگر شاہ زر اسے دیکھ کر ضرور ٹھٹک گیا تھا۔ یہی تو وہ شخص تھا جسے اس نے انوشہ کا ممکنہ شوہر تسلیم کر لیا تھا۔

"نائس ٹو میٹ یو' کیسے ہیں آپ؟"

سرمد نے خود ہاتھ بڑھا کر اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ وہ نادم سا سر جھٹک کر اس کا ہاتھ دبا گیا۔

"شکریہ! مجھے بھی آپ سے مل کر خوشی ہوئی آپ کیسے ہیں؟"

"فٹ فاٹ' بہت خواہش تھی آپ سے ملنے کی چلو تمنا تو پوری ہوئی۔"

وہ مسکرا رہا تھا۔ شاہ زر نگاہ چرا گیا۔

تھوڑی دیر سب سے گپ شپ کے بعد وہ دونوں الگ کونے میں آ بیٹھے تھے۔

"اور سنائیے شاہ زر' کیا ہو رہا ہے آج کل زاور اکثر ذکر کرتا تھا آپ کا۔ بلکہ شافیہ کے پاس تو سوائے آپ کی باتوں اور یادوں کے اور کچھ تھا ہی نہیں۔ اسی کے پاس کی تصویروں میں آپ کو دیکھا تھا میں نے۔"

"ہوں' مجھ سے بھی اکثر آپ کا ذکر کیا کرتے تھے دونوں' سوئے اتفاق کہ کبھی روبرو ملاقات نہیں ہو سکی' بہر حال شادی کی بہت بہت مبارک ہو۔"

صرف اپنے دل کی تسلی کے لیے اس نے وہ جملہ کہا تھا جواب میں سرمد ہنس پڑا۔

"کس کی شادی میرے بھائی اور کب ہوئی یہ شادی؟"

"آپ کی اور کس کی' کل انوشہ کے ساتھ ریسٹوران میں دیکھا تھا آپ کو۔"

"او ہاں ضرور دیکھا ہوگا۔ مگر وہ میری وائف نہیں ہیں۔"

ہنستے ہوئے اس نے کہا تھا۔ شاہ زر کو لگا اس کے پورے وجود میں سکون کی لہر سرایت کر گئی ہو۔

"او سوری اور سنائیں۔"

"نہیں سوری کی کوئی بات نہیں' انوشہ جیسی صبر و تحمل والی لڑکیاں قسمت والوں کو ملتی ہیں۔ بہر حال بریرہ کیسی ہے؟"

"فائن آج کل تو انگلینڈ گئی ہوئی ہے۔"

"اچھا کیا انگلینڈ واپس چلی گئی ہیں؟"

"ہاں کچھ ہفتے پہلے ہی گئی ہیں۔"

"اور آپ؟ میرا مطلب ہے آپ نہیں گئے؟"

"نہیں میرا یہاں رہنا زیادہ ضروری ہے۔"

وہ ضرورت سے زیادہ اداس اور سنجیدہ تھا۔ سرمد نے بزنس کو چھیڑ لیا۔ وہ ابھی باتیں کر ہی رہے تھے کہ اچانک شاہ زر کی نظر اپنے بیٹے پر جا پڑی۔ وہ وہاں موجود تھا اور رو رہا تھا۔ تب سرمد سے ایکسکیوز کر کے فوراً بچے کی طرف لپکا تھا۔

"چاند۔"

مانوس صدا پر چاند نے بھی سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا اور پھر اس کی آنکھوں میں شناسائی کی دمک جھلکی۔ شاہ زر نے آگے بڑھ کر اسے بانہوں میں اٹھا لیا اور پھر لان میں لے آیا۔

"کیوں رو رہے ہو میری جان؟"

"مجھے پاپا یاد آ رہے ہیں۔"

اس کے بے تحاشا پیار پر بچے نے فوری رونے کی وجہ بیان کی تھی۔

"مما کہتی ہیں میرے پاپا بہت دور رہتے ہیں۔ جب میں بڑا ہو جاؤں گا تب وہ آئیں گے۔ مگر مجھے پاپا کی ضرورت ہے مجھے ڈھیر سارے غبارے چاہئیں۔"

وہ ہنوز رو رہا تھا۔ شاہ زر کو لگا جیسے کسی نے اس کا دل جکڑ لیا ہو۔

"آؤ میں غبارے لے کر دیتا ہوں آپ کو۔"

"نہیں مجھے اپنے پاپا کے پاس جانا ہے بس۔"

بچہ اس کی بانہوں میں مچلا تھا۔ شاہ زر اس کے آنسوؤں سے ہار گیا۔

"ٹھیک ہے تو چلو میں آپ کے پاپا سے ملواتا ہوں۔"

اسے اٹھا کر کچھ ہی قدموں کے فاصلے پر رکھی کرسی پر بٹھاتے ہوئے وہ خود پنجوں کے بل اس کے سامنے گھاس پر بیٹھ گیا۔ پھر جیب سے والٹ میں رکھا اپنا آئی ڈی کارڈ نکالا اور اسے چاند کے سامنے کر دیا۔

"مل لو اپنے پاپا سے یہی تمہارے پاپا ہیں۔"

بچے نے اشتیاق سے کارڈ تھام کر کچھ دیر بغور اسے دیکھا پھر بول اٹھا۔

"یہ تو آپ کی تصویر ہے۔"

"یہ آپ کے پاپا کی تصویر ہے چاند کیا آپ کی مما نے نہیں بتایا آپ کو۔"

"تو آپ ہی میرے پاپا ہو ناں؟"

"ہاں میری جان' میں ہی آپ کا پاپا ہوں۔"

اسے بانہوں میں سموتے ہوئے اس نے اعتراف کیا تو بچے کو لگا جیسے اس نے ایک دنیا فتح کر لی ہو۔

"چلو اب بتاؤ آپ کہاں کھو گئے تھے اور مما کو کہاں سے ملے؟"

دوسرے ہی لمحے وہ اسے خود سے الگ کیے اس کے ننھے منے ہاتھ تھامے پوچھ رہا تھا۔ بچے نے سر جھکا کر جیسے سب یاد کرنے کی کوشش کی۔

"مجھے بھوک لگی تھی پاپا' وہ لوگ کہتے ہم تمہیں ٹافیاں دیں گے اس لیے میں وہاں چلا گیا۔"

"کہاں چلے گئے اور کون تھے وہ؟"

"پتا نہیں' مجھے وہاں روڈ پر ملے تھے' یہ بڑی سی گاڑی تھی ان کے پاس۔ جب میں ان کے ساتھ گیا وہ بچوں کو بہت

مار رہے تھے۔ میں نے کہا میں نے مما کے پاس جانا ہے تو انہوں نے مجھے بھی مارا۔"

بچے کے ذہن میں جو جو محفوظ تھا وہ بیان کر رہا تھا۔ تین سال کی غیر شعوری عمر میں اس کا ذہن اور ذہانت کمال کی تھی۔ لہجہ اتنا صاف اور رواں تھا کہ کوئی مان ہی نہیں سکتا تھا کہ وہ تین سال کا ہے۔

"پھر انہوں نے آپ کو چھوڑا کیسے؟"

"چھوڑا نہیں پاپا! انہوں نے مجھے ندیم کے ساتھ بھیج دیا تھا کہ جاؤ باہر سے کھانا منگ کرلاؤ۔ میں روز اس کے ساتھ کھانا مانگ کر لاتا تھا۔"

کروڑ پتی شخص کا وہ بیٹا کیسے کیسے دل خراش انکشافات کر رہا تھا۔

شاہ زر نے کٹتے دل کے ساتھ اس کے ہاتھ چوم لیے۔

"پھر مما کو کیسے ملے آپ؟"

"مما نے مجھے پکارا تھا۔ ادھر پلیٹ فارم پر وہاں گاڑی جاتی ہے ناں ادھر پھر مما مجھے اپنے ساتھ لے گئیں۔ پھر سرمد انکل آ گئے۔ انہوں نے کہا آپ کے پاپا جلد آ میں گے آپ کہاں تھے پاپا؟ آپ نے مجھے بتایا کیوں نہیں کہ آپ ہی میرے پاپا ہیں۔"

شاہ زر کی ٹائی کو چھیڑتے ہوئے وہ حساب لے رہا تھا۔ تبھی انوشہ پریشان سی اسے ڈھونڈتے ہوئے وہاں چلی آئی۔

"مما...... مما دیکھیں میرے پاپا مل گئے ہیں۔"

شاہ زر کی اس کی جانب پشت تھی مگر بچے کی نظر اس پر پڑ گئی تھی۔ تبھی وہ خوشی سے چلایا تھا وہ اپنی جگہ ٹھٹک گئی۔ کیونکہ شاہ زر اب رخ پھیرے اسے دیکھ رہا تھا۔

"چلو اب بھاگ جاؤ مما کے پاس، میں کل شام میں آپ کو لینے آؤں گا۔ پھر ڈھیر سارے غبارے خریدیں گے ٹھیک ہے؟"

اس سے پہلے کہ وہ بچے کے سامنے اس کا بھرم توڑتی۔ وہ جلدی جلدی اٹھا اور پھر اس کے کچھ کہنے سے پہلے ہی اس کی سائیڈ سے گزر کر اندر ہال کی جانب بڑھ گیا۔ جہاں پارٹی اپنے عروج پر تھی۔

......♥♥♥......

اس کی زوردار دستک کے جواب میں دروازہ کھلا تھا مگر دروازہ کھولنے والا ارسلان حیدر نہیں تھا۔

"جی فرمایئے۔" وہ جو کوئی بھی تھا نشے میں دھت تھا۔

امامہ نے پلٹ کر ایک نظر پیچھے ڈالی۔ شجاع حسن گاڑی ریورس کر رہا تھا۔

"جی...... وہ...... وہ مجھے ارسلان سے ملنا تھا۔ م...... میں اس کی کزن ہوں۔"

اس کے تعارف پر نشے میں دھت لڑکے نے بہت گہری نگاہوں سے اس کا جائزہ لیا تھا اور عین اسی پل شجاع کی گاڑی وہاں سے گئی تھی۔ پیچھے اب کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ ایک انجانے سے خوف کا شکار اپنا دوپٹا مزید پھیلانے لگی۔

"ٹھیک ہے...... آیئے۔"

نشے سے بند ہوتی آنکھیں بہ مشکل کھولے وہ امامہ کے لیے گیٹ سے ہٹ گیا تھا۔ امامہ کا دل جانے کیوں اس لمحے بہت تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ وہ اندر جانا نہیں چاہتی تھی۔ خود ارسلان نے بھی اسے وہاں آنے سے منع کیا تھا مگر آدھی رات کے اس پہر وہاں اندر جانے کے سوا اب اس کے پاس اور کوئی چارہ نہیں رہا تھا۔

ڈرتے جھجکتے ایک بڑے سے ہال سے ہوتی ہوئی نیم تاریکی والے کمرے میں آ رکی تھی اور وہاں اچانک جس منظر پر اس کی نظر پڑی۔ اسے دیکھ کر بے ساختہ اس کی چیخ نکل گئی۔ تبھی کسی نے اس کے منہ پر ہاتھ دھرا تھا۔

"یہ کون ہے بھئی آدھی رات کو اتنی حسین بلا کہاں سے ٹپک پڑی۔"

کمرے میں موجود دوسرے مرد نے قدرے حیران اور بدمزہ ہو کر پوچھا تھا۔ جب کہ وہاں موجود لڑکی سنبھل گئی تھی۔ اسے اندر لانے والا لڑکا اب دانت نکوستے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"ارسلان حیدر کی کزن ہے اس سے ملنے آئی ہے۔"

"ہاہاہا چلو یہ تو بڑا اچھا قرض ادا ہو گیا اور بڑی جلدی۔ لے کر چلو پھر بیڈروم میں اس سے نمٹ کے آتا ہوں۔"

سامنے موجود ادھیڑ عمر کا وہ شخص خباثت کی اعلیٰ مثال لگ رہا تھا۔

امامہ دوبارہ نظر اٹھا کر اس وجود کو دیکھنے کی ہمت نہ کر سکی تاہم اس نے خود کو چھڑانے کی بھرپور کوشش ضرور کی تھی۔

ارسلان ایسے گھٹیا اور غلیظ دوستوں کے ساتھ رہتا ہوگا یہ سوچ کر ہی اس کا دل پھٹ رہا تھا۔

لڑکا اب ایک ہاتھ اس کے منہ پر رکھے ایک اور ہاتھ سے اسے کھینچتے ہوئے دوسرے کمرے میں لے جا رہا تھا۔

"ادھر مر بھاگ گیا ہے وہ یہاں سے تیرا کچھ لگتا۔ سالا لڑکیوں کا شوقین ہے۔ جہاں اچھا مال ملا وہیں رال ٹپک گئی اس کی۔ تین سال پہلے بھی ایس پی کے دوست کی بہن کو اس نے موت کے گھاٹ اتارا بے عزت بھی اسی نے کیا اور پھنس گئے ہم سب میں۔ اب بھی لڑکی کو پٹایا ہم نے اور لے کر بھاگ گیا وہ خبیث۔ مگر کوئی بات نہیں۔ اس سے اچھی مل گئی ہے ہمیں۔"

دھڑ...... دھڑ کتنے آسمان تھے جو اس ایک لمحے میں اس کے سر پہ آ گرے تھے۔ وہ ہکا بکا سی اس نشے میں دھت لڑکے کا منہ دیکھتی رہ گئی تھی۔ صرف ایک لمحے میں وہ آسمان سے زمین پر گر کر کرچی کرچی ہو گئی تھی۔

کس کے پیچھے بھاگ رہی تھی وہ ایک زانی لٹیرے اور دھوکے باز کے پیچھے؟

وہ شخص کیا تھا اور اب تک اسے کیا سمجھتی رہی تھی؟

کیا سے کیا ہو کر رہ گئی تھی اس شخص کے لیے جو اس سے مخلص بھی نہیں تھا۔ اس کا دل چاہا وہ روئے چیخ چیخ کر روئے یوں کہ زمین بھی اس کے دکھ اس کے نقصان پر لرز اٹھے مگر...... کیا رہنے دیا تھا ارسلان حیدر نے اس کے پاس؟ کچھ بھی تو نہیں۔

وہ پاگل تھی اور تن اعصاب کے ساتھ خطرہ بھانپتے ہوئے اس نے بھاگنے کی کوشش کی تھی مگر نشے میں پاگل اس گدھ نے اس کی یہ کوشش ناکام بنادی۔

......♥♥♥......

اپنا بھی درد مجھ کو میرے راز دار دے
کچھ اپنی زندگی پر مجھے اختیار دے
ایسا نہ ہو کہ کل تو میرا ساتھ چھوڑ دے
جتنا نبھا سکیں مجھے اتنا ہی پیار دے

"قسم سے تم بہت ضدی ہو زین۔ ہمیشہ اپنی منواتے ہو۔ کبھی میری بھی مان لیا کرو۔"

عباد کے فیورٹ ریسٹورانٹ میں اس کے مقابل بیٹھتے ہوئے صاعقہ نے گلہ کیا تھا۔ جب وہ مسکرا کر بولا۔

"ابھی...... میری مان لو شادی کے بعد صرف تمہاری مانوں گا۔"

بہت بے ساختگی میں روانی سے اس نے کہا تھا۔ صاعقہ ٹھٹک کر اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔
"مجھ سے شادی کرو گی ناں صاعقہ؟"
آسمان زمین پر جھک کر اس سے پوچھ رہا تھا۔
صاعقہ کے اندر کی دنیا پھر سے ہلچل کا شکار ہوگئی۔
"پتا نہیں ابھی شادی کے لیے کچھ سوچا نہیں ہے میں نے۔"
"تو سوچ لو ناں یار! سوچنے میں ٹائم ہی کتنا لگتا ہے؟"
"اچھا سوچ لوں گی تم تو ٹھیک کر اپنی سیٹ پر بیٹھو۔"
وہ اس کی جانب جھکا ہوا تھا بھی اس نے پیچھے دھکیلا تو وہ ہنس پڑا۔
"کر لو نخرے میں امیر ہوگیا ناں تو پچاس پچاس لڑکیاں آگے پیچھے پھریں گی میرے تب تمہیں پتا لگے گا میری اہمیت کا۔"
"ہونہہ...... وہ دن آنے سے پہلے ہی میں تمہاری زندگی سے نکل جاؤں گی۔"
"کیوں......؟"
"بتایا تو تھا اپنی حیثیت سے اوپر کے لوگوں سے تعلق رکھنا مجھے بالکل بھی پسند نہیں' کلاس ڈیفرنس میں بندہ نا چاہتے ہوئے بھی دوسرے سے مرعوب رہتا ہے۔ کھل کر کچھ بھی شیئر نہیں کر سکتا۔"
"اس کا مطلب اگر میں امیر ہوگیا تو تم مجھے چھوڑنے میں ایک پل لگاؤ گی۔"
"نہیں مگر ہو بھی سکتا ہے' کیونکہ دولت ایسی چیز ہے جو سب سے پہلے آپ کے اندر سے انسانیت ختم کرتی ہے اور میں...... میں انسانیت کو بہت اہمیت دیتی ہوں زین!"
وہ ازحد سنجیدہ ہو چکی تھی۔
عباد کے دل میں اس کا مقام مزید بڑھ گیا۔
"ہاتھ کی پانچوں انگلیاں برابر تو نہیں ہوتیں صاعقہ۔"
وہ بہت دنوں تک اس سے اپنا اصل چھپا کر نہیں رکھ سکتا تھا۔ تبھی راہ ہموار کر رہا تھا۔ جواباً صاعقہ کی نظر اپنے ہاتھوں پر ٹک گئی۔
"ہو سکتا ہے ایسا ہی ہو مگر مجھے ڈر لگتا ہے یہ دولت میں صبح و شام کھیلنے والے لوگ انسان کو انسان نہیں رہنے دیتے۔ بہت بدلی ہوئی خاص نظر سے دیکھنے لگتے ہیں۔ یا اپنے سے نیچے لوگوں کو۔"
"تم اتنی حساس کیوں ہو صاعقہ؟"
اس کی اداسی پر وہ بے چین ہوا تھا۔ وہ پھیکے سے انداز میں مسکرا دی۔
"غربت بہت کچھ سمجھا دیتی ہے زین!"
"اچھا چھوڑو فلسفے کو یہ بریانی چکھو کیسی ہے؟"
ماحول کی کثافت کو دور کرنے کے لیے اس نے فوراً موضوع بدلا تھا۔ صاعقہ بھوک نہ ہونے کے باوجود صرف اس کی خوشی کے لیے چاول پلیٹ میں ڈالنے لگی۔ عین اسی لمحے ہانیہ اس کے شوہر اور ہادیہ وہاں داخل ہوئی تھی۔ ہانیہ اپنے شوہر کے ساتھ باتوں میں مشغول تھی مگر ہادیہ کی نظر اس پر پڑی تھی۔
سوٹڈ بوٹڈ حلیے میں عباد کو ایک عام سی لڑکی کے ساتھ لنچ کرتے دیکھ کر وہ حیران ہی تو رہ گئی تھی۔ وہ تو اسلام آباد جانے

والا تھا مگر اس وقت کتنے اطمینان سے وہاں بیٹھا ہوٹلنگ کر رہا تھا۔ مارے غصے کے اس کا دماغ سنسنا اٹھا۔
"السلام علیکم!" اگلے ہی پل وہ اس کے سر پر کھڑی تھی۔
عباد غیر متوقع طور پر اسے وہاں دیکھ کر کھانے سے ہاتھ روکتے ہوئے فوراً کھڑا ہوا۔
"وعلیکم السلام! تم یہاں کیسے؟"
جلدی سے اپنی سیٹ سے کھڑے ہو کر اس نے ہادیہ سے پوچھا پھر اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی وہ صاعقہ سے ایکسکیوز کر کے اسے زبردستی سائیڈ پر لے آیا۔ اگلے پندرہ منٹ کے بعد وہ اپنی ٹیبل پر دوبارہ آیا تو صاعقہ کے اندر کی دنیا جل کر خاکستر ہو چکی تھی۔
"کون تھی یہ لڑکی!"
خود کو دیے حق کے تحت اس نے پوچھا تھا۔ عباد سے وضاحت مشکل ہوگئی۔
"وہی باس کی بیٹی تھی یار!"
"تو اس سے میرے سامنے بھی بات ہو سکتی تھی۔ سائیڈ پر لے جانے کی کیا ضرورت تھی؟"
"تم جیلس ہو رہی ہو؟"
بات کو ٹالتے ہوئے وہ ذرا سا مسکرایا تھا۔ جب وہ ٹشو سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے بولی۔
"مجھے کیا ضرورت ہے جیلس ہونے کی تمہاری اپنی زندگی ہے جو چاہو کرو۔"
"ٹھیک ہے پھر میں جا رہا ہوں اسے پرپوز کرنے۔"
وہ مسکرایا تھا۔ صاعقہ اسے گھور کر رہ گئی۔
"بڑے بے ایمان ہو تم قسم سے۔"
"چلو جیسا بھی ہوں اب تو تمہارا ہی ہوں۔"
وہ مسکرا رہا تھا۔
صاعقہ نے بے ساختہ نظر اس کے چہرے سے ہٹالی کہ مبادا اسے اس کی نظر ہی نہ لگ جائے۔
جس وقت وہ صاعقہ کے ساتھ ریسٹوران سے نکل رہا تھا ہادیہ کی گہری نگاہیں دور تک اس کے تعاقب میں رہی تھیں۔ اس نے ہانیہ کو اس کی وہاں موجودگی کا نہیں بتایا تھا' مگر عباد کے بدلے ہوئے رویے کی وجہ کسی حد تک ضرور اس کی سمجھ میں آگئی تھی۔
اگلے روز آفس میں عباد کی پیشی ہوگئی تھی۔



سانول شاہ کا فوری آپریشن ہوا تھا اور اب ڈاکٹرز کی کئی گھنٹوں کی محنت و تگ و دو کے بعد اس کی حالت خطرے سے باہر تھی۔ تاہم وہ ابھی ہوش میں نہیں آیا تھا۔ بہزاد نے اس کے کمرے میں شفٹ ہونے کے بعد زبردستی ازلہ کو گاؤں واپس بھیج دیا تھا۔
وہ رات میں خاصی تاخیر سے گھر واپس آئی تو دادی ماں اس کے انتظار میں جاگ رہی تھیں۔
اس کی دستک کے جواب میں دروازہ کھول کر وہ ناراضگی کے اظہار کے طور پر کمرے میں چلی آئیں ازلہ بھی ان کے پیچھے ہی چلی آئی تھی۔
"میں نے تیرا سامان تیار کر دیا ہے ازلہ صبح کے نکلتے سورج کے ساتھ شہر واپس چلی جانا۔ میں اب مزید تجھے اپنے

پاس نہیں رکھ سکتی۔"

پیچھے موڑے اپنے بستر کی شکنیں درست کرتے ہوئے دادی ماں نے اپنا فیصلہ سنایا تھا۔ وہ وہیں دہلیز پر رک گئی۔

"کیوں؟"

"مجھ سے نہ پوچھ اس کیوں کا جواب اپنے آپ سے پوچھ۔"

وہ اپنا غصہ دبائے ہوئے تھیں۔ از لحاظ تھکن سے چور اپنے بستر پر آ بیٹھی۔ صبح ہی تو کہہ رہی تھیں وہ۔ اسے اپنے آپ سے جواب لینا چاہیے تھا مگر اس کے پاس بھلا کسی بھی بات کسی بھی سوال کا جواب رہا ہی کہاں تھا۔

اعصاب اس وقت اتنے بوجھل تھے کہ وہ چاہ کر بھی دادی ماں سے کوئی بحث نہ کر سکی اور چپ چاپ بستر پر ڈھے گئی۔

سانول شاہ کا چہرہ اس کا زخمی وجود تصور سے نکل ہی نہیں رہا تھا۔

ساری رات کروٹوں اور آنسوؤں کی نذر ہو گئی تھی۔

صبح ذرا سی دیر کے لیے آنکھ لگی تھی۔ پھر فوراً ہی کھل گئی۔ سانول کے ہوش میں آ جانے کا خیال بے قرار کر گیا تھا۔ وہ بستر سے اٹھ کر غسل خانے کی طرف بڑھی تو دادی صحن میں چارپائی پر بیٹھی چڑیوں کو رات کی بچی روٹی کے چھوٹے چھوٹے چورے ڈال رہی تھیں۔ اس نے فریش ہونے کے بعد وضو کیا اور سکون سے نماز فجر ادا کر کے دادی ماں کے قریب چلی آئی۔

"آپ مجھ سے خفا ہیں دادی اماں......؟"

"میرا کیا حق ہے تم سے خفا ہونے کا......؟"

"کیوں حق نہیں ہے آپ ہی کے تو سارے حقوق ہیں مجھ پر۔"

"ہاں زبان سے کہنے میں کیا جاتا ہے۔"

"دل سے کہہ رہی ہوں دادی اماں! جو چاہیں قسم لے لیں۔ مگر اب میں خود بھی یہاں ٹھہرنا نہیں چاہتی آپ بھی چلیں ناں میرے ساتھ۔"

بازی الٹ ہو گئی تھی۔ وہ اسے پریشان کر کے بندے کی پتر بنانا چاہتی تھیں۔ الٹا اس نے اپنا ارادہ ظاہر کر کے انہیں پریشان کر دیا تھا۔

"تم ہی جاؤ بی بی میں اپنے شوہر اور بیٹے کی ڈھیریاں چھوڑ کر نہیں جا سکتی۔"

"ہاں ان ڈھیریوں میں اب کیا رکھا ہے دادی اماں کچھ بھی تو نہیں۔"

"دماغ چل گیا ہے تیرا۔ خوب سمجھتی ہوں میں۔ باپ کے قاتلوں سے ہمدردی ہو رہی ہے۔"

"غلط اطلاع دی ہے کسی نے آپ کو۔ اپنے بابا کے قاتل کو مر کر بھی معاف نہیں کر سکتی میں۔ ہاں ان کے دشمن کو صرف اللہ رب العزت کی رضا کے لیے راہ راست پر لانے کا ارادہ ضرور کیا ہے میں نے آپ چاہیں تو بہزاد سے پوچھ سکتی ہیں۔"

اسے وضاحت سے چڑ تھی۔ پھر بھی وہ وضاحتیں دے رہی تھی دادی ماں کا غصہ بالآخر اس کی شادی کے لیے رضا مندی پر ختم ہوا تھا۔ وہ اپنی ذات کے تمام حقوق انہیں دے کر ان کی رضا کے بعد اس شام شہر کے لیے روانہ ہوئی تھی۔ جہاں سانول بارہ گھنٹے گزر جانے کے باوجود حال ہوش میں نہیں آیا تھا۔

......♥♥♥......

آنکھوں سے خواب دل سے تمنا تمام شد
تم کیا گئے کہ شوق نظارہ تمام شد
کل تیرے تشنگاں سے عجب معجزہ ہوا
دریا پہ ہونٹ رکھے تو دریا تمام شد
دنیا تو ایک برف کی سل کے سوا نہ تھی
پہنچی ذرا جو آنچ تو دنیا تمام شد
شہر دل تباہ میں پہنچوں تو کچھ کھلے
کیا بچ گیا ہے راکھ میں اور کیا تمام شد
اک یاد یار ہی تو پس انداز ہے محسن
ورنہ وہ عشق کار تو کب کا تمام شد

تقریب سے وہ سیدھا "یزدانی پیلس" چلا آیا تھا کہ یہ قریب پڑتا تھا۔

وہ اندر آیا تو گوری جائے نماز پر بیٹھی ہاتھ دعا میں اٹھائے رو رہی تھی۔ وہ سمجھ نہ سکا کہ یہ کون ہے؟ مالکن وہ ہو نہیں سکتی تھی اور نوکرانی وہ لگ نہیں رہی تھی۔

دعا میں ہاتھ اٹھائے زاروقطار روتے ہوئے اس کے ذہن میں بزرگ کی باتیں گونج رہی تھیں جو آج صبح ہی وہ اس کے خواب میں کہہ رہے تھے۔

"یہ دنیا..... یہ محض گزرگاہ ہے۔ ایسی گزرگاہ جہاں سے ہو کر تمہیں اپنی اصل منزل تک جانا ہے اور وہ منزل جنت ہوگی یا جہنم یہ فیصلہ اللہ رب العزت کی ذات پاک تمہارے اعمال سامنے رکھ کرے گی۔ یاد رکھنا بیٹی گمراہی ہر قدم پر انسان کے ساتھ چلتی ہے۔ یہ دنیا کا عشق ہمیشہ بدنظری سے ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بری صحبت، بری بات سننے اور پڑھنے سے بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ جیسا راستہ اختیار کرو گی۔ ویسی مراد پاؤ گی۔ قرآن پڑھو گی تو دل میں اللہ رب العزت کی پاک ذات کا عشق پیدا ہوگا۔ احادیث سنو گی تو اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق کرنے لگو گی۔ لیکن کسی غیر محرم سے بلا ضرورت بات کرو گی تو اندرونی جذبات ابھریں گے اور دل میں دنیاداری کا عشق پنجے گاڑ کر بیٹھ جائے گا۔ تباہی و بربادی کا یہ "بیج" بڑھتے بڑھتے تناور درخت بن جائے گا اور آخر کار تمہاری ہستی کو ہلا کر رکھ دے گا۔ یہ چند روزہ فانی دنیا تمہارا امتحان ہے بیٹی وہ عورت مت بن جسے شر اور فتنہ کہا جائے۔ رحمت بن اپنی زبان، نفس اور خیالات کو قابو میں رکھ۔ مت دیکھ کہ دنیا کیا سمجھتی ہے؟ یہ دیکھ کہ تیرے رب کے ہاں تیرا کیا مقام ہے۔ وہ کیا سمجھتا ہے۔ یہ زبان کی نرمی اور لچک کسی کو تیری طرف راغب نہ کرلے۔ گمراہ نہ کرلے یاد رکھ وہ عورت جو اپنی زبان کی نرمی اور لچک سے کسی غیر محرم مرد کا دل لبھائے گی اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ اس میں اوندھے منہ لٹکائی جائے گی۔"

یہ کیسی آگاہی تھی کیسی تنبیہ تھی کہ وہ بے چین ہو کر رہ گئی تھی۔

کیسا کرم تھا یہ اس پر اللہ رب العزت کی پاک ذات کا کہ اسے ان باتوں سے آگہی نصیب ہو رہی تھی۔ جن سے لاعلمی کے سبب جانے کتنے ایمان والوں کو آخرت میں رسوائی کا سامنا کرنا تھا اور وہ اسی پر رو رہی تھی جب شاہ زر نے قریب آ کر ہلکا سا گلا صاف کیا۔

"السلام علیکم!"

وہ چونکی اور آنسوؤں کے موتی اس کی پلکوں پر ٹھہرے تھے۔ پلٹ کر نظر شاہ زر کے اجنبی چہرے پر پڑی تو مزید

حیرانی ہوئی۔ عبایا پہنے اس نے سر بھی اچھی طرح ڈھانپ رکھا تھا۔

"وعلیکم السلام فرمائیے۔"

"مجھے شاہ زر کہتے ہیں لیکن معاف کیجیے گا میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔"

"میرا نام گوری ہے۔ بریرہ جی نے یہاں پناہ دی تھی۔ آپ ان کے شوہر ہیں نا؟"

"ہاں مگر اس نے مجھے یہاں آپ کی موجودگی کا نہیں بتایا تھا۔ خیر کہاں کی ہیں آپ انہیں۔"

وہ اب صوفے پر بیٹھ چکا تھا۔

گوری جائے نماز پر ہی بیٹھی رہی۔

"میں انہیں نہیں جانتی مگر ان کے بھائی زاور حسن صاحب ادھر ہمارے گاؤں کے قریب زخمی ہو گئے تھے تو میرے بھائی انہیں اٹھا کر گھر لائے تھے۔ کچھ روز وہ ادھر ہمارے مہمان رہے تھے۔ جب ان کے زخم بھر گئے تو وہاں سے چلے آئے۔ مگر آتے ہوئے انہوں نے میرے بھائی سے کہا تھا کہ انہیں جب بھی کسی مدد کی ضرورت پڑے وہ شہر چلے آئیں پھر بھائی کا قتل ہو گیا اور میری پھوپھو بھی وفات پا گئیں۔ تو میرا شوہر مجھے اپنے ساتھ لے گیا۔ اس کی بھی موت ہو گئی تو میں یہاں چلی آئی کیونکہ بھری دنیا میں اب میرا کوئی بھی رشتہ سلامت نہیں رہا۔"

"او ویری سیڈ یہاں کا ایڈریس کیسے ملا؟"

"وہ..... ان کا کارڈ تھا میرے پاس زاور صاحب آتے ہوئے اپنا کارڈ دے کر آئے تھے۔ اسی کی مدد سے میں یہاں تک پہنچی تھی۔"

گفتگو کے دوران اس نے ایک بار بھی نظریں اٹھا کر سامنے نہیں دیکھا تھا۔

شاہ زر کو چہرے کی معصومیت اور لہجے کی سادگی بے حد اچھی لگی۔

"یہاں خالی گھر میں رہتے ہوئے کوئی پریشانی تو نہیں ہے؟"

"ہو لی ہے جی کام والی تو صفائی کر کے صبح صبح ہی چلی جاتی ہے۔ اکثر دو دو دن آتی ہی نہیں پیچھے چوکیدار اور باورچی دونوں مرد ہوتے ہیں۔ میں سارا دن کمرا بند کر کے اندر بیٹھی رہتی ہوں۔ صرف صبح کے وقت جب کام والی آتی ہے تب ہی باہر نکلتی ہوں۔"

"اوہ اس طرح تو آپ خاصی مشکل کا شکار ہوتی ہوں گی۔ اگر آپ کو برا نہ لگے اور ذہن مانے تو آپ میرے ساتھ میرے گھر چل سکتی ہیں۔ وہاں آپ کو کسی سے کوئی خطرہ نہیں۔"

اس نے شاہ زر کو تصویروں میں دیکھا تھا اور وہ اسے بہت اچھا لگا۔ مگر اس وقت اس کا لہجہ صورت سے بھی زیادہ اچھا تھا۔ گوری کی آنکھیں یک لخت ادریس کی یاد میں بھیگ گئیں۔ جانے آج کل موقع بے موقع وہ اسے اتنا یاد کیوں آتا تھا۔

"کیا ہوا اگر آپ نہیں جانا چاہتیں تو کوئی بات نہیں میں تو صرف آپ کی مشکل کی وجہ سے کہہ رہا تھا۔"

وہ پریشان ہوا تھا۔ گوری نے جلدی سے آنسو پونچھ لیے۔

"ایسی بات نہیں ہے شاہ زر بھائی۔ بس جانے کیوں آپ کو دیکھ کر مجھے میرا بھائی یاد آ گیا۔"

"اگر میں کہوں کہ میرے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوا ہے تو.....!"

اس بار گوری نے سر اٹھایا۔

"میری بھی ایک ہی بہن تھی دنیا میں "شافیہ آفندی" جان دیتا تھا اس پر اور وہ مر کر سچ مچ میری جان ہی لے گئی۔

آپ کے چہرے پر پہلی نظر میں ہی مجھے اس کا چہرہ اس کی شباہت نظر آئی تھی۔“

وہ وضاحت دے رہا تھا۔ گوری کے آنسو تھم گئے۔

”بریرہ کو کال ملاتا ہوں۔ اس سے بات کر کے تسلی کرلیں۔ پھر چلیں گے میں تو صرف دیکھ بھال کے لیے آیا تھا یہاں آپ کا سبب اللہ رب العزت کی طرف سے بن گیا۔“

بریرہ کو کال ملاتے ہوئے وہ اسے بتا رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ آن لائن تھی۔

”السلام علیکم! کیسی ہو؟“

”وعلیکم السلام! تم سناؤ۔“

”میں تو ٹھیک ہوں یزدانی پیلس آیا تھا دیکھ بھال کے لیے یہاں گوری سے ملاقات ہوگئی۔ مجھے تو بالکل شافیہ کا گمان ہوا۔ یہ یہاں محفوظ نہیں ہے بریرہ۔“

”ہوں میں سمجھتی ہوں مگر وہ خود چل کر میرے پاس آئی تھی اسے سر چھپانے کے ٹھکانے کی تلاش تھی اسی لیے میں نے وہاں ٹھہرا لیا۔ اب انگلینڈ تو ساتھ لے کر نہیں آسکتی تھی۔“

”وہ تو ٹھیک ہے مگر اب میں اسے ”شاہ پیلس“ لے جا رہا ہوں۔ وہاں اور بھی خواتین ہیں جو کام کے لیے آتی ہیں۔ اسے وہاں بہتر محسوس ہوگا۔“

”ٹھیک ہے جیسا تم مناسب سمجھو۔ مجھے تو کوئی اعتراض نہیں۔“

وہ ایسی ہی تھی بے ضرر سی شاہ زر نے تھوڑی دیر ادھر ادھر کی باتوں کے بعد گوری کی بریرہ سے بات کروا کر کال ڈراپ کردی۔

”شاہ پیلس“ میں آنے کے بعد گوری کو یک گونہ قرار نصیب ہوا تھا کہ شاہ زر صبح کا نکلا رات گئے ہی گھر واپس لوٹتا تھا اور آتے ہی تھوڑا سا کھانا کھا کر اپنے کمرے میں گھس جاتا‘ صبح کام والی آتی تھی اور پھر تمام گھر کے کام نمٹا کر شام ڈھلے ہی گھر واپس جاتی تھی۔ ایسے میں وہ بالکل آزاد ہوتی کہ جہاں دل چاہا وہاں بیٹھی۔ شاہ زر واقعی اس کے لیے سگے بھائیوں کی طرح ثابت ہوا تھا۔

خوابوں کا سلسلہ یہاں آ کر بھی ویسے ہی جاری تھا۔ تبھی اس روز ناشتے کے وقت اس نے پہلی بار شاہ زر کو خود سے مخاطب کرنے کی ہمت کی تھی۔

”شاہ بھائی آپ سے ایک فرمائش کروں تو پوری کریں گے۔“

وہ چونکا تھا اور پھر اس کا جھکا سر دیکھ کر مسکرایا تھا۔

”ہوں‘ سو فرمائشیں بھی کرو تو پوری کروں گا۔“

اس کی حوصلہ افزائی پر کچھ لمحے سوچنے کے بعد وہ بولی تھی۔

”وہ مجھے ایک اکیڈمی بنانی ہے۔ چھوٹے بچوں کے لیے جہاں میں انہیں قرآن کی تفسیر اور ترجمہ پڑھا سکوں۔ انہیں زندگی کے حقیقی معنی بتا سکوں۔ انہیں بتا سکوں شاہ بھائی کہ قرآن کیا ہے اور ہماری زندگیوں میں یہ کتنی اہمیت کا حامل ہے۔ اس کا ایک ایک حرف کتنی گہرائی لیے ہوئے ہے۔ غیر مسلم اس کی تعلیمات سے فائدہ اٹھا کر کہاں سے کہاں پہنچ گئے اور جس محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب امت کے لیے اللہ رب العزت نے اسے نازل کیا وہ اسی قرآن سے دوری کے سبب کیسی کیسی تباہ کن مصیبتوں اور پستیوں میں جا گرے۔“

”بہت اچھا ارادہ ہے مگر شاید آپ کے علم میں نہ ہو میری پیاری بہن کہ ہمارے اس ماڈرن معاشرے کے ماڈرن

لوگ۔ اپنے بچوں کی دینی تعلیم صرف قرآن پاک ایک مرتبہ پڑھا کر مکمل سمجھتے ہیں پھر چاہے وہ بچہ ساری عمر اس قرآن کو ہاتھ لگائے نہ لگائے کوئی فکر نہیں‘ یہاں ایسے گھرانے بھی ہیں گوری جن میں بچے اگر کسی وجہ سے مذہب میں دل چسپی لینے لگیں تو مائیں پریشان ہوجاتی ہیں۔ انہیں بے ہنگم پارٹیز‘ گیٹ ٹو گیدر‘ بے حیا تعلقات‘ انٹرنیٹ کی تباہی و بربادی کی طرف لانے کے لیے ہزار جتن کرتی ہیں۔ قرآن کی تفسیر اور تعلیمات سے زیادہ انگریزی زبان اور لٹریچر میں اپنے بچوں کو دھکیل کر بے حد خوشی و اطمینان محسوس کرتی ہیں۔ یہ معاشرہ ایسے ہی لوگوں اور ماؤں سے بھرا ہے گوری۔ یہاں آپ کی کون سنے گا۔ نقار خانے میں طوطی کی ویسے بھی کوئی نہیں سنتا۔ یہاں لوگوں کو تفریح کے لیے رومانوی باتیں اور ماحول مطلوب ہے اللہ رسول کی باتوں کے لیے شاید ان کے پاس وقت ہی نہیں ہے کیونکہ ہدایت بھی اس کی نصیب ہوتی ہے جس کے دل میں ذرا سی گنجائش ہوتی ہو گونگے بہرے اندھے لوگوں کو ہدایت نصیب نہیں ہوتی۔“

وہ ماڈرن شہری تھا مگر اس کی باتیں ”اندر“ کی باتیں تھیں۔ گوری کو بے حد دکھ ہوا۔

”یہ ہماری بدنصیبی ہے شاہ بھائی‘ مگر میں پھر بھی اکیڈمی بنانا چاہتی ہوں۔ کیونکہ جس اللہ نے یہ خیال میرے دل میں ڈالا ہے یقیناً وہی میری مدد بھی فرمائے گا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ یہ خیال بھی میرے دل میں نہ ڈالتا۔“

”ٹھیک ہے میں آج ہی بات کرتا ہوں اس سلسلے میں کسی سے تم فکر نہ کرو۔“

”جزاک اللہ بھائی۔ یقیناً اللہ آپ کو اس کا بہتر اجر دینے والا ہے۔“

وہ دعا دے کر پلٹ گئی تھی۔ شاہ زر گم صم سا کتنی ہی دیر وہیں بیٹھا رہا۔ کیا وہ ”بہتر اجر“ کے قابل تھا؟

........♥♥♥........

رات بھر کی سخت بے سکونی کے بعد صبح جب وہ بستر سے نکلا تو طبیعت بے حد بوجھل تھی۔

رات اس نے جو امامہ کے ساتھ کیا تھا۔ اب اس پر پچھتاوا ہو رہا تھا۔ مگر...... وہ پیچھے پلٹ کر دیکھنے والوں میں سے نہیں تھا اور جو پیچھے پلٹ کر نہیں دیکھتے اکثر وہی منہ کے بل گرتے ہیں۔ گڑیا ابھی سو رہی تھی۔ وہ فریش ہو کر تیار ہونے کے بعد ناشتے کے لیے باورچی کو گڑیا کا خیال رکھنے کی ہدایت کرتا آفس چلا آیا۔

اپنے شاندار ڈیکوریٹڈ کمرے میں سیٹ سنبھالنے کے بعد ٹی وی آن کرتے ہوئے ابھی وہ فون کا ریسیور ہی اٹھا رہا تھا کہ اچانک نشر ہونے والی خبر نے اسے ٹھٹکا دیا۔

”وقار کالونی کے علاقے‘ وقاص ٹاؤن میں گزشتہ شب ایک نوجوان لڑکی کو انتہائی بے رحمی کے ساتھ موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ پولیس کے مطابق اس علاقے میں تین انتہائی مطلوب مجرم مقیم تھے۔ تاحال لڑکی کی شناخت نہیں ہوسکی ہے۔ تاہم ملزمان کا کہنا ہے کہ وہ لڑکی پناہ کی تلاش میں خود وہاں چل کر آئی تھی۔“

خبر کے ساتھ اسکرین پر ملزمان کے چہرے اور کپڑے میں لپٹی لڑکی کی مسخ شدہ تصویر بھی دکھائی جا رہی تھی۔ شجاع حسن کا وجود جیسے لمحے میں سرد پڑ گیا تھا۔ کل رات وقاص ٹاؤن کے علاقے میں ہی تو امامہ کو چھوڑ کر آیا تھا اور جو گھر اسکرین پر دکھایا جا رہا تھا یہ وہی تو تھا جس کے دروازے پر اس نے دستک دی تھی۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

عید سعید

آزادیٔ وطن

فوزیہ سعید سردار

رسمِ سجدہ بھی اٹھا دی ہم نے
ظلمتِ عشق بڑھا دی ہم نے
دل کو آنے لگا بسنے کا خیال
آگ جب گھر کو لگا دی ہم نے

"ٹک..... ٹک..... ٹک!" کسی نے زور زور سے سلاخوں پر ڈنڈا بجایا تھا۔ اعتشام نے گھٹنوں پر رکھا سر اٹھا کر سامنے دیکھا جہاں تھانیدار پوری بتیسی نکالے اسے دیکھ رہا تھا۔

"او میں کیا جی سوہنیو! کل تانوں چھٹی ہو جانی اے..... آج تاڈا ایتھے آخری دن اے کل فیر خوب جشن منانا' ایک تہاڈی آزادی' دوجی پاکستان دی آزادی..... ہے نا ڈبل آزادی!" تھانیدار کہہ کر ہنستا ہوا آگے بڑھ گیا۔ اعتشام اسے خاموشی سے جاتا دیکھ کر رہ گیا۔

"ہونہہ! آزادی..... پانچ برس یہاں گزار کر ان در و دیوار سے اُنسیت ہو گئی ہے' قسمت میں لکھی اس سزا کو تو میں کب سے قبول کر چکا ہوں۔" وہ دوبارہ گھٹنوں میں سر دے کر بیٹھ گیا۔

تھانیدار نے ٹھیک کہا تھا' آج اس جیل میں اس کی آخری رات تھی' کل اسے فارغ کر دیا جاتا۔ ابا گاؤں سے اسے لینے آ[illegible] ان کی رات ابا نے کسی دوست کے گھر گزار کر صبح اسے لینے آنا تھا۔ کتنی جلدی گزر گئے تھے یہ پانچ سال..... اسے پتا ہی نہ چلا تھا اور اب تو اسے اس قید کی عادت سی پڑ گئی تھی۔ اس نے یہی بات ابا سے کہی تھی۔

☆......☆......

"اپنی ماں سے پوچھ کیسے گن گن کے دن گزارتی ہے۔" اچانک ہی کہیں سے ابا کی آواز اس کے کانوں میں گونجی تھی۔

"شامی پتر! جلدی گھر آ جایا کر مجھے بھی پتا گاؤں کے رستے میں کیسے لٹیرے بیٹھے ہوتے ہیں رات کو ویسے بھی بڑا خطرہ ہوتا ہے۔"

اعتشام ہمیشہ سے گاؤں میں رہنے کا مخالف تھا۔ شہر میں اس کا دل زیادہ لگتا تھا۔ ابا نے اس خواہش کو دیکھتے ہوئے اسے شہر کے کالج میں داخلہ دلوا دیا۔ گاؤں کے اور بھی بہت سے لڑکے ویگن میں آتے اور ویگن میں جاتے۔ وہ سارا دن

وہاں گشت کرتے' رات اندھیرے گھر لوٹتے' تبھی اماں کو فکر ہوتی۔

"جلدی گھر آجایا کر' جب تک تُو آنہ جائے میرا دل ہولتا رہتا ہے۔" یہ بات نہ تھی کہ وہ اپنے ماں' باپ کا لاڈلا تھا بلکہ اس سے بڑے انضمام بھیا تھے۔ وہ دو بھائی تھے اور ایک ان کی پھوپی کی بیٹی بچپن سے ان کے ساتھ رہتی تھی۔ جو احتشام سے بڑی اور بھیا سے چھوٹی تھی۔ پھوپی کی بیٹی کا معاملہ بھی کچھ یوں تھا کہ پھوپو شادی کے بعد ایک لاعلاج مرض میں مبتلا ہوگئیں۔ پھوپو کے دو بچے تھے۔ بڑا بیٹا اور چھوٹی بیٹی...... پھر ایک شام پھوپو وفات پاگئیں۔ پھوپو کے سسرال والوں پر بیٹی بھاری ہوگئی اور جاشیہ اماں کی گود میں ڈال دی۔ بیٹا خود رکھ لیا۔ اماں ابا کو ویسے بھی بیٹی کے ارمان تھے۔ وہ جاشیہ کی صورت میں پورے ہوگئے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ جاشیہ نے بھی اماں ابا کو بیٹی بن کر دکھایا۔ یونہی وقت گزرتا رہا اور وہ جوان ہوگئے۔ بڑے بھیا کے اور احتشام درمیان سات' آٹھ سال کا فرق تھا۔ بڑے بھیا کی عمر پچیس برس اور احتشام کی عمر اٹھارہ برس تھی۔ ابا جان بڑے بھیا کا رشتہ جاشیہ کے ساتھ کرنا چاہتے تھے مگر وہ ساتھ والی خالہ جو کہ امی کی کزن بھی تھیں' ان کی بیٹی میں دلچسپی رکھتے تھے۔ مجبوراً ابا کو وہیں ان کا رشتہ پکا کرنا پڑا۔

کچھ عرصہ بعد ابا نے جاشیہ کا بھی رشتہ دیکھ کر جاشیہ اور بھیا کی اکٹھی شادیاں کردیں۔ رہ گیا احتشام تو اسے مزید آزادی مل گئی۔ وہ بھیا جو پہلے ہمہ وقت اس کے نگران بنے رہتے اب اپنی دلہن میں کھو چکے تھے۔

"اماں! آج رات ہمارے کالج میں تقریب ہونی ہے۔ مجھے دیر ہوجائے گی آپ فکر نہ کرنا۔" اس سال بھی اس نے موج مستی کرنے کے لیے اماں سے جھوٹ بولا۔

"مجھے بھولی نہ سمجھو شامی! یہ بال میں نے دھوپ میں نہیں سفید کیے۔ میں سب جانتی ہوں' آج چودہ اگست ہے...... تُو نے پھر شہر جاکر وہاں اڈوں پر موٹر سائیکل گھمانی ہے۔" اماں جانتی تھیں' یہ اس کا پسندیدہ مشغلہ تھا کہ وہ سب دوست کرائے پر موٹر بائیک لے کر شہر میں خوب ایک پہیہ پہ بائیک چلاتے۔ چودہ اگست کی رات تو یہ مشغلہ ساری رات چلتا۔

"اماں! وہ کام تو میں نے پچھلے سال سے چھوڑ دیا ہے۔ جب سے خالہ کے بیٹے نے آپ کو شکایت لگائی ہے۔" اسے اب بھی یاد تھا۔ ایک دفعہ انضمام بھیا کے سالے صاحب نے اسے وہاں ایک پہیہ پر بائیک چلاتے دیکھ لیا تھا۔ بس جب اماں ابا کو پتا چلا تو خوب اس کی شامت آئی۔ ابا نے سخت لہجے میں کہا تھا۔

"دیکھ احتشام! بڑھاپے میں ہمیں ذلیل نہ کر...... تُو ہماری نرمی کا ناجائز فائدہ اٹھا رہا ہے۔" ابا کے لہجے کے برعکس اماں نرمی سے سمجھاتے ہوئے بولی تھیں۔

"شامی پُتر! یہ آزادی منانے کا کون سا نیا طریقہ ہے؟ میرے لعل! آزادی اس طرح کب منائی جاتی ہے؟ یہ تو پاکستان کے دشمنوں نے آج کی نسل کو غلط رستے پر لگا دیا ہے۔ یہ ظالم چاہتے ہیں کہ پاکستان خود ہی اپنے آپ کو تباہ [illegible] نت نئے طریقے سکھاتے ہیں [illegible] نے کس قدر قربانیاں دے کر [illegible] مگر آج پھر ان ہی کی دیکھا دیکھی یہ طریقے اپنا کر خود کو تباہ کررہے ہیں [illegible] پوچھ ہم آزادی کیسے مناتے تھے [illegible] جذبہ اور جوش و خروش ہوتا تھا۔ آج کی نسل میں بھلا وہ جذبہ کہاں...... ! کیوں کہ نئی نسل گمراہی کی راہ پر چل پڑی ہے جس کا انجام تباہی ہے۔ اگر تم جیسے نوجوان ہی پاکستان کو تباہ کریں گے جن کے ہاتھوں میں پاکستان کا روشن مستقبل ہے پھر تو پاکستان کا اللہ ہی حافظ ہے' پھر ہم جیسے بوڑھے بھلا

کیا کرسکتے ہیں؟ اس قدر جانیں قربان کیں مسلمانوں نے اس ملک کو اور آزادی کو پانے کے لیے۔ اگر تم وہ خون سے بھری سڑکوں اور گلیوں کو دیکھتے تو تمہارا کلیجہ منہ کو آتا۔ آج تم خود ہی اپنی اس دھرتی کو خون سے نہلانے پر تلے ہو؟" اماں رونے لگی تھیں۔ اسی بنا پر اس نے اس سال یہ بہانہ کیا تھا کہ ہمارے کالج میں تقریب ہوگی حقیقتاً وہ اپنے دھندے سے باز نہ آیا تھا۔

"ارے اماں! یقین کریں ہمارے کالج میں پروگرام ہونا ہے' جس میں لڑکوں نے ملی نغمے گانے اور تقریریں کرنی ہیں۔ بڑے بڑے افسر آئے ہوں گے۔ وہ سب بھی تقریریں کریں گے۔ ہمارے استاد نے کہا تھا کہ سب طلبا ضرور آئیں اور پھر ہم دوستوں نے وہاں پارٹی کا اہتمام بھی کیا ہے' اس لیے کچھ مزید دیر ہوجائے گی۔" اب کے اماں اس کی باتوں میں آگئیں۔ اسی طرح اس نے ابا سے بھی بہانہ کیا۔ جاتے ہوئے بھیا نے صرف اتنا کہا تھا کہ

"اگر یہ سب جھوٹ ہوا اور تم کہیں پھنس گئے تو ہم نے چھڑانے نہیں آنا۔"

مگر وہ کسی کی بات کا نوٹس لیے بغیر شہر آگیا۔

اور یہ بدقسمتی تھی اس کی کہ اسی رات ایک پہیہ پر بائیک چلاتے ہوئے اس کی بائیک کسی آفیسر کی گاڑی سے ٹکرا گئی۔ اس کی نئی گاڑی کا ستیاناس ہوگیا۔ اس آفیسر نے ایک پل ضائع کیے بغیر پولیس کو اطلاع کردی اور کچھ ہی دیر میں وہ سب دوست حوالات میں بند تھے۔

"یہ سب سڑکوں پر نکل کر ہنگامہ آرائی کررہے ہیں' پورے شہر کو تگنی کا ناچ نچا رکھا ہے کچھ ان کا رش اور کچھ تماشائیوں کا......! آپ کو تو انہیں دس دس سال قید لگانی چاہیے تاکہ دس سال جیل میں رہ کر یہ سدھر جائیں اور ان کی عقل ٹھکانے پر آئے۔" آفیسر نے رپورٹ لکھواتے ہوئے یہ لکھاتے کہے تھے پھر

آفیسر کی یہ رپورٹ اوپر تک چلی گئی۔ گنتی میں وہ دس بارہ لڑکے تھے۔ امیروں کے باپ تو اسی وقت بے بہا پیسہ لٹا کر اپنے لعل لے گئے' گنتی میں وہ چند لڑکے رہ گئے جن کے غریب والدین کے پاس نہ پیسہ تھا نہ سفارش۔ سو ہزار کردہ ناکردہ گناہ ان کے نام لکھے گئے۔ دفعات پر دفعات لگتی چلی گئیں۔ جس کے صلے میں اسے پانچ سال قید بامشقت کی سزا سنائی گئی۔ ابا نے بھی گاؤں کے چوہدری' بھی زمیندار اور نہ جانے کس کس کے آگے منت کی مگر سب نے بڑے بھیا کی طرح ہری جھنڈی دکھادی۔ ابا تب سے اب تک اسے جیل میں ملنے آتا' کبھی دو ماہ بعد' کبھی تین ماہ بعد اور کبھی اس سے بھی زیادہ عرصہ گزر جاتا۔ ابا جان جب بھی آتے اسے ایک نئی خبر سناتے۔

"تیری ماں چارپائی سے لگ گئی ہے۔ رو رو کر دن گزار رہی ہے۔ تیرا بھائی اپنی بیوی کو لے کر الگ ہوگیا ہے۔ اپنا حصہ بھی لے لیا ہے۔ چھوٹے سے گھر میں اب دیوار کھڑی ہوگئی ہے' تیری وجہ سے اس نے ہم سب سے واسطہ ختم کرلیا ہے۔ جاشیہ کے شوہر نے اس کو طلاق دے کر باہر کسی لڑکی سے شادی کرلی ہے۔" اور یہ خبر اس کے لیے کسی دھماکے سے کم نہ تھی مگر ابا کہتے رہے۔ "جاشیہ ہی تیری ماں کو سنبھالتی ہے۔ بڑی بھلی مانس بچی ہے۔ کسی کو آج تک دکھ نہیں دیا مگر اس کی قسمت میں دکھ ہی دکھ لکھے ہیں۔"

ابا رو رہے تھے اور وہ ساکت کھڑا سن رہا تھا۔

وہ کیسا خود غرض نکلا کہ بڑھاپے میں ان کا سہارا بننے کے بجائے اُلٹا اس عمر میں انہیں دربدر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور کردیا۔ سر اٹھانے کے قابل نہ چھوڑا۔ ابا کسان تھے۔ دوسروں کے کھیتوں میں کام کرکے جتنے پیسے ملتے اسی میں ہی گھر بار چل رہا تھا۔

اس بار ابا ملنے آئے تو بڑے افسردہ تھے۔

"جاشیہ سے کرایہ لے کر آیا ہوں۔ محلے بھر کے کپڑے سیتی ہے وہ...... تیری محبت میں چلا آتا

ہوں۔" اور وہ شرمندگی سے نظریں جھکا گیا۔ کیا دیا تھا اس نے انہیں سوائے رسوائی کے...... ! مگر اس نے اس تمام عرصہ میں اللہ سے رو رو کر دعائیں کی تھیں اور اپنے آپ کو بدلنے کا عہد کیا تھا۔ اسے ماں باپ کے بڑھاپے کا سہارا اور اپنے وطن کا ایک معزز شہری بننا تھا۔ یہ وطن اس کی ماں ہے اور اسے ماں کو شرمسار نہیں کرنا ہے۔

قریب ہی مسجد سے آتی اذان کی آواز اسے ماضی سے حال میں کھینچ لائی تھی۔ رات کی سیاہی مل رہی تھی۔ صبح کا اُجالا پھیلنے کو تھا اور اب وہ وقت دور نہ تھا جب اسے اپنوں سے ملنا تھا۔ ان کے دکھوں کا مداوا کرنا تھا۔ اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کا ازالہ کرنا تھا۔ موذن کی آواز پر لبیک کہہ کر اس نے فوراً اپنا سر سجدے میں گرادیا۔ اپنے رب کا شکر بھی تو ادا کرنا تھا۔

☆......☆......☆

ویگن والے کا کرایہ ادا کرکے ابا اسے تانگے کی طرف لے آئے تھے۔ تانگہ ان رستوں پر دوڑ رہا تھا جنہیں دیکھنے کو وہ ترس گیا تھا۔

یہ وطن ہمارا ہے
ہم ہیں پاسبان اس کے

دور سے آتی ملی نغمے کی آواز اس کے دل کو شانت کرگئی تھی۔

"میری پیاری اماں! تُو ٹھیک کہتی ہے۔ آج کی نسل میں وہ جذبہ کہاں...... ! یہ جذبے بھی تو آپ جیسی عظیم مائیں ہی پیدا کرتی ہیں جو کہ کہیں نہ کہیں آج بھی زندہ ہیں اور ہم ایسے بدبخت آپ جیسی ماؤں کی نصیحتیں ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال دیتے ہیں اور جواباً اپنی دھرتی ماں کا سر جھکا دیتے ہیں۔ آج چودہ اگست تھی گلیاں، بازار کتنے پیارے لگ رہے تھے سجے ہوئے جگہ جگہ لہراتا ہوا ہلالی پرچم لہراتے ہوئے اپنی اہمیت کا احساس دلا رہا تھا۔

احتشام کے اندر نئے جذبے سر اٹھانے لگے تھے۔ وہ سوچ کی گہرائیوں میں اُترتا چلا جا رہا تھا۔

"احتشام! کیا سوچ رہا ہے پتر؟ چل اُتر اپنا گھر آ گیا ہے۔" ابا نے اس کا کندھا ہلایا تو وہ چونک کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا پھر آہستہ سے نیچے اُتر آیا۔ ابا کے ساتھ چلتے جیسے وہ اپنے محلے میں پہنچا تو کئی محلے کے بچے، جو اب کافی بڑے ہوچکے تھے دوڑ کر اس کی طرف چلے آئے۔ "احتشام بھائی آ گئے...... احتشام بھائی آ گئے" کا نعرہ لگاتے وہ اس سے ہاتھ ملانے لگے۔ چند ایک نوجوان اور بزرگ بھی اس سے ملنے لگے وہ عجیب ندامت لیے سب سے ملتا رہا تھا۔

"جانی! احتشام نہیں آیا ابھی تک...... ؟" اماں صبح سے کئی بار یہ جملہ بول چکی تھی۔

"نہیں مامی! ابھی تو نہیں آیا۔" جاثیہ نے اپنے کام میں مصروف جواب دیا۔ اتنے میں دروازہ بجا جاثیہ فوراً اٹھی، دروازہ کھولتے ہی اپنے سامنے کھڑے احتشام کو دیکھ کر وہ خوشی سے پلٹی۔

"مامی! احتشام آ گیا۔"

"میں صدقے!" اماں کی آواز احتشام کے اندر درد کو بڑھا گئی تھی۔ وہ فوراً آگے بڑھا اور ماں کے قدموں کو چومتا وہ اپنا اختیار کھو بیٹھا تھا۔

"شکر ہے مولا تیرا! تُو نے میرے چاند کی صورت دکھائی، صبح سے دروازے کو تک رہی ہوں۔ کب آتا ہے میرا شامی، یہ وقت کیا انتظار کرتے کرتے۔" اماں اس کا ماتھا چومتے رونے لگی تھیں۔ وہاں موجود جاثیہ اور ابا کی بھی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔

دوپہر کا کھانا کھا کر اماں، ابا سے ڈھیروں باتیں کرنے کے بعد وہ کچھ دیر کے لیے اماں کے کمرے میں لیٹ گیا تھا۔ پتا ہی نہ چلا کب آنکھ لگی اور اب جب آنکھ کھلی تو شام ہوچکی تھی۔ گیلی مٹی کی سوندھی خوش بُو اسے صحن میں کھینچ لائی تھی۔ جاثیہ نے صحن میں

پانی کا چھڑکاؤ کرکے چارپائیاں بچھادی تھیں۔ وہ ان میں سے ایک چارپائی پر ٹک گیا۔ گہری ہوتی شام میں ہر گھر کی دیوار پر دیے ٹمٹمانے لگے تھے۔

"اٹھ گیا میرا چاند!" اماں جائے نماز تہہ کرکے ایک طرف رکھتے ہوئے بولیں۔

"جی اماں! ابا کدھر ہے؟" احتشام روٹیاں پکاتی جاثیہ کو تکتے ہوئے بولا۔

"عصر کی نماز پڑھنے گئے تھے اب آتے ہی ہوں گے۔"

"اماں! آپ مجھے بھی اٹھا دیتیں۔ میں تو اب پکا نمازی بن گیا ہوں۔"

"اللہ تجھے ہدایت دے۔" اماں فرطِ محبت سے اس کا ماتھا چومتے ہوئے بولیں۔ اتنے میں ابا بھی چلے آئے۔

"دیکھ احتشام! تیری ماں تو اب چارپائی سے اُتر کر دوڑنے لگی ہے۔" ابا ہنستے ہوئے ان کے سامنے والی چارپائی پر بیٹھتے ہوئے بولے۔

"ہاں تو اور کیا...... ! اللہ کا شکر ہے جس نے اس گھر میں خوشیاں اُتاریں۔"

"اماں، ابا جان میں آپ لوگوں سے ایک بات کرنا چاہتا ہوں؟" احتشام نے تمہید باندھی، وہ جلد از جلد اپنے کیے کا ازالہ کرنا چاہتا تھا۔

"ہاں ہاں بول شامی! میں نے بھی تجھ سے ایک بات کرنی ہے۔" اماں ہنسیں۔

"کتنے عرصہ بعد مامی اور ماما کے چہرے مسکرائے ہیں۔" کچن میں بیٹھی جاثیہ یہ منظر دیکھ کر سوچ رہی تھی۔

"ابا جان! میں جلد ہی کوئی نوکری تلاش کرلوں گا مگر اس سے پہلے آپ لوگوں سے کچھ مانگنا چاہتا ہوں۔" اماں ابا کے چہرے پر شام کے سائے لہرانے لگے۔

"مانگ شامی! تُو کیا مانگتا ہے؟ مگر وہ مانگنا جو میری حیثیت میں ہو۔" ابا کا لہجہ سخت تھا۔

"آپ کی حیثیت کے مطابق ہی مانگوں گا امید ہے آپ انکار نہیں کریں گے۔" اماں ابا خاموشی سے بس اسے دیکھ کر رہ گئے۔

"میں جاثیہ کا ساتھ مانگتا ہوں آپ سے...... کیا آپ کو منظور ہے؟" اماں ابا حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے اور اندر بیٹھی جاثیہ اس بات پر انجانے میں اپنا ہاتھ جلا بیٹھی۔ ان کے برعکس احتشام شرمندہ سا نظریں جھکائے بیٹھا تھا۔ اچانک ابا کی ہنسی نے اسے چونک کر دیکھنے پر مجبور کردیا۔

"لڑکے والے تو ہاتھ مانگتے ہیں اور تو ساتھ مانگ رہا ہے۔"

"ابا میں مذاق نہیں کررہا۔" احتشام کی سمجھ میں نہ آرہا تھا کہ یہاں سے اٹھ کر چلا جائے یا بیٹھا رہے چونکہ تیر کمان سے نکل چکا تھا وہ پھر بھی شرمسار سا نظریں جھکائے بیٹھا رہا۔

"شامی پتر! تیرے ابا نے تیرے آنے سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ میں نے احتشام کا نکاح جاثیہ سے کرنے کا سوچا ہے، گھر کی بیٹی گھر میں رہے تو اچھا ہے۔ تُو نے تو ہماری دلی مراد پوری کردی۔ جاثیہ تیری ہی ہے تُو بے فکر ہوجا۔" اماں کی مہر ان سب نے لگادی تھی کہ جاثیہ کے انکار کی کوئی گنجائش ہی نہ نکلتی تھی۔ اس گھر سے نکل کر اب جانا بھی کہاں تھا اس گھر کے تو بہت احسانات تھے اس پر...... جاثیہ نے بے اختیار سامنے دیکھا تھا۔ جہاں احتشام کی نظریں اس کے جواب کی منتظر تھیں۔ جاثیہ سر جھکا گئی۔

آزادی کا یہ دن اور بھی عظیم ہوگیا تھا ان سب کے لیے کیوں کہ یہ دن کئی خوشیوں کی نوید لایا تھا۔

سعدیہ عابد

گھر ہونے تک

عائشہ خان

ہم جہاں ہیں وہاں ان دنوں عشق کا سلسلہ مختلف ہے
کاروبارِ جنوں عام تو ہے مگر اک ذرا مختلف ہے
سب کے سب اپنے کاندھوں سے غیروں کا سر جوڑنے میں لگے ہیں
ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے یہاں کا خدا مختلف ہے

"طلا...... ق ...... اور اس بھکارن کی خاطر......؟" وہ جیسے شدید شاک میں تھی۔

"ہاں اسی بھکارن کی خاطر...... کیونکہ اسی بھکارن نے چھ سال پہلے تمہارے شوہر کو زندگی کی بھیک دی تھی اور پھر اسی نے اپنے جگر کے ٹکڑے کو تمہارے دامن میں ڈال دیا تھا۔ برابر کی حق دار اور حصہ دار ہوتے ہوئے بھی تمہاری راہ سے خاموشی سے ہٹ گئی تھی۔" وہ فضا کے کانپتے وجود کو اپنے بازو کے حصار میں لے کر ایک ایک لفظ چبا کر کہہ رہے تھے۔ مگر سارہ شاہ کی سماعت تو جیسے اس کا ساتھ چھوڑ چکی تھی۔ اس کی سمجھ میں کچھ بھی نہیں آ رہا تھا۔ وہ ساکت وجامد کھڑی ایک ٹک ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ان آنکھوں کو اس نے پچھلے پندرہ برسوں میں کبھی اتنے غور سے نہیں دیکھا تھا لیکن ان آنکھوں کے ایک ایک رنگ سے وہ بخوبی واقف تھی...... مگر یہ کون سا رنگ تھا...... اسے تو اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا...... کبھی نہیں برتا تھا اس سے تو وہ آشنا ہی نہیں تھی۔ ہمیشہ محبتوں میں گھری رہنے والی سارہ شاہ نفرت کے اس رنگ کو تو پہچانتی ہی نہیں تھی۔

مگر پھر سارے وجود میں درد ہی درد کیوں پھیلتا جا رہا تھا۔

دل کیوں یوں کٹ رہا تھا۔

رگیں کیوں ٹوٹتی محسوس ہو رہی تھیں۔

روح کیوں جسم کا ساتھ چھوڑتی محسوس ہو رہی تھی۔

اس نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی تھی اپنی تمام تر حسیات مرکوز کرتے ہوئے عمر شاہ کی بات سننے کی سعی کی تھی لیکن ایک گہرے درد شدید کرب نے کچھ بھی سوچنے سمجھنے سے قاصر کر دیا تھا۔

اگلے ہی لمحے وہ مٹی کے بے جان تودے کی مانند زمیں پر ڈھیر ہو گئی۔

......☆☆☆......

ہوش وخرد سے رابطہ استوار ہوا تو سارہ شاہ کو پتا چلا تھا کہ شدید نروس بریک ڈاؤن سے انچاس گھنٹے بیہوش رہنے کے بعد وہ ہوش میں آئی تھی۔

"کاش! میں کبھی ہوش میں نہ آتی۔" یہ پہلا خیال تھا جو آنکھیں کھولتے ہی اس کے ذہن میں آیا تھا۔ مراد شاہ جو اس کے پاس ہی کرسی پر بیٹھے تھے اسے ہوش میں آتے دیکھ کر لپک کر اس کی طرف بڑھے اور بے حد ملائمت سے اس کا ہاتھ تھام کر کچھ کہنا چاہتے تھے لیکن اس نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے انہیں پیچھے ہٹ جانے کا اشارہ کیا تھا۔ وہ کتنی ہی دیر صم بکم سے اس کے پاس کھڑے رہے تھے اور پھر خاموشی سے باہر نکل گئے تھے۔ امریکا سے اس کے دونوں بڑے بھائی اور بھابیاں اپنے بچوں کے ساتھ پہلے ہی پاکستان آئے ہوئے تھے۔ بہروز بھی بہن کی بیماری کی اطلاع ملتے ہی فوراً آ پہنچا تھا۔ سب اس کے پاس آ رہے تھے۔ اسے پیار کر رہے تھے اس کے ہوش میں آنے پر خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔ مگر وہ تو جیسے حواس میں ہوتے ہوئے بھی کچھ محسوس نہیں کر رہی تھی۔ لیکن ایسا نہیں تھا...... اگر وہ کچھ محسوس نہ کر رہی ہوتی تو اس کی آنکھوں کے گوشوں سے وہ گرم گرم سیال مادہ نہ بہہ رہا ہوتا جس نے اس کا تکیہ گیلا کر دیا تھا۔

سب کے مل لینے کے بعد ایک بار پھر مراد شاہ اس کے قریب آئے تھے۔

"سارہ! بس ایک بار میری پوری بات سن لو پلیز۔ پھر تم جو کہو گی ہم وہی کریں گے۔ میں اور فضا......" وہ بے حد لجاجت بھرے لہجے میں کہتے کہتے یکدم خاموش ہو گئے تھے۔ اس کے مسلسل نفی میں ہلتے سر اور بند آنکھوں نے انہیں جملہ مکمل نہیں کرنے دیا تھا۔ اس کے چہرے پر اس قدر تکلیف کے آثار تھے کہ ان کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں بھینچ لیا ہو۔

وہ انہیں دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔

وہ ان سے بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔

ان کی وہاں موجودگی اس کے لیے اذیت کا باعث تھی اور اس کی یہ کیفیت اس کی صحت پر شاید منفی اثر [illegible] سوچ کے ساتھ ہی وہ چپ چاپ اٹھے اور [illegible] تھکے تھکے قدموں سے چلتے وہ کوریڈور [illegible] بہروز ہاشمی اور ککی کے پاس چلے آئے۔

"آپ لوگ تو ادھر ہی ہیں، میں سوچ رہا تھا کچھ دیر کے لیے گھر چلا جاؤں شاور وغیرہ لے کر چینج کر کے پھر آ جاؤں گا۔"

بہروز ہاشمی نے قدرے سنجیدگی کے ساتھ اثبات میں سر ہلا دیا۔ ککی نے سرد نگاہوں سے انہیں دیکھا تھا اور وہ اس سے نگاہ چراتے ہوئے مضمحل سے قدموں سے شیشے کا دروازہ کھول کر باہر نکل گئے۔

جس وقت وہ گھر پہنچے طبیعت پر بے حد پژمردگی طاری تھی۔ دل و دماغ جیسے کسی نادیدہ بوجھ کے نیچے دبے جا رہے تھے۔ سارہ ان سے لڑتی، جھگڑتی، ناراض ہوتی، ان پر غصہ نکالتی تو شاید وہ اتنا مضطرب نہ ہوتے مگر اس کی بیماری اور مسلسل خاموشی نے انہیں جس کیفیت کا شکار کیا تھا، وہ ان کے لیے بے حد تکلیف دہ تھی۔ فضا ان کی گاڑی کی آواز سنتے ہی تیزی سے باہر کی طرف بڑھی تھی مگر ان کے چہرے پر نگاہ پڑتے ہی اس کے قدم ایک دم سست پڑ گئے تھے۔

"کیا ہوا شاہ جی! کیا سارہ باجی ہوش میں آ گئیں؟"

اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے مراد شاہ نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی تھی۔

"...... آپ اس قدر پریشان کیوں ہیں؟" [illegible] پر نگاہ جمائے وہ فکر مندی سے پوچھ رہی تھی۔

"اس نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی [illegible] اس نے کسی سے بھی کوئی بات نہیں کی [illegible] اس نے دیکھا تک نہیں۔" گمبھیر [illegible] ہوئے وہ تھکے تھکے قدموں سے [illegible] بڑھے اور لاؤنج میں پڑے صوفے پر [illegible] گرا دیا۔

فضا چند لمحے خاموش کھڑی ان کو دیکھتی رہی تھی پھر چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی آگے بڑھی تھی اور ان کے [illegible] بیٹھتے ہوئے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔

"یہ سب کچھ میری وجہ سے ہوا ہے شاہ جی!" آہستگی سے کہتی وہ خود کو حقیقتاً مجرم محسوس کر رہی تھی۔ مراد شاہ ایک دم سیدھے ہوئے اور ایک نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی۔

"نہیں فضا! ایسا نہیں ہے اور ایک بات یاد رکھو کہ انسان کے ساتھ دنیا میں جو کچھ بھی ہوتا ہے اس میں اس کی اپنی ہی کوتاہیوں کا عمل دخل ہوتا ہے چلو چھوڑو ان باتوں کو تم یہ بتاؤ کہ تم نے کھانا کھا لیا؟" اس کے مرجھائے مرجھائے سے چہرے کو دیکھتے ہوئے انہیں جیسے یکدم خیال آیا۔

"نہیں۔" فضا نے آہستگی سے نفی میں سر ہلایا۔ "آپ فریش ہو جائیں پھر مل کر کھاتے ہیں۔"

وہ چند ثانیے اسے دیکھتے رہے تھے پھر اس کا گال تھپتھپاتے ہوئے [illegible] طرف بڑھ گئے۔ کھانا خاموشی سے [illegible] فضا اس ساری صورت حال میں خود کو قصور وار [illegible] رہی تھی جبکہ مراد شاہ کے لیے یہ [illegible] غیر متوقع تھا کہ وہ بری طرح الجھے ہوئے تھے۔ اپنی فطری نرم دلی کی وجہ سے وہ بے حد مضطرب تھے اور سمجھ نہیں پا رہے تھے کہ اب انہیں کیا کرنا چاہیے۔ ان کا خیال تھا کہ سارہ ان سے جھگڑے گی، لڑے جھگڑے گی انہیں برا بھلا کہے گی اور وہ کسی نہ کسی طرح اسے منا ہی لیں گے۔ لیکن یہ سب کچھ جو ہوا تھا ان کے سان و گمان میں بھی نہیں تھا۔ اپنے انہی خیالات کا اظہار انہوں نے فضا سے کیا تھا تو وہ ایک دم آبدیدہ ہو گئی تھی۔

"شاہ جی! سارہ باجی آپ سے بہت محبت کرتی ہیں۔ اپنی محبت میں کسی اور کی حصے داری وہ برداشت نہیں کر پائیں۔ آپ کیوں اپنی خوش گوار زندگی میری خاطر خراب کرتے ہیں؟ آپ بس کسی بھی طرح انہیں منا لیں، انہیں بتا دیں کہ میں آپ کی زندگی سے نکل جاؤں گی۔ میرا کیا ہے شاہ جی مجھے تو عادت ہے دل کو مارنے کی، اپنی خواہشات کو دل میں ہی دفن کرنے کی۔ میں نے سخت غلطی کی جو......" وہ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

مراد شاہ کچھ دیر ساکت آنکھوں سے اسے دیکھتے رہے تھے پھر آگے بڑھ کر اسے کندھوں سے تھام لیا۔

"تمہیں ہوگی عادت ہر طرح کے حالات میں رہنے کی اپنی خواہشات کو مارنے کی لیکن اب تمہیں یہ عادت بدلنی ہوگی [illegible] بار بار مجھے یہ باور کرانا ہوگا بار بار اس بات کا اظہار کرنا ہوگا کہ تم میرے بغیر نہیں رہ سکتیں۔ کہو نہیں رہ سکتیں تم میرے بغیر!"

اس کے کندھوں کو اپنی مضبوط گرفت میں لیے وہ چلانے کے سے انداز میں کہہ رہے تھے۔ فضا رونا دھونا بھول کر حیران و پریشان سی پوری آنکھیں کھولے انہیں دیکھنے لگی تب وہ جھکے اور اس کے کندھوں سے ہاتھ ہٹاتے ہوئے اس کے آنسو صاف کیے اور اک گہرا سانس لیتے ہوئے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

"دوبارہ کبھی جانے کی بات مت کرنا تم شاید میرے بغیر رہ لو مگر میں نہیں رہ سکتا اب یہ یاد رکھنا۔" ٹھہرے ٹھہرے گمبھیر لہجے میں کہتے ہوئے وہ فضا کو بے حد مضطرب نظر آئے تھے۔ فضا کے بس میں ہوتا تو وہ کسی بھی طرح سے ان کی ساری بے چینی، سارا اضطراب اپنے دل میں سمیٹ کر انہیں پہلے کی طرح خوش و خرم کر دیتی مگر وہ اس وقت خود کو بہت بے بس پا رہی تھی۔

......☆☆☆

"ڈاکٹر! اس کمرے میں میری بیگم تھیں؟"

وہ اسپتال آئے تو سارہ کے کمرے میں بیڈ پر دراز لڑکے اور اس کے سرہانے کھڑے ڈاکٹر کو چند لمحے حیرت سے دیکھتے رہے تھے پھر بمشکل حلق سے آواز نکالی تھی۔

"وہ تو شام کو ہی چلی گئی تھیں۔"

"جی......" وہ ششدر سے ڈاکٹر کا منہ دیکھ رہے تھے۔ ڈاکٹر جھک کر بچے کو چیک کرنے لگا تھا اور وہ مرے مرے قدموں سے کمرے سے نکل آئے تھے۔

"مراد بھائی سارہ انجکشنز کے زیر اثر سو رہی ہے ڈاکٹرز کا خیال ہے اسے صبح سے پہلے پریشان نہ کیا جائے۔ اس لیے آپ اب گھر پر ہی آرام کریں، صبح آ جائیے گا۔"

ککی نے انہیں فون پر کہا تھا۔

وہ شیشے کا دروازہ کھول کر کاریڈور سے نکلے تو ان کے اندر عجیب سی ٹوٹ پھوٹ ہو رہی تھی یقیناً ثمین نے یہ سب ان سے سارہ کی خواہش پر ہی کہا ہوگا۔ بالوں میں انگلیاں الجھاتے' خالی الذہنی کی سی کیفیت میں وہ اسپتال سے نکل آئے تھے۔ گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے وہ مسلسل غور کرتے رہے تھے کہ انہیں سارہ سے کیسے بات کرنی چاہیے کیا کہنا چاہیے جو اس کے غصے اور رنج کی شدت کو کچھ کم کر دے' وہ ٹھنڈے دل سے سارے معاملے پر غور کرنے کے لیے تیار ہو جائے' گو یہ سب انہیں بے حد مشکل بلکہ ناممکن نظر آ رہا تھا لیکن وہ پھر بھی خود کو امید اور حوصلہ دلائے "سارہ منزل" کی طرف رواں دواں تھے۔

گیٹ پر چوکیدار نہیں تھا۔ انہوں نے ایک دو بار ہارن دینے کے بعد گاڑی سے اتر کر بیل بجائی تھی۔ پھر گاڑی میں آ بیٹھے تھے۔ چند لمحوں کے بعد چوکیدار حیران حیران سا گیٹ کھول کر باہر نکلا تھا۔

"السلام علیکم صاحب جی!"

"وعلیکم السلام......؟" مراد شاہ نے الجھن بھری نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے جواب دیا تھا۔ بات تھی بھی حیرانی والی کہ گیٹ کھولنے کے بجائے وہ باہر آ کر سلام کر رہا تھا۔

"تو کیا اب اس گھر میں ان کا داخلہ بھی ممنوع ہو چکا تھا۔" انہوں نے بے یقینی سے سوچا تھا۔

"صاحب! گیٹ کھولوں جی اندر آئیں گے؟" انہیں مسلسل گیٹ کی جانب دیکھتے پا کر اس نے الجھے الجھے لہجے میں پوچھا تھا۔

"تو اور تمہارے سر میں جاؤں گا۔ فوراً گیٹ کھولو۔ بے وقوف آدمی! خبردار جو دوبارہ میرے آنے پر یوں کھڑے ہو کر سوال جواب کیے۔" شدید غصے اور رنج کے عالم میں وہ تقریباً دہاڑے تھے۔

"ایک منٹ صاحب میں ابھی چابی لاتا ہوں۔" وہ بے چارہ بوکھلائے ہوئے انداز میں کہتا بھاگتا ہوا اندر گیا۔

"چابی!" زیر لب کہتے ہوئے مراد شاہ نے گیٹ کی جانب دیکھا تھا۔ موٹا سا تالا ان کا منہ چڑا رہا تھا۔ وہ خالی خالی نگاہوں سے اس موٹے سے سیاہ تالے پر نگاہیں جمائے عجیب بے بسی کی کیفیت میں تھے۔

ثمین کا میکہ تو امریکا میں ہی تھا اور بڑی دونوں بھابیوں کے میکے سارہ کو عام دنوں میں جانا پسند نہیں تھا کجا کہ بیماری کی حالت میں' یقیناً وہ لوگ کسی ہوٹل میں گئے تھے۔ مگر وہ اب انہیں کیسے تلاش کرتے۔ شام کو کلی کے فون اور پھر شام کو ہی اسپتال سے چلے جانے کا مطلب بخوبی ان کی سمجھ میں آ رہا تھا۔ سارہ نہ ان سے بات کرنا چاہتی تھی اور نہ ملنا چاہتی تھی۔ اور جب تک وہ نہ چاہتی اس کے بھائیوں اور بھابیوں میں سے کوئی ان کی مدد نہیں کر سکتا تھا۔ انہوں نے ایک موہوم سی امید کے سہارے بہروز ہاشمی کا نمبر ملایا تھا۔ بیل گئی تھی اور پھر فوراً ہی فون بند کر دیا گیا تھا۔ ایک گہری ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے انہوں نے گاڑی ریورس کی تھی اور تبھی چوکیدار اندر سے نکل آیا تھا۔ انہیں گاڑی ریورس کرتے دیکھ کر وہ بھاگتے ہوئے ان کی جانب بڑھا تھا۔

"صاحب جی! آپ واپس جا رہے ہیں؟"

"ہاں ایک ضروری کام یاد آ گیا ہے۔" آہستگی سے کہتے ہوئے انہوں نے گاڑی ایک جھٹکے سے آگے بڑھا دی تھی۔

پھر اگلے کئی دن وہ روز "سارہ منزل" کا چکر لگاتے رہے تھے دن میں کئی کئی بار بہروز ہاشمی اور سارہ کے فون پر رابطہ کرتے رہے مگر سوائے ناکامی اور مایوسی کے کچھ ہاتھ نہیں آیا تھا۔ سارہ کے سیل فون پر بار بار ایس ایم ایس بھیجے مگر ادھر ہنوز ایک ہی جواب تھا' گہری خاموشی۔ آخر تنگ آ کر انہوں نے بھی چپ سادھ لی۔ کسی کسی وقت تو انہیں خود پر ہی غصہ آتا تھا کہ آخر وہ کیوں اتنے حساس تھے۔ کیوں انہیں ہر دم دوسروں کی رنجیدگی کا ان کی خوشی کا خیال رہتا تھا۔ وہ کیوں عام لوگوں کی طرح صرف اپنی خوشی کو پیش نظر رکھ کر باقی ہر طرف سے آنکھیں نہیں پھیر پاتے تھے۔ سارہ کو خوش رکھنے

کے لیے انہوں نے کیا نہیں کیا تھا۔ اپنی ہر خواہش ہر آرزو کو دل میں ہی مار دیا تھا۔ اس نے تو شاید کبھی لمحہ بھر کے لیے بھی ان کے بارے میں ایسے نہ سوچا ہو جیسے وہ سوچتے تھے۔ انہوں نے فیصلہ کیا تھا کہ آئندہ وہ اسے یوں سر پر سوار نہیں کریں گے۔ فضا کے ساتھ خوش رہنے اور اسے خوش رکھنے کی کوشش کریں گے۔ فضا کے خیال کے ساتھ ہی ایک نرم سی مسکراہٹ ان کے لبوں پر در آئی تھی۔ وہ کتنی فکر مند تھی سارہ کے لیے ان کے لیے' وہ ان کی خوشیوں کی خاطر خود کو ان کی راہ سے ہٹا لینا چاہتی تھی۔ ان کی ساری تسلیوں اور یقین دہانیوں کے باوجود وہ یوں ان کی زندگی میں آ کر پریشانیوں کا سبب بن جانے پر نادم ہوتی تھی۔

"کاش سارہ میں بھی دوسروں کا ذرا سا بھی احساس نام کی کوئی چیز ہوتی تو حالات اس قدر کبھی نہ بگڑتے۔" انہوں نے تاسف سے سوچا تھا۔

انہیں سرشام گھر میں داخل ہوتے دیکھ کر فضا کی آنکھوں میں لمحہ بھر کو حیرانی جھلملائی تھی پھر فوراً ہی نرم سی مسکراہٹ لبوں پر لیے وہ آگے بڑھی اور بریف کیس ان کے ہاتھوں سے لے لیا۔

"مائی ڈیئر وائف جلدی سے تیار ہو جاؤ بہت دنوں کے بعد آج اس قدر خوشگوار موسم سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ شاپنگ کریں گے' ڈنر بھی باہر ہی ہوگا اور پھر لانگ ڈرائیو۔" اسے بازو کے حصار میں لیتے ہوئے انہوں نے جھک کر اس کا چہرہ دیکھا تھا۔ وہ مسکرانے کی' خوش نظر آنے کی کوشش کر رہی تھی مگر آنکھوں کی وہ چمک مفقود تھی جو پہلے دو دن ہر وقت نظر آتی رہی تھی۔

مراد شاہ نے ایک دم دل پر اک بھاری بوجھ گرتا محسوس کیا تھا۔ انہیں یوں محسوس ہوا تھا کہ حقیقی مسرت اور خوشی کے جیسے بس وہی دو دن تھے جو بیت گئے تھے۔ وہ آہستگی سے اس کے رخسار کو تھپتھپاتے بوجھل قدموں سے بیڈ روم کی طرف بڑھ گئے تھے۔

......☆☆☆☆......

بہت سے بے رنگ دنوں کے بعد جب وہ لوگ ایک اچھی شام گزارنے کے خیال سے باہر نکل رہے تھے تو مراد شاہ کا فون بج اٹھا تھا۔ ثمین کا نمبر دیکھ کر وہ چونکتے ہوئے فوراً کال ریسیو کی تھی۔

ان کی بے شمار کالز کے جواب میں مکمل خاموشی کے بعد سارہ کی طرف سے کسی فرد کی یہ پہلی کال تھی۔ سارہ کے سب گھر والوں میں سے ثمین کو اس سارے معاملے میں ان سے ہمدردی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے سارہ کے بعد سب سے زیادہ کوشش بھی ثمین سے رابطے کے لیے کی تھی مگر اس کی سرد مہری نے انہیں بری طرح مایوس کیا تھا۔

"مراد بھائی! سوری لیکن میں آپ کی کال ریسیو نہیں کر سکتی تھی' سارہ نے مجھ سے وعدہ لیا تھا اور آپ تو اسے جانتے ہی ہیں۔" ان کے ہیلو کے جواب میں اس کی مدھم سی آواز آئی تھی۔ اور ان سے زیادہ بھلا سارہ شاہ کو کون جانتا تھا' ایک تلخ سی مسکراہٹ نے ان کے لبوں کو چھوا تھا۔

"صبح سے میں سوچ رہی تھی کہ کیا کروں...... آپ کو فون کروں یا نہ کروں لیکن اب رہا نہیں گیا......" وہ ایک دم چپ ہو گئی تھی۔

"خیریت تو ہے نا ثمین بھابی!" وہ ایک دم پریشان ہوئے۔

"وہ کل امان کو پاکستان بھجوا رہی ہے۔"

"اوہ! تو آپ لوگ واپس چلے گئے تھے اسی دن؟" چند لمحوں کے توقف کے بعد انہوں نے پوچھا۔

"ہاں' سارہ کی ضد تھی۔" ثمین نے کہا اور مراد شاہ سے کتنی دیر کچھ بولا ہی نہیں گیا تھا۔

"مراد بھائی! بچے بہت حساس ہوتے ہیں...... امان کے لیے سارہ کے بغیر پاکستان آنا اور فضا کو ماں کے روپ میں قبول کرنا آسان نہیں ہوگا۔ یہ صورت حال اس کو ذہنی طور پر پریشان کر سکتی ہے لیکن سارہ ہے کہ کچھ بھی سننے کو تیار ہی نہیں' بس ایک ہی رٹ ہے کہ امان کو پاکستان بھجوا دیں' جب اس کے باپ سے میرا کوئی تعلق نہیں تو اس سے بھی نہیں' بہت سمجھایا ہے میں نے اور بہروز نے لیکن وہ نہیں مانی' مجبوراً ہم لوگ ایک دو دن میں امان کو بھیج

رہے ہیں آپ کچھ کر سکتے ہیں تو کوشش کر دیکھیں کہ وہ امان کو فی الحال نہیں رہنے دے۔"

"میں کیا کروں بھائی! اس دن سے اسے اور آپ کی پوری فیملی کو فون کر کر کے تھک چکا ہوں۔ بے شمار میسجز کیے ہیں سارہ کے موبائل پر مگر کوئی جواب نہیں دیا اس نے کیا کروں آخر میں؟" انہوں نے بے بسی و ناراضی سے کہا۔

ثمین بھلا کیا کہتی ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گئی تھی۔

"ٹھیک ہے مراد بھائی' یونہی خیال آیا تھا کہ آپ کو پہلے سے بتا دوں تاکہ آپ اس معاملے کو بہتر طور سے ہینڈل کر سکیں۔ امان کے بارے میں کتنی حساس تھی وہ مگر اب تو یوں لگتا ہے کہ اس واقعہ نے جیسے اسے ہر احساس سے عاری کر دیا ہے لیکن آپ تو سمجھ سکتے ہیں نا مراد بھائی کہ امان کے لیے یہ قطعاً بہتر نہیں ہوگا۔ ایک دن تو وہ سارہ کے بغیر رہتا نہیں ہے۔ او کے مراد بھائی! لگتا ہے سارہ اٹھ گئی ہے اللہ حافظ۔"

فون بند ہو گیا تھا اور وہ گم صم سے کھڑے تھے۔

"کیا بات ہے شاہ جی......! آپ پریشان نظر آ رہے ہیں۔ سب خیریت تو ہے نا! کس کا فون تھا؟" فضا جو انہیں موبائل فون پر بات کرتے دیکھ کر لان میں چلی آئی تھی' انہیں یوں گہری سوچ میں ڈوبے پریشان دیکھ کر چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ان کے قریب آ گئی۔

وہ چند لمحے الجھی الجھی نگاہوں سے اسے دیکھتے رہے تھے پھر اسے لیے لان کی کرسیوں پر آ بیٹھے تھے اور ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں سارا مسئلہ اسے بتا دیا تھا۔

وہ سنجیدگی سے انہیں دیکھتی ساری بات سنتی رہی تھی پھر آہستگی سے ان کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا۔

"میرا خیال ہے شاہ جی کہ آپ کو فوراً امریکا جانا چاہیے اور سارہ باجی سے مل کر انہیں منانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اب کچھ دن گزر گئے ہیں آپ [illegible] پیار محبت سے سمجھانے کی کوشش کریں [illegible] وہ آپ کی بات سمجھ جائیں گی۔ دیکھیں [illegible] کا رویہ کچھ ایسا غلط بھی نہیں۔ دیکھیے نا! غصے اور [illegible] انسان کا یہی ردعمل ہوتا ہے۔" اپنے دھیمے اور شیریں لہجے میں وہ انہیں اس عورت کے بارے میں دلائل دے رہی تھی جو اسے اپنے اجڑنے کا واحد سبب گردانتے ہوئے گالیوں اور گھونسوں کے ساتھ اس پر پل پڑی تھی۔ کیسی انہونی بات تھی نا!

انہوں نے بغور اسے دیکھا تھا۔ وہ انہیں کسی اور ہی دنیا کی باسی دکھائی دے رہی تھی۔ کسی قسم کی ناگواری' جلن' حسد کا نام و نشان نہیں تھا۔

"دراصل وہ آپ سے بے حد محبت کرتی ہیں' اس لیے یہ سب برداشت نہیں کر پا رہیں۔" انہیں خاموش دیکھ کر اس نے مزید کہا تھا۔

"ہونہہ! بے حد محبت' کاش وہ تھوڑی سی ہی محبت کرتی۔" انہوں نے تلخی سے سوچا تھا۔ اس کے نروس بریک ڈاؤن اور پھر ہوش میں آنے پر اس کی بہتی آنکھوں کو دیکھ کر انہوں نے بھی سوچا تھا کہ شاید وہ واقعی ان سے اتنی محبت کرتی تھی کہ ایک دوسری عورت کو ان کی زندگی میں برداشت نہیں کر پائی تھی لیکن پھر وہ اپنے اس خیال کو بدلنے پر مجبور ہو گئے تھے اور اب تو انہیں اپنی اس خوش فہمی پر ہنسی آتی تھی اور اپنی بے وقوفی پر غصہ آتا تھا کہ [illegible] سارہ شاہ کے ساتھ گزارنے کے باوجود بھی وہ اس کے بارے میں اس قدر خوش گمان ہو گئے تھے حالانکہ اب تو انہیں جان لینا چاہیے تھا کہ سارہ شاہ جیسی عورتیں صرف اپنے آپ سے محبت کرتی ہیں' اپنے دلکش سراپا سے' اپنے حسین چہرے سے [illegible] ان کی انا مجروح ہو' انہیں نظر انداز کیا جائے یا ان پر کسی اور کو فوقیت دی جائے تو ان کی برداشت سارہ شاہ ہی کی طرح جواب دے جاتی [illegible] پہلی بار تھا کہ وہ سارہ کے بارے میں شدید ناگواری اور تلخی سے سوچ رہے تھے اور جوں جوں سوچ رہے تھے ان کا غصہ بڑھتا جا رہا تھا۔ یہ لڑکی جو ان کے سامنے بیٹھی تھی نہ تو سارہ شاہ کی طرح حسن و جمال میں بے مثال تھی' نہ پہننے اوڑھنے میں باکمال تھی' جس کی علمی استعداد اور خاندانی پس منظر کچھ بھی نہیں تھا لیکن اس کا ظرف بلاشبہ حیران کر دینے والا تھا' وہ دل میں اترنے

ہنر جانتی تھی' غم گساری کا' دلداری کا فن جانتی تھی۔ انہوں نے بے حد محبت اور عقیدت سے اسے دیکھا تھا۔ وہ اپنی نرم اور دھیمی آواز میں انہیں عورت کے احساسات اس کے جذبات کے بارے میں بتاتے ہوئے بڑی عمدگی کے ساتھ سارہ شاہ کی وکالت کر رہی تھی۔ اس عورت کی وکالت جو اس کا نام تک سننے کی روادار نہیں تھی۔ جو اس کے وجود کو کسی صورت برداشت کرنے کو تیار نہیں تھی۔ جو اسے نہایت حقارت سے بھکارن کہتے ہوئے [illegible] تھی۔ مراد شاہ کے دل میں فضا کی محبت [illegible] گئی تھی۔

☆☆☆

سارہ شاہ نے اپنی دکھتی آنکھیں [illegible] ہوئے سونے کی کوشش کی تھی [illegible] تکیے میں منہ دے لیا تھا۔ کروٹیں [illegible] اس کا جسم دکھنے لگا تھا مگر نیند آنکھوں [illegible] دور تھی۔ اسے لگتا تھا جیسے وہ صدیوں اور قرنوں سے سوئی نہیں تھی۔ آنکھیں جو [illegible] عادی نہیں تھیں' چند دنوں میں ہی ویران [illegible] مانند نظر آنے لگی تھیں۔ ایک گہری اور پرسکون نیند کے لیے وہ ترس کر رہ گئی تھی۔ نیند کی گولیوں سے نیند آتی بھی تو جیسے لاکھ منت سماجت کے بعد اور بیدار ہونے کے بعد دل و ذہن اور جسم ویسے ہی تھکن سے نڈھال ہوتے۔ ایک عجیب سی توڑ پھوڑ ہر وقت اس کے وجود کو بے کل کیے رکھتی تھی۔

ثمین سائے کی طرح اس کے ساتھ لگی رہتی اس کو سمجھانے کی' بہلانے کی سعی کرتی رہتی' بہروز بھی شام کو خاص طور پر اس کے لیے وقت نکالتا۔ بڑے دونوں بھائی' بھابیاں اور بھتیجے بھتیجیاں بھی آتے جاتے رہتے' گھر میں ہر وقت چہل پہل رہتی مگر اس کے اندر گہرا سناٹا بھائیں بھائیں کرتا' اسے ڈراتا' خوفزدہ کرتا۔ ذرا سی اکیلی ہوتی' آنکھیں موندتی تو مراد شاہ کی نفرت میں ڈوبی نگاہیں اس کی سانسیں بند کرنے لگتیں' پسینہ پسینہ کر دیتیں' سر درد سے پھٹنے لگتا' دل کو جیسے کوئی آکٹوپس جکڑنے لگتا' وہ نگاہیں جب محبت کی مدھ برسایا کرتی تھیں تو اسے ان میں کوئی انوکھا پن' کوئی نیا پن محسوس نہیں ہوتا تھا' شاید اس لیے کہ محبت کی اس کی زندگی میں اس قدر فراوانی رہی تھی کہ تعریف اور ستائش کی طرح محبت بھی اسے اپنا حق لگنے لگی تھی۔ یہ خیال [illegible] آیا ہی نہیں کہ جو لوگ ہم سے محبت کرتے ہیں [illegible] میں محبت پانے کے وہ بھی اتنے ہی حقدار ہوتے ہیں جتنا کہ وہ خود کو سمجھتی تھی اور یہ خیال اسے اب آیا تھا جب نہ کوئی فرض رہا تھا اور نہ کوئی حق۔

دکھتی آنکھوں کو انگلیوں سے دباتے ہوئے سارہ شاہ نے آنسوؤں کا اک گولا حلق میں پھنستا محسوس کیا تھا۔

"یقیناً وہ محبت کی حقدار نہیں تھی۔" کھلے دل سے اس نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور اذیت کا اک گہرا احساس اس کے رگ و پے میں سما گیا۔ محبت کو اس نے ہمیشہ انمول خزانہ نہیں بلکہ نذرانہ سمجھ کر وصول کیا تھا۔ اس لیے یقیناً وہ محبت کی حقدار نہیں تھی...... مگر نفرت...... اس کا دل چاہا تھا وہ دھاڑیں مار مار کر روئے' اتنا کہ دل کی بنجر زمین سیراب ہو جائے۔ آنکھوں میں مسلسل چبھتی ریت ان آنسوؤں میں بہہ جائے' مگر سونے کی طرح رونا بھی شاید سارہ شاہ کے اختیار میں نہیں رہا تھا۔

سارہ شاہ اور اس قدر بے اختیار...... کس قدر حیران کن بات تھی یہ اور حیران کن تو اور بھی بہت کچھ تھا جس کے بارے میں اس نے کبھی لمحہ بھر کے لیے بھی نہیں سوچا تھا۔ سوچنا تو دور کی بات تھی' ان کی تو اس سے آشنائی تک نہ تھی۔ وہ کیفیات کیسے اس کی زندگی کا حصہ بن گئی تھیں۔ اداسی' پژمردگی' رنج' دکھ' تنہائی' اتنے سارے رشتوں اور محبتوں کی موجودگی میں بھی تنہائی...... یہ سب کیا تھا......؟

وہ حیران ہو ہو کر سوچتی لیکن کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا۔

اور بھی جو بات دنوں' ہفتوں اور مہینوں سمجھ میں نہیں آتی وہ صرف ایک لمحہ' صرف ایک پل پوری جزئیات کے ساتھ سمجھا دیتا ہے اس وقت انسان کے سامنے جیسے کوئی فلم سی چلنے لگتی ہے جس میں اس کے دل کش خدوخال کے ساتھ ساتھ اس کے اعمال بھی نظر آ رہے ہوتے ہیں۔ خود کو یوں' اپنے "روبرو" دیکھ کر وہ حیران رہ جاتا ہے پھر

کبھی تو وہ فوراً ہی آنکھیں بند کر لیتا ہے اور ہر منظر نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا ہے، کبھی خدوخال پر ہی یوں نگاہیں مرکوز رہ جاتی ہیں کہ اعمال نظر ہی نہیں آتے اور کبھی وہ مان لیتا ہے کہ ہاں یہ وہ ہی ہے۔ وقتی طور پر یہ مشکل ہوتا ہے، ندامت بھی ہوتی ہے، شرمساری بھی لیکن اس کے بعد یہ مان لینا بڑے دوررس نتائج لاتا ہے۔

اس وقت سارہ شاہ کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا تھا۔

جب سونے کی ہر کوشش ناکام ہوگئی تو وہ کسلمندی سے اٹھی اور واش روم کا رخ کیا، کافی دیر شاور لینے کے بعد طبیعت پر چھائی سردنی اور پژمردگی کچھ کم ہوئی تھی، لان کا سوٹ جس پر اس نے بڑے شوق سے ڈیزائننگ کی تھی، بے دلی سے پہنتی بالوں میں بے پروائی سے برش کرتی وہ بیڈروم سے نکل آئی تھی۔

"امان......" لاؤنج میں صوفے پر گھٹنوں میں سر دیے امان کو دیکھ کر وہ تیر کی طرح آگے بڑھی تھی۔

"امان! تم ٹھیک تو ہو میرے بچے!" بے چینی سے اس کا چہرہ اوپر کرتے ہوئے اس نے پوچھا۔

"یس مما!"

"تو ایسے کیوں بیٹھے ہو بیٹا! آپ تو امروز کے ساتھ گیم کھیل رہے تھے ناں اور آپ کہہ رہے تھے آج آپ اسی کے ساتھ سوئیں گے بھی۔" پریشانی سے وہ ایک ہی سانس میں پوچھے گئی۔

"نیند نہیں آ رہی تھی مما!"

"تو آپ میرے پاس کیوں نہیں آئے؟"

"آیا تھا ناں مما! آپ سو رہی تھیں۔ مما آپ کو پتا ہے انکل کی طبیعت بہت خراب ہے۔" ایک دم وہ فکرمند لہجے میں بولا تھا۔

"بہروز بھائی کی......؟ آپ کو کس نے بتایا؟"

"آنٹی کہہ رہی تھیں آپ کے انکل کی طبیعت خراب ہے آپ کچھ دیر بیٹھو ابھی بینا آتی ہے تو آپ کو کھانا دیتی ہے۔ مما انکل کے بہت زیادہ درد ہے کیا؟"

"اوہ" پریشانی سے اس کے منہ سے نکلا اور وہ تیزی سے بہروز بھائی کے کمرے کی طرف بڑھی۔

"آ جاؤ سارہ۔" سارہ کی آواز پر ثمین نے دروازہ کھولا۔ پھر بہروز کی پائنتی کے پاس بیٹھ کر ان کے پاؤں دبانے لگی۔

"کیا ہوا بھائی...... امان بتا رہا ہے کہ آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے؟" اس نے فکرمندی سے بھائی کو دیکھا۔

"تین چار دن سے اس قدر بخار ہے، کہہ کہہ کر تھک گئی ہوں آرام کرلیں مگر سنتے ہی نہیں۔" ثمین نے بھرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"کیوں بھائی! کیوں کررہے ہیں آپ ایسا؟" اس نے قریب آ کر بھائی کی پیشانی کو چھوا۔

"سارہ! کچھ بھی نہیں ہوا ہے مجھے، ذرا سا ٹمپریچر ہے۔ مگر یہ جو تمہاری بھابی اور دوست ہے نا! ایک دم پاگل ہے۔ یوں میرا خیال رکھ رہی ہے جیسے خدانخواستہ جانے کیا ہوگیا ہے مجھے۔ میں سو رہا ہوتا ہوں یہ مجھے دبا رہی ہوتی ہے۔ ہے نا پاگل۔" وہ بے حد پیار بھری نظروں سے ثمین کو دیکھتے کہہ رہے تھے۔ اور سارہ شاہ ایک ٹک بہروز کی پنڈلیاں دباتی ثمین کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ایک مانوس سی اور گمبھیر آواز کی گونج اسے بہت پیچھے کسی گہرے پاتال میں لیے جا رہی تھی۔

☆☆☆

"اف!" مراد شاہ اضطراری حالت میں سر کو تکیے پر ادھر سے ادھر پٹختے ہوئے کراہ رہے تھے۔ سارہ نے ان کی کراہ پر ایک نظر ڈال کر انہیں دیکھا تھا۔ باہر نکل کر خانساماں کو چائے اور سردرد کی ٹیبلٹ لانے کے لیے کہا اور خود واپس آ کر ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی ہوگئی۔ آج لکی کی منگنی تھی۔ عزیز واقارب کے علاوہ شوبز کے بہت سے لوگ آ رہے تھے۔ کئی ماڈلز اور فلم اسٹارز بھی تھیں۔ لکی نے خاص طور پر اس سے فرمائش کی تھی کہ آج اسے خوب اچھی طرح تیار ہو کر آنا ہے۔

"بس ہر طرف لکی کی بیسٹ فرینڈ ہی کا تذکرہ ہونا چاہیے۔"

"اور لکی خود......" سارہ ہنسی تھی۔

"لکی کے علاوہ......" اس نے کھلکھلاتی ہنسی کے دوران کہا تھا۔ آج کل وہ بے حد خوش تھی اور یہ خوشی اس کی ہر ادا سے ظاہر تھی۔

"سارہ! یار، بہت درد ہے ذرا سر دبا دو پلیز۔" مراد شاہ اس کی تمام تیاریوں سے بے خبر نیم غنودگی میں کہہ رہے تھے۔ وہ پہلے ہی ثمین کے کراچی چلے جانے پر سخت جھنجھلائی ہوئی تھی۔ عادت بھی تو ایسی ہوگئی تھی اس سے میک اپ کروانے کی کہ کسی اور بیوٹیشن کے بارے میں سوچنے کو بھی دل نہیں چاہتا تھا۔

"سارہ......" مراد شاہ نے اپنی بند آنکھیں بمشکل کھولتے ہوئے بے چینی سے پکارا تھا۔ اس نے پلٹ کر ان کی جانب دیکھا اور ان کے سرخ چہرے اور مندی مندی آنکھوں کو دیکھتے ہوئے فکرمندی ہو کر ان کی جانب بڑھی تھی۔ تبھی اس کے فون کی گھنٹی بجی تو موبائل فون اٹھاتے ہوئے اس نے نمبر دیکھا تھا۔ لکی کا فون تھا وہ بری طرح جھنجھلائی تھی۔ "اب کیا کروں......"

ایک نظر مراد شاہ کی طرف اور دوسری وال کلاک پر ڈالتے ہوئے وہ الجھی ہوئی تھی۔ فنکشن چھوڑنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا لیکن مراد شاہ کا بخار بھی مسلسل بڑھتا جا رہا تھا۔ انہیں اس حالت میں چھوڑ کر جانے کو بھی دل نہیں مان رہا تھا۔ چند لمحے سوچنے کے بعد اس نے جلدی سے فیملی ڈاکٹر کو فون کیا تھا اور خود اپنی تیاری کو فائنل ٹچ دینے لگی تھی۔ کچھ ہی دیر میں ڈاکٹر راحیل آ پہنچے تھے۔

تب تو اس نے غور ہی نہیں کیا تھا مگر اب سارہ شاہ کو یاد آ رہا تھا کہ مراد شاہ کو چیک کرنے کے بعد اسے دیکھتے ہوئے وہ کس قدر حیران اور متاسف تھے۔ ان کی جگہ کوئی اور بھی ہوتا تو یقیناً یونہی حیران و متاسف ہوتا۔ شوہر یوں بے سدھ پڑا ہو اور بیوی سج سنور کر فنکشن میں شمولیت کے لیے بیتاب ہو تو اس پر سوائے افسوس کے اور کیا بھی کیا جاسکتا ہے۔ اور صرف ایک یہی نہیں ایسے اور بھی بہت سے لمحے تھے جو اسے ایک ایک کرکے یاد آنے لگے تھے اور ندامت سے اس کے سر کو جھکانے لگے تھے۔

شاید ندامت نہیں یہ بہت چھوٹے لفظ تھے اس وقت سارہ شاہ کی جو کیفیت تھی اس کی عکاسی شاید ان الفاظ سے نہیں ہوسکتی تھی۔ گزرے ماہ وسال میں اس نے جب بھی اپنے خوب صورت ترین چہرے اور سراپا کو دیکھا تھا تو ہمیشہ اپنے اس بے تحاشا حسن کو سراہا تھا اسے امر کرنا چاہا تھا مگر اب پہلی بار اپنے بدصورت ترین رویوں کو دیکھ رہی تھی تو مر جانا چاہتی تھی اور مر تو شاید وہ چکی ہی تھی۔ کسی بہت اپنے چاہنے والے شخص کے دل سے اتر جانا مر جانے کے مترادف ہی تو ہے۔

"کیا ہوا سارہ...... تم ٹھیک ہو؟" ثمین نے فکرمندی سے اسے دیکھا مگر وہ جیسے اپنے آپ میں نہیں تھی تیزی سے پلٹی اور کمرے سے نکلتی چلی گئی۔

"اسے کیا ہوا؟" بہروز ہاشمی نے پریشانی سے اٹھنا چاہا تھا مگر ثمین نے دھیرے سے شوہر کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اسے اٹھنے سے روک دیا۔

"شاید کسی یاد نے دل میں ہلچل مچائی ہوگی اسے کچھ دیر تنہا رہنے دیں سوچنے دیں رونا چاہے تو کھل کر رونے دیں اسے فیصلہ کرنے دیں کہ اسے آئندہ کیا کرنا ہے۔ ہر وقت اس کے ساتھ لگے رہنا خود اس کے لیے سودمند نہیں ہے۔" بیوی کی اس بات سے متفق ہوتے ہوئے بہروز نے ایک گہری سانس لی اور سر واپس تکیے پر رکھ دیا۔

بے شمار دنوں کے بعد اس دن سارہ شاہ کھل کر روئی تھی۔ اس قدر ٹوٹ کر جیسے آج کے بعد دوبارہ کبھی نہیں روئے گی۔ روتے روتے اس کی آواز بیٹھ گئی اور آنکھیں سوج گئی تھیں۔ آخر کار وہ بے دم ہو کر آڑھی ترچھی بستر پر گر گئی تھی۔ اور عین اسی وقت مراد شاہ نے بہروز ہاشمی کے گھر میں قدم رکھا تھا۔

امان مراد شاہ کی آواز سن کر بھاگ کر آیا تھا اور ان کے ساتھ لپٹ گیا۔

"شکریہ پاپا! آپ آ گئے۔ میں آپ کو بہت یاد کر رہا تھا۔"

"کمال ہے یار! آپ اپنی مما کے ساتھ ہوتے ہوئے بھی مجھے یاد کررہے تھے؟ پہلے تو کبھی ایسا نہیں ہوا۔ یقیناً کوئی فرمائش پوری کروانے کے لیے پپا سے سفارش کروانی ہے۔" وہ اسے اٹھائے ہوئے خوشدلی سے مسکرائے۔

"آپ کو پتا ہے مما ٹھیک نہیں ہیں۔ وہ زیادہ تر کمرے میں ہی رہتی ہیں اور آج تو میں بہت دیر تک دروازہ بجاتا رہا...... اتنی آوازیں بھی دیں...... وہ بولی تک نہیں آپ کو پتا نہیں پپا مجھے کتنا رونا آیا؟ بہت زیادہ...... جب آنٹی نے مجھے کہا کہ اچھے بچے روتے نہیں ہیں میں اچھا بچہ ہوں نا پپا! میں رو تو نہیں رہا۔ مگر پپا مما کو دروازہ تو کھولنا چاہیے تھا نا!" قدرے ناراض اور فکرمندی سے کہتا وہ انہیں اپنی عمر سے بہت بڑا لگا۔ انہوں نے اس کے پھولے پھولے رخساروں پر پیار کیا اور اسے اٹھائے اٹھائے اندر کی جانب بڑھے اور تبھی انہیں محسوس ہوا تھا کہ وہ خاصا کمزور ہوچکا تھا۔

"کتنی عجیب عورت ہو تم سارہ شاہ! کس قدر عجیب سوائے اپنے آپ کے تمہیں کچھ نظر ہی نہیں آتا۔ ساری زندگی تمہاری بے حسی اور خود پرستی نے مجھے اذیت دی اور اب بھی اذیت تم میرے بیٹے کو دینا چاہتی ہو مگر اب میں خاموش نہیں رہوں گا۔ بہت فائدہ اٹھالیا تم نے میری خاموشی کا مگر اب اور نہیں۔" امان کے چہرے پر نگاہ جمائے انہوں نے انتہائی تلخی سے سوچا تھا۔ ثمین نے ان کے چہرے کے بدلتے رنگوں کو دیکھتے ہوئے کچھ کہنا چاہا تھا لیکن پھر آرام سے بات کرنے کا سوچ کر مراد شاہ کو بیٹھنے کا کہتی کچن کی طرف بڑھ گئی۔ مراد شاہ نے چند لمحے امان کی طرف دیکھتے ہوئے جیسے کچھ سوچا پھر اسے امروز کے ساتھ کھیلنے کا کہہ کر سارہ شاہ کے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔ وہ اس وقت شدید بدگمانی کا شکار تھے اور بدگمان انسان جو کچھ سوچ رہا ہوتا ہے وہی اسے ٹھیک نظر آتا ہے جو کچھ کررہا ہوتا ہے وہ اس کے لیے خود کو سوفیصد درست سمجھتا ہے۔ مراد شاہ بھی ایسا ہی سمجھ رہے تھے اس وقت

انہیں یہ خیال بھی نہیں آیا تھا کہ ہوسکتا ہے واقعی وہ طبیعت کی خرابی کی وجہ سے امان کو توجہ نہ دے پارہی ہو یا اس کی خرابی صحت کی وجہ سے امان بھی پریشان ہو اور کمزور ہورہا ہو۔ تیزی سے دروازہ بجاتے ہوئے انہوں نے خاصی بلند آواز میں اسے پکارا تھا لیکن اگلے ہی لمحے انہیں احساس ہوا تھا کہ اس وقت وہ اپنے گھر میں نہیں تھے۔ ان کی آواز خود بخود ہی دھیمی ہوگئی تھی۔

ان کی پکار جیسے خواب کے عالم میں سارہ شاہ کے سوتے جاگتے ذہن سے ٹکرائی تھی اور اس نے پٹ سے آنکھیں کھول دی تھیں۔ وہ انتہائی بیتابی سے اٹھ کر دروازے کی جانب بڑھی تھی اور پھر جیسے زمین نے اس کے قدم جکڑ لیے تھے۔ بکھرے ہوئے بال...... سرخ بے حد متورم آنکھیں...... کچھ دیر وہ گومگوں کی کیفیت میں کھڑی رہی تھی مراد شاہ مسلسل دروازہ بجاتے ہوئے پکارے جارہے تھے۔ وہ منہ پر چھینٹے مارنے کے خیال سے واش روم کی طرف بڑھنے کو تھی جب مراد شاہ کی چیختی چنگھاڑتی آواز اور زہر میں ڈوبے الفاظ اس کی سماعت سے ٹکرائے تھے اور اس کے اٹھتے قدم زمین نے جکڑ لیے تھے۔

وہ اپنی ساری غلطیاں مان چکی تھی۔ ساری خطائیں تسلیم کرچکی تھی۔ اس نے آج تک مراد شاہ کے ساتھ جو سلوک کیا تھا۔ جیسے جیسے ان کی محبتوں کو ان کے جذبوں کو نظر انداز کیا تھا اس کے لیے وہ خود کو معاف کبھی بھی نہیں سمجھتی تھی۔ مگر یہ تو وہ ایسی فرد جرم عائد کررہے تھے اس پر......؟ سامنے ساکن کھڑی...... کے ساتھ بے یقینی سے دروازے کو گھورتی ہوئی...... کرنے کے سے انداز میں بیڈ پر بیٹھ گئی تھی۔

وہ چیخ چیخ کر ان الزامات کی نفی کرنا چاہتی تھی مگر زبان گنگ ہوگئی تھی۔ ذہن میں جھکڑ سے چل رہے تھے اور دل جیسے پھٹنے کو تھا۔

"کیا امان سے اس کی محبت پر بھی شک کیا جاسکتا تھا؟" اس نے اپنے گھومتے سر کو دونوں ہاتھوں سے تھامتے ہوئے جیسے خود سے پوچھا تھا۔ ہاں! کیا جاسکتا تھا۔ کیونکہ

اس نے امان کو جنم نہیں دیا تھا۔ وہ امان کی ماں نہیں تھی

"امان کی ماں......؟" اس کے ہونٹ لرزنے لگے تھے اور دل جیسے شدت غم سے پھٹنے کو تھا۔ وہ اٹھی تھی اور کانپتی ٹانگوں کے ساتھ دروازے کی جانب بڑھی۔

ثمین جس وقت مراد شاہ کے لیے اسٹرابری شیک تیار کرکے لائی مراد شاہ بے حد تیز قدموں سے باہر نکلتے دکھائی دیے۔ وہ حیران و پریشان سی سارہ کے کمرے کی جانب آئی تھی اور عین اسی لمحے سارہ نے زاروقطار روتے اور چلاتے ہوئے دروازہ کھولا تھا۔

"ہاں...... میں بے حد خود غرض عورت ہوں۔ خود پرست ہوں...... تو اذیت دیتی ہوں۔ مگر...... امان...... میرا بیٹا ہے وہ میرا...... میری جان ہے...... میں اس کو......" بکھرے بالوں اور سوجی ہوئی آنکھوں کو جیسے بمشکل کھولے روتے سسکتے ہوئے فریاد کناں لہجے میں کہتی ہوئی سارہ شاہ کو دیکھ کر ثمین کا دل جیسے پانی ہونے لگا تھا۔ ہاتھ میں تھامی ٹرے وہیں پاس ہی ٹیبل پر رکھتے ہوئے وہ تیزی سے آگے بڑھی اور سارہ شاہ کے لرزتے وجود کو تھام لیا۔

"سارہ پلیز...... اپنے آپ کو سنبھالو...... دیکھو کیا حالت بنا رکھی ہے تم نے؟ امان تمہیں اس طرح دیکھے گا تو کس قدر ڈسٹرب ہوگا۔" بے حد نرم اور پیار بھرے لہجے میں کہتے ہوئے وہ اسے ساتھ لیے کمرے میں آئی اور بیڈ پر بٹھادیا۔

"ثمین! تم میری دوست ہو نا...... تم تو مجھے جانتی ہو نا!" وہ اس کے دونوں ہاتھ تھامتے ہوئے بے چینی سے پوچھ رہی تھی۔

"ہاں سارہ کیا تمہیں کوئی شک ہے۔ میری دوستی اور محبت میں کوئی کمی محسوس کی ہے تم نے......؟" ثمین جانتی تھی کہ اس وقت اسے محبت اور غمگساری کی ضرورت ہے۔ اس لیے بے حد ملائمت سے اس کے گیلے رخساروں کو صاف کرتے ہوئے دھیمے سے لہجے میں کہا۔

"وہ مراد شاہ وہ کہتے ہیں میں امان کو نظر انداز کررہی ہوں میں اس کا خیال نہیں رکھتی اس لیے کہ وہ میرا نہیں کسی اور کا بچہ ہے اور میرے جیسی خود پرست عورت اپنے علاوہ کسی اور سے محبت نہیں کرسکتی۔ تم بتاؤ ثمین! کیا میں امان سے محبت نہیں کرتی؟" اس کے لہجے میں عجیب سی بے تابی تھی۔ ثمین نے اسے ساتھ لگاتے ہوئے اس کی کمر کو سہلایا۔

"مراد بھائی شاید اس وقت غصے میں ایسا کہہ گئے ہوں گے ورنہ ایسی کوئی بات نہیں سارہ! وہ کیا جانتے نہیں کہ امان میں تو تمہاری جان ہے؟"

"نہیں ثمین! وہ نہیں جانتے وہ بالکل بھی نہیں جانتے وہ...... وہ اسے مجھ سے چھین لینا چاہتے ہیں...... لیکن میں ایسا نہیں ہونے دوں گی۔" اس کی آواز میں ایکدم ہی چٹانوں کی سی سختی در آئی تھی۔

"مگر سارہ! تم خود ہی تو امان کو پاکستان بھجوانے کا کہہ رہی تھیں۔" ثمین نے اچنبھے سے پوچھا۔

"ہاں میں سمجھتی تھی میں اس کے بغیر رہ لوں گی...... مگر نہیں رہ سکتی میں نہیں رہ سکتی ثمین...... اور وہ بھکارن چڑیل مجھ سے امان کو بھی چھین لے گی۔ میں...... میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گی اگر اس نے امان کی طرف دیکھا بھی تو......" اس کی سانس پھول گئی تھی اور آنسوؤں نے جملہ پورا نہیں کرنے دیا۔

"ٹھیک ہے سارہ! مت بھیجنا تم امان کو...... بس تم اپنا خیال رکھو تم خود ٹھیک رہوگی تو امان کا بھی خیال رکھ سکوگی نا! اب جلدی سے فریش ہوکر آؤ میں تمہارے لیے شیک لے کر آتی ہوں پھر دونوں بیٹھ کر خوب باتیں کریں گے بڑے دنوں سے تمہارے ساتھ محفل نہیں جمی یار!" ہلکے پھلکے لہجے میں کہتے ہوئے ثمین نے اسے اٹھایا اور واش روم کی طرف بھیجتے ہوئے خود باہر نکل گئی۔ ٹرے میز سے اٹھاتے ہوئے اسے اپنے فون کی بیپ سنائی دی۔

"جی مراد بھائی! کہاں ہیں آپ؟ میں آپ کے لیے اسٹرابری شیک لے کر آئی تو آپ غائب تھے۔" ثمین نے یہ ظاہر کیے بنا کہ وہ انہیں غصے کی حالت میں جاتے

دیکھ چکی تھی ہلکے پھلکے لہجے میں کہا۔

"آپ کے یہاں سے جو عزت افزائی ہوئی وہی کافی تھی اس لیے مزید ٹھہرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی پھر کچھ ضروری کام بھی نمٹانے تھے۔ خیر آپ ایسا کیجیے گا کہ امان کا ضروری سامان پیک کروا دیجیے گا۔ میں اسے ساتھ لے جا رہا ہوں۔"

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں مراد بھائی! سارہ......" ثمین نے حیران و پریشان ہوتے ہوئے کہنا چاہا تھا مگر انہوں نے درمیان میں ہی اس کی بات کاٹ دی۔

"میں اس وقت بہت جلدی میں ہوں بھابی! آپ امان کو تیار کروا کر اس کا پاسپورٹ بھی نکلوا دیجیے گا۔ میں دو تین گھنٹے تک اسے پک کرلوں گا۔" اپنی بات ختم کرتے ہی انہوں نے فون بند کر دیا تھا۔ ثمین سر پکڑ کر وہیں بیٹھ گئی تھی۔

"اب وہ کیا کرے...... کیسے سارہ سے بات کرے...... نہیں، سارہ سے یہ بات نہیں کی جاسکتی مگر......" شدید الجھن اور پریشانی میں ثمین کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔ پھر اس نے مراد شاہ سے ہی بات کرنے کی ٹھانی اور اٹھ کر دروازہ بند کرتے ہوئے ان کا نمبر ملایا۔ بیل جا رہی تھی مگر انہوں نے فون ریسیو نہیں کیا تھا۔ ایک بار...... دوبار بیل گئی تھی اور پھر لائن کاٹ دی گئی تھی۔ ثمین چند لمحے خالی خالی نگاہوں سے موبائل کو دیکھتی رہی پھر بے چینی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

اسے بہروز کو ساری صورت حال بتانی چاہیے۔ اس کا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا اور وہ فوراً بہروز کا نمبر ملانے لگی۔ تبھی باہر سے سارہ کی آواز آئی تھی اور وہ تیزی سے موبائل فون رکھ کر باہر نکلی تھی۔ پھر ٹھٹک کر وہیں دہلیز پر رک گئی تھی۔ سارہ بے تابی کے ساتھ امان کو بھینچ بھینچ کر پیار کر رہی تھی۔ ثمین کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔

"جانے کس کی نظر لگ گئی تھی اس کی پیاری سی نند کی خوشیوں بھری زندگی کو......" ثمین نے دکھی دل کے ساتھ اس کی متورم آنکھوں اور بے رونق چہرے کو دیکھتے ہوئے تاسف سے سوچا۔ یہ حقیقت تھی کہ وہ اسے بے حد عزیز تھی۔ نند بھاوج والا رشتہ تو ان کے درمیان جیسے کوئی تھا ہی نہیں۔

وہ مونٹیسوری سے کلاس فیلوز اور دوست تھیں پھر بہروز ہاشمی سے محبت اور پھر شادی کے بعد یہ دوستی اور پختہ ہوگئی تھی کیونکہ یہ سارہ شاہ ہی تھی جس نے اس کی راہیں ہموار کی تھیں ورنہ بہروز تو نیلی آنکھوں اور سنہری بالوں والی ماریہ کی زلفوں کا اسیر ہوچکا تھا لیکن سارہ نے وعدہ کیا تھا کہ اسے چاہے جو بھی کرنا پڑے لیکن یہ طے ہے کہ وہ بہروز کو اس انگریز حسینہ کے چنگل سے چھڑا کر رہے گی اور اس کی بھابی صرف ثمین ہی بنے گی۔ اور اس نے اپنا کہا سچ کر دکھایا تھا اور ہمیشہ ہی اس نے جو چاہا تھا پالیا تھا، مگر اب زندگی کے اس موڑ پر وہ کتنی شکستہ اور بے بس ہو کر رہ گئی تھی۔ ثمین کا دل کٹنے لگا وہ آہستگی سے واپس مڑی اور موبائل فون اٹھا کر واش روم میں جا کر بہروز کو کال کرنے لگی وہ جلد از جلد بہروز کو ساری صورت حال سے آگاہ کر دینا چاہتی تھی۔

☆☆☆......

"السلام علیکم شاہ جی! کیسے ہیں آپ...... سارہ باجی مان گئیں نا؟ مجھے یقین تھا اب ان کا غصہ ختم ہوگیا ہوگا وہ آپ سے بہت محبت کرتی ہیں اور میں جانتی تھی کہ وہ ضرور مان جائیں گی کیونکہ محبت میں بڑی طاقت ہوتی ہے۔" مراد شاہ کی کال ریسیو کرتے ہی وہ پرجوش لہجے میں کہتی چلی گئی۔

"ایسا کچھ نہیں ہوا فضا وہ فضا نہیں سارہ ہے جسے اپنے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا۔ میں امان کو ساتھ لے کر آ رہا ہوں ابھی کچھ دیر میں ڈرائیور امان کی آیا کو تمہارے پاس لے آئے گا تم اس کی مدد سے امان کے لیے کمرا تیار کرلینا۔" انہوں نے بے حد سنجیدہ لہجے میں کہتے ہوئے اسے جیسے مزید کچھ کہنے سے روک دیا تھا۔ فضا ان کی بات سن کر پہلے تو ہکا بکا رہ گئی تھی لیکن جلد ہی اس نے اپنی اس کیفیت پر قابو پالیا۔

"شاہ جی خدارا! یہ جذبات میں آنے کا وقت نہیں

ہے۔ اس الجھے ہوئے معاملے کو انتہائی تحمل اور برداشت کے ساتھ سلجھانے کی ضرورت ہے آپ خدارا کچھ بتائیں تو سہی کہ آخر ہوا کیا ہے؟" بے حد دھیمے اور ملائم لہجے میں اس نے ان کا غصہ ٹھنڈا کرنا چاہا تھا اور حیرت انگیز طور پر انہوں نے خود کو پرسکون محسوس کیا تھا۔ پھر انہوں نے ساری بات اسے بتادی تھی اور وہ بجائے امان کے لیے فکر مند ہونے کے سارہ کے لیے فکر مند ہوگئی تھی اور مراد شاہ حیران رہ گئے تھے۔ سارہ کی ذہنی کیفیت اور جذبات پر بات کرتی، اس کی حمایت میں دلیلیں دیتی اس لڑکی کے ظرف اور بڑائی نے انہیں جیسے کچھ کہنے کے قابل نہیں چھوڑا تھا لیکن اس کی ساری باتوں اور دلیلوں کے باوجود وہ خود کو دوبارہ سارہ کے پاس جانے کے لیے تیار نہیں کرپائے تھے۔ ہاں انہوں نے اتنا کیا تھا کہ ثمین کو فون کرکے آنے جانے اور امان کو سارہ کے پاس ہی چھوڑنے کے بارے میں بتادیا تھا۔

اس رات فضا کو نیند نہیں آئی تھی۔ وہ ساری رات بے چینی سے پورے گھر میں چکراتی پھری تھی۔ دل بے حد بے چین تھا، روح مضطرب تھی۔ کتنے عرصے سے اس نے اپنے جگر کے ٹکڑے کو دیکھا نہیں تھا۔ وہ جسے اس نے اپنے خون سے سینچا تھا لیکن دل بھر کے دیکھا بھی نہیں تھا اور کسی کو سونپ دیا تھا۔ دل کیسے کیسے نہیں تڑپا تھا، روح نے کس کس طرح فریاد نہیں کی تھی لیکن اس نے دل و روح کی ایک نہیں چلنے دی تھی۔

اس نے گیلی آنکھوں سے اس کی تصویر کو دیکھا اور بے تابی سے چوما پھر بے اختیار سینے سے بھینچ لیا تھا۔

"میرے بیٹے! میرے دل کے ٹکڑے! کبھی یہ مت سمجھنا کہ تیری ماں کو تجھ سے محبت نہیں تھی۔ محبت بہت تھی میرے بیٹے! بے حد تھی اور بھلا کون ماں ہوگی ایسی جسے اپنی اولاد سے محبت نہیں ہوگی، لیکن تیری ماں کسی کی مقروض تھی اور یہ قرض اتارنا چاہتی تھی اس کے لیے خواہ دل کا خون کرنا پڑتا یا پھر ممتا کا۔" عجیب سی بے قراری کے عالم میں زیر لب کہتے ہوئے اس نے تصویر واپس رکھ دی تھی اور وضو کرنے کے لیے واش روم کی طرف بڑھ گئی۔

☆☆☆......

"فضا تم میری بیوی ہو، میری ذات پر میرے گھر پر جتنا حق سارہ کا ہے اسی قدر تمہارا ہے پھر آخر تم وہاں جانے سے گریزاں کیوں ہو؟" اس دن مراد شاہ نے بے حد الجھ کر اس سے پوچھا تھا۔ ایک ماہ ہونے کو تھا انہوں نے ایک ماہ کے لیے ہی یہ گھر لیا تھا۔ پھر اپنا گھر نوکروں پر چھوڑ کر وہ خواہ مخواہ یہاں کرائے پر رہتے تو یہ پاگل پن ہی تھا پھر وہ کوئی معقول وجہ بتاتی تو شاید وہ خود کو مطمئن کر پاتے لیکن وہ تو جیسے خود بھی وجہ نہیں جانتی تھی۔ کم از کم مراد شاہ کو تو یہی محسوس ہوا تھا۔ اسی لیے آج وہ کچھ الجھ کر پوچھ بیٹھے تھے۔

"شاہ جی دراصل بات یہ ہے کہ سارہ باجی کی غیر موجودگی میں میں وہاں جانا نہیں چاہتی۔ وہ آجائیں میرے وجود کو تسلیم کرلیں اس گھر میں میرے لیے اپنی مرضی سے تھوڑی سی جگہ نکالیں، یہ میری شدید خواہش ہے کیا آپ میری یہ خواہش پوری نہیں کریں گے؟" اس کے دھیمے اور ملتجی لہجے پر وہ بے بسی سے اسے دیکھ کر رہ گئے۔ اب وہ اسے کیسے سمجھاتے کہ اس کی اس خواہش کا پورا ہونا تقریباً ناممکنات میں سے تھا۔

"بس آپ کچھ عرصہ انتظار کرلیں مجھے یقین ہے کہ سارہ باجی مان جائیں گی۔" انہیں خاموش دیکھ کر اس نے بے حد اطمینان اور یقین بھرے لہجے میں کہا تھا اور پھر جلدی سے اٹھی اور کچن کی جانب بڑھی۔

سیٹیاں بجاتی تندوتیز ہوا کا گرد آلود جھونکا اس کے شیشہ بند کرتے ہوئے بھی اندر گھس آیا تھا۔ مراد شاہ نے حیرانی سے اسے دیکھا تھا۔

"تمہیں کیسے فوراً پتا چل گیا فضا کہ آندھی آرہی ہے؟" وہ واقعی بے حد حیران تھے۔

"مجھے الہام ہوتے ہیں، جیسے چند لمحے قبل مجھے الہام ہو رہا تھا کہ آپ مجھے پاگل سمجھ رہے ہیں، ہیں نا۔" دسترخوان کھول کر ڈائننگ ٹیبل کے برتنوں کو پھیلاتے

ہوئے وہ ان کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے معنی خیز انداز میں مسکرائی تھی۔

”صرف الہام! پوری جادوگرنی ہو تم اسی لیے تو اتنے لمبے چوڑے آدمی کو یوں اسیر کیا ہے کہ تمہاری مرضی اور منشاء کے بغیر خود کو ہلنے تک کے قابل نہیں پاتا۔“ انہوں نے پیار سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ انہیں اتنا جانتی تھی کہ ان کا اندر تک پڑھ لیتی تھی۔ انہیں خود پر رشک آیا اور اس پر پیار۔

”کیا یہ اسیری آپ کو پسند نہیں ہے؟“ اس نے ناز سے انہیں دیکھا۔

”پسند تو بہت چھوٹا لفظ ہے فضا! اب تو اس اسیری سے رہائی موت ہوگی۔“ وہ یکدم بے حد سنجیدہ ہوگئے۔

”اللہ نہ کرے شاہ جی! کیسی خوفناک باتیں کر رہے ہیں۔“ اس نے دہل کر کہا۔ مراد شاہ نے دیکھا اس کی آنکھوں سے خوف جھانک رہا تھا اور پھر اس نے آنکھیں بند کرلیں۔ ہلتے لب بتا رہے تھے کہ وہ دل ہی دل میں محو مناجات تھی۔ انہوں نے دلچسپی سے اسے دیکھا۔

شوہر پر جان چھڑکنے والی بن کہے اس کی ہر بات کو سمجھ لینے والی گھر بنانے اور سجانے والی ایک مکمل گھریلو عورت! شاید ایسی ہی عورت ان کا خواب تھی۔ گاؤں سے شہر آکر یونیورسٹی کی خوب صورت فیشن ایبل اور تیز طرار لڑکیوں کے درمیان رہتے رہتے وقتی طور پر وہ اس چکاچوند میں کھو گئے اور یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ ان کے شانہ بہ شانہ اور اس معاشرے میں ان کے ساتھ چلنے والی ایک بے حد پڑھی لکھی اور خوب صورت لڑکی ان کا آئیڈیل ہے۔ مگر سارہ شاہ کے ساتھ شادی کے کچھ ہی عرصے بعد ان کو احساس ہوگیا تھا کہ وہ خود کو ہی سمجھنے میں غلطی کر بیٹھے تھے۔ حقیقت یہ تھی کہ انہوں نے جس ماحول میں پرورش پائی تھی وہ ان کی طبیعت میں رچ بس گیا تھا۔ وہ چاہتے ہوئے بھی اس کے اثر سے باہر نہیں آسکتے تھے۔ یہ سارہ کے ساتھ ان کی محبت اور فطرت میں [illegible] شرافت تھی کہ وہ اتنے سال خوش اسلوبی سے نباہ گئے تھے اور شاید ساری زندگی بھی گزار دیتے اگر وہ حادثہ فضا کو ان کی زندگی میں نہ لے آتا۔

ایک لمحے کو اپنی حالت کا تصور کرکے ان کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے تھے لیکن اگلے ہی پل مسکراہٹ ان کے لبوں پر مچل اٹھتی تھی۔ چمکتی نگاہوں سے انہوں نے فضا کی جانب دیکھا۔ تبھی اس کی نگاہ اٹھی اور انہیں یوں وارفتگی سے خود پر نگاہیں جمائے دیکھ کر وہ محجوب سی ہو کر مسکرادی۔

”اتنی محویت کے ساتھ کیا دعا مانگی جارہی تھی؟“ بے حد محبت بھری نگاہوں سے اس کے صبیح چہرے کو دیکھتے ہوئے انہوں نے پوچھا۔

”دادی کہا کرتی تھیں آندھی کے وقت ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے ساتھ مسجد کا رخ کرتے تھے۔ اس لیے ہمیں بھی آندھی آنے پر اللہ سے خیر و عافیت کی دعا کرنی چاہیے اور پھر آپ بھی تو آندھی سے زیادہ خوفناک باتیں کر رہے تھے۔“

”اچھا بابا! اب نہیں کرتا' دیکھو تمہاری دعا سے آندھی ختم ہوگئی ہے اور بارش ہونے لگی ہے۔“ دریچے سے ٹکراتی بارش کی بوندوں کی آواز پر انہوں نے خوشدلی سے کہا اور اٹھ کر ڈرائنگ روم کے پردے سمیٹ دیے۔

”میں نے ایک اور دعا بھی مانگی ہے شاہ جی! وہ پوری ہوگئی نا تو بس سمجھیے فضا کی ساری خواہشیں پوری ہوگئیں۔“ خوب صورت سی مسکراہٹ لبوں پر سجائے وہ کہہ رہی تھی۔

”اچھا...... وہ کون سی دعا ہے بھئی؟“ انہوں نے تجسس بھرے لہجے میں پوچھا۔

”وہ... ابھی نہیں بتاؤں گی۔“

”مگر میں کہوں' بتانی پڑے گی......“ انہوں نے مصنوعی تحکم کا مظاہرہ کیا۔

”تو میں بتادوں گی۔“ اس نے اتنے آرام سے کہا تھا کہ بے اختیار مراد شاہ کھلکھلا کر ہنس دیے۔

”میں نے سارہ باجی کے لوٹ آنے کی دعا مانگی ہے شاہ جی! اور آپ دیکھیے گا یہ دعا ضرور پوری ہوگی ان شاء

اللہ۔“ مراد شاہ نے کچھ کہنا چاہا لیکن پھر اس کے چہرے پر یقین اور طمانیت دیکھ کر خاموش ہو رہے۔ ”کتنا اچھا لگے گا نا شاہ جی! جب ہم سب اکٹھے رہا کریں گے۔ آپ دیکھیے گا میں سارہ باجی کا بہت خیال رکھوں گی۔ بڑی خدمت کروں گی ان کی اس قدر محبت دوں گی انہیں کہ وہ خود' خود مجھے بڑی بہنوں کی طرح چاہنے لگیں گی۔“ وہ پرجوش انداز میں کہہ رہی تھی۔

مراد شاہ جانتے تھے کہ وہ جاگتی آنکھوں سے خواب دیکھ رہی ہے اور کھلی آنکھوں سے دیکھے خواب پورے نہیں ہوتے لیکن وہ اس خواب میں گم خوش تھی تو وہ اسے خوش ہی رہنے دینا چاہتے تھے۔ اسی لیے مسکرا کر خاموش ہی رہے تھے۔

☆...☆

”وہ کبھی نہیں چاہے گی کہ میں واپس پلٹ آؤں۔ یہ غریب اور مڈل کلاس لڑکیاں ہوتی ہیں نا بڑے طریقے ہوتے ہیں ان کے پاس ہماری کلاس کے مردوں کو قابو میں کرنے کے اور جال میں پھنسے ہوئے شکار کو بھلا کوئی اس آسانی سے چھوڑتا ہے؟ اور یہ لڑکی فضا اس کے تو چہرے کے ایک ایک نقش سے ہی نحوست ٹپکتی ہے۔ وہ دیکھنے میں ہی چڑیل لگتی ہے لکی!“

بھلا سارہ شاہ نے فضا کو اتنے غور سے کب دیکھا تھا کہ وہ ایسا کہہ رہی تھی' مگر یہ اس کی فضا کے لیے شدید نفرت تھی جس نے اس کے لہجے کو زہر آلود کردیا تھا اور وہ اس قدر تعصب سے بول رہی تھی۔

”پھر کیا خیال ہے اس نحوست کو مراد بھائی کے سر سے اتار نہ دیا جائے۔“ لکی نے معنی خیز انداز میں کہا۔ سارہ شاہ بری طرح چونکی۔ لکی اٹھ کر اس کے قریب آبیٹھی تھی اور اس کی طرف جھکتے ہوئے اسے اپنے منصوبے کے بارے میں بتانے لگی تھی۔

”نہیں نہیں لکی! یہ تو بالکل غلط ہے۔ انسانی جان لینا! او میرے خدا!“ سارہ شاہ کا دل بے تحاشا دھڑک رہا تھا اور ٹھنڈے پسینے نے اس کی ہتھیلیاں نم کردی تھیں۔

”ٹھیک ہے تو پھر پڑی رہو یہاں اور عیش کرنے دو انہیں۔“ لکی سر جھٹک کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

”لکی پلیز!“ سارہ نے لجاجت سے اسے دیکھتے ہوئے اس کا ہاتھ تھاما۔ ”میں کیا کروں لکی! مجھے بالکل سمجھ نہیں آرہا......“ بے بسی لیے اس کا بھرایا ہوا لہجہ [illegible] گیا۔

”اوہ میرے خدا! سارہ! تم اس قدر بزدل بھی ہوسکتی ہو میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی...... میں تمہاری جگہ ہوتی تو حشر نشر کردیتی ان دونوں کا اور تم...... اس دو کوڑی کی لڑکی سے ہار مان کر یہاں چلی آئیں۔ اور حلیہ دیکھا ہے اپنا...... لگتا ہے کسی خطرناک بیماری کی مریضہ ہو۔“ لکی کو سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیسے سارہ کا دماغ درست کردے۔ اسے ان پڑھ گنوار عورتوں کی طرح پل پل میں اس کا آنکھوں میں آنسو بھر لانا اور حالات سے شکست مان کر یہاں پڑے رہنا بالکل بھی برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ وہ تو آج ہی فرانس سے آئی تھی اور سارہ کو دیکھ کر حیران رہ گئی تھی۔

”کاش تم جان سکتیں لکی کہ میرے دل پر کیا گزر رہی ہے؟“ اس نے بمشکل نچلا لب دانتوں تلے بھینچتے ہوئے سسکیاں روکی تھیں۔

”میں سب سمجھتی ہوں سارہ! اسی لیے کہہ رہی ہوں کہ خود کو سنبھالو اور باقی سب مجھ پر اور بوبی پر چھوڑ دو۔ بھول جاؤ کہ کوئی لڑکی فضا بھی تھی جو مراد بھائی کی زندگی میں آئی تھی۔“

لکی کے سپاٹ اور سرد لہجے پر چند لمحے سارہ شاہ خالی خالی نگاہوں سے اسے دیکھتی رہی تھی اور پھر انگلیوں کی پوروں سے آنکھیں صاف کرتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

(جاری ہے)

عید سعید

ڈش مقابلہ

طلعت آغاز

مٹن پلاؤ آلو بخارے والا

اشیاء:

چاول (چن کر بھگو دیں) 1/2 کلو
گوشت 250 گرام
ادرک لہسن پیسٹ ایک چمچ



گرم مسالا ثابت 5 گرام
چھوٹی الائچی 5 عدد
نمک حسب ذائقہ

پوٹلی بنانے کے لیے:
ثابت سونف، ثابت دھنیا دو چمچ (ململ کے کپڑے میں ڈال کر پوٹلی بنالیں)۔

جائفل جاوتری 1/4 چائے کا چمچ
آلو بخارے 10 عدد
ٹماٹر 2 عدد (کاٹ لیں)
پیاز 2 عدد کاٹ لیں
تیل حسب ضرورت
ہری مرچ 5 عدد
کیوڑا 1/2 چائے کا چمچ
زردہ رنگ 2 چٹکی

ترکیب:

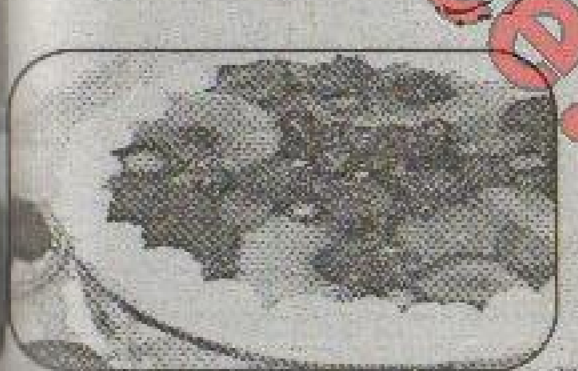
پتیلی میں تیل گرم کرکے اس میں پیاز ڈال کر لال کرلیں۔ تھوڑی پیاز گارنشنگ کے لیے نکال لیں۔ اس کے بعد اسی تیل میں چھوٹی الائچی ثابت گرم مسالہ ڈال دیں پھر لہسن، ادرک پیسٹ اور گوشت ڈال کر بھنائی کریں۔ اب پوٹلی اور تین گلاس پانی ڈال دیں۔ گوشت گل جائے تو اس میں نمک، جائفل جاوتری، چاول ڈالیں۔ اگر یخنی کم ہو تو تھوڑا پانی ڈال دیں، اس کے بعد اس میں آلو بخارے، ٹماٹر اور ہری مرچیں بھی ڈالیں۔ پانی خشک ہوجائے تو کیوڑے میں زردہ رنگ ملا کر چھڑک دیں اور پوٹلی نکال کر توے پر 10 منٹ کے لیے دم دیں۔ لیجیے پلاؤ تیار ہے، سلاد اور رائتہ کے ساتھ پیش کریں۔

نجم انجم ...... کورنگی کراچی

کریملائزڈ ایپل کیک

اشیاء:

سیب (بڑے سائز کے) 7 عدد
پانی 2 کپ
چینی 1/2 کپ
مکھن 50 گرام
سادہ اسفنج کیک ایک عدد
فریش کریم 1/2 کپ
دودھ 2 کھانے کے چمچے
پستے بادام 4 کھانے کے چمچے (باریک کٹے ہوئے)



سیب چھیل کر چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں کاٹ لیں۔ اب ان کو پین میں ڈال کر اس میں دو کپ پانی ڈالیں اور ہلکی آنچ پر پکنے دیں، پانی خشک ہوجائے اور سیب بالکل گل جائیں تو اتار کر چمچ سے دبا دبا کر یکجان کرلیں۔ اب دوسرے پین میں چینی ڈال کر چولہے پر رکھیں، جب سنہری ہوجائے تو اس میں مکھن ڈال دیں۔ ساتھ ہی سیب بھی ڈال کر ملالیں۔ دودھ ڈال کر مکس کرلیں اور چولہے سے اتار دیں۔ کیک کو درمیان سے کاٹ لیں۔ ایک حصے پر آدھا مکسچر پھیلائیں اور کیک کا دوسرا حصہ رکھیں۔ اوپر بھی سیب کا بقیہ مکسچر پھیلا کر پستے بادام چھڑک دیں۔ کناروں پر کریم سے پھول بنا کر کیک کو پیش کریں۔

ثمینہ اقبال نوشی ...... گاؤں بدر مرجان

بروسٹ چکن

اشیاء:

میدہ 2 کپ
پانی 1 کپ
کالی مرچ، نمک حسب منشاء
مرغی 1/2 کلو
انڈا ایک عدد
لیموں کا رس ایک بڑا چمچ
گھی/تیل حسب ضرورت

ترکیب:

ایک برتن میں میدہ، پانی، لیموں کا رس، انڈا، نمک اور کالی مرچیں یکجا کرلیں اور انہیں اچھی طرح مکس



کرکے پھینٹیں۔ یہاں تک کہ سارا آمیزہ یکجان ہوجائے۔ پھر اس میں اچھی طرح مرغی کے ٹکڑوں کو لپیٹ کر تیز گرم گھی میں تل لیں۔ براؤن ہونے پر نکال کر پیش کریں۔

ہما ایوب شیخ ...... عاف والہ

فرائیڈ فش وڈ لاہوری



ضروری اشیاء:

مچھلی ایک کلو (ٹکڑے بنوالیں)
اجوائن 1/2 چائے کا چمچ
نمک حسب ضرورت
لہسن ادرک پیسٹ 1 کھانے کا چمچ
انڈا 1 عدد
لیموں کا رس 2 کھانے کے چمچے
لال مرچ پاؤڈر 1 چائے کا چمچ
لال مرچ کٹی ہوئی 1 چائے کا چمچ
ہلدی پاؤڈر 1 چٹکی
ثابت دھنیا کٹا ہوا 1 چائے کا چمچ
زردہ رنگ 1 چٹکی
ثابت زیرہ کٹا ہوا 1 چائے کا چمچ
بیسن 2 کھانے کے چمچے
چاٹ مسالہ (اوپر چھڑکنے کے لیے) حسب ضرورت
لیموں کا رس 2 چمچ
تیل حسب ضرورت

ترکیب:

مچھلی کے ٹکڑوں کو دھو کر خشک کرلیں، لیموں کا رس

اور نمک لگا کر آدھے گھنٹے کے لیے چھوڑ دیں۔ اب اجوائن' لہسن ادرک پیسٹ' لال مرچ پاؤڈر' کٹی مرچیں' کٹا دھنیا' زیرہ' ہلدی پاؤڈر' انڈا' زردرنگ اور بیسن ملالیں اور مچھلی پر لگا کر ایک گھنٹہ چھوڑ دیں پھر گرم تیل میں فرائی کر کے چاٹ مسالہ اور لیموں کا رس چھڑک کر پیش کریں۔

پروین افضل شاہین...... بہاول نگر

مکھڈی حلوہ

اجزاء:

سوجی	1 کلو
دودھ	حسب ضرورت
چینی	1 پاؤ
پانی	حسب ضرورت
گھی	3 پاؤ
بادام پستہ کی ہوائیاں	حسب پسند

ترکیب:

سوجی کو دودھ میں گھنٹہ بھر پہلے بھگودیں۔ گھی گرم



کر کے چینی کی چاشنی تیار کریں' براؤن ہونے پہ سوجی ڈال دیں اور ہلاتی جائیں' نیچے نہ لگنے پائے جب سوجی ہلکی براؤن ہو جائے تو بادام پستے کی ہوائیاں اوپر ڈال دیں' مزے کا حلوہ تیار ہے۔

طیبہ نذیر...... شادیوال گجرات

رشین سلاد

اشیاء:



آلو	دو عدد (درمیانے سائز کے ابلے ہوئے)
انڈے	دو عدد (سخت ابلے ہوئے)
مٹر	ایک کپ (ابلے ہوئے)
سیب	ایک عدد (سخت ہو)
ہری پیاز	دو عدد
بند گوبھی	ایک کپ (باریک کٹی ہوئی)
ٹماٹر	ایک عدد (سخت اور سرخ ہو)
کوکنگ آئل	تین چمچے
نیشنل ریفائنڈ سالٹ	حسب ذائقہ
سیاہ مرچ	آدھا چائے کا چمچہ
چینی	آدھا چائے کا چمچہ

ترکیب:

ابلے ہوئے آلو انڈے اور سیب کو چھوٹے کیوب کی شکل میں کاٹ لیں ایک شیشے کے باؤل میں آلو سیب انڈے اور کٹی ہوئی بند گوبھی باریک کٹی ہوئی ہری پیاز ملالیں۔ ٹماٹر کو بھی چھوٹے کیوب کی شکل میں کاٹ کر ملائیں اور فریج میں رکھ دیں۔ سلاد سرو کرنے سے پہلے کوکنگ آئل' سفید سرکہ' ریفائنڈ سالٹ' سیاہ مرچ کانٹے کی مدد سے سلاد میں اچھی طرح مکس کریں۔

(عائشہ کجل...... چوٹالہ)



بیوٹی گائیڈ

روبین احمد

خمیر کا ماسک

یہ رطوبت زدہ چہروں کے لیے بہت مفید ہوتا ہے اس کے استعمال کا طریقہ یہ ہے کہ ایک چمچہ خمیر لے کر تھوڑے سے دہی میں اچھی طرح ملالیں اور پھر اسے چہرے کے رطوبت زدہ حصوں پر لگائیں۔ ۱۵ منٹ تک سوکھنے دیں اور پھر پہلے



نرم اور بعد میں ٹھنڈے پانی سے صاف کرلیں۔

کارن ماسک

کارن میں پروٹین اور چربی کی غیر معمولی مقدار ہوتی ہے'اس سے سوکھی جلد میں تروتازگی پیدا کرنے میں غیر معمولی مدد ملتی ہے'اس کے استعمال کا طریقہ کار یہ ہے کہ کارن کے چند دانے لے کر ان کا جوس نکال لیں' جوس میں نکلنے والا سفید مادہ چہرے اور گردن پر لگا کر اسے سوکھنے دیں۔

پائن ایپل ماسک

اس ماسک کا بنیادی مقصد جلد کی اوپری تہہ میں موجود ان بے جان خلیوں کو ختم کرنا ہے جو جلد کو سانس لینے میں دقت سے دوچار کرتے ہیں ان خلیوں کے دور ہو جانے سے جلد تروتازہ ہو جاتی ہے اور چہرہ ہشاش بشاش دکھائی دینے لگتا ہے اس کا فارمولا یہ ہے کہ پاؤ کپ کے برابر اناناس کا جوس لیں یہ جوس مشین کی مدد سے تیار کریں۔ جوس کو اچھی طرح مکس کرنے کے بعد باریک ریشمی یا سوتی کپڑے کی پٹی سے جوس کو چہرے پر اچھی طرح ملیں اگر جوس بہت زیادہ اسٹرانگ ہو تو اسے چہرے سے صاف کر دیں' بصورت دیگر ۱۵ منٹ تک چہرے کو یونہی رہنے دیں۔

سوکھی خوبانی کا ماسک

چونکہ ان میں نمکیات کی مقدار غیر معمولی ہوتی ہے اس لیے یہ خشک جلد کے لیے مفید ثابت ہوتے ہیں۔ اس کا استعمال بہت آسان ہے چند عدد خوبانیاں لے کر انہیں رات بھر بھگوئیں اچھی طرح نرم ہو جانے پر ہلکی آنچ پر پکائیں اور پھر چہرے پر لگائیں۔ تقریباً دس منٹ کے بعد چہرہ صاف کر لینا چاہیے۔

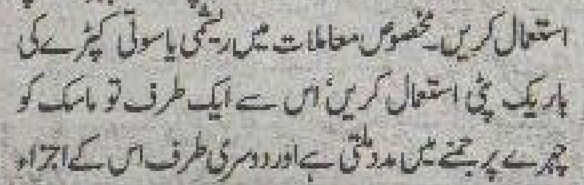
گاجر کا ماسک

وٹامن اے کی زیادتی سے چہرے پر پڑ جانے والے داغ کے علاج کے سلسلے میں یہ اچھا ماسک ہے۔ گاجر کے چند ٹکڑوں کو لے کر پیس لیں اور اسے چہرے پر لگائیں۔ پندرہ منٹ بعد چہرہ دھولیں۔

چند ضروری ہدایات

چہرے کی دلکشی کے لیے ماسک استعمال کرنے سے پہلے اس بات کو ذہن میں رکھیے کہ چہرہ اچھی طرح صاف ہے۔ اس بات کو ذہن میں رکھیے کہ چہرہ بہت حساس ہوتا ہے اور میک اپ وغیرہ کے سلسلے میں اس پر ویسے بھی مشق ہوتی رہتی ہے۔ ایسے میں ماسک کا استعمال احتیاط سے کیا جانا چاہیے۔

خشک پاؤڈر اور لیکوڈ کی شکل میں بھی بعض ماسک ملتے ہیں جنہیں استعمال سے قبل اچھی طرح مکس کرنا پڑتا ہے۔ اس صورت میں برش استعمال کیجیے اور مواد کو چہرے پر انگلی کی مدد سے پھیلایئے۔ بعض ماسک تیار شدہ محلول کی شکل میں دستیاب ہیں' جو منٹوں میں سوکھ جاتے ہیں۔



برش کے استعمال کی صورت میں ہونٹوں اور آنکھوں پر مواد نہ لگائیں ہاں اگر ماسک ہر قسم کے چہروں کے لیے مفید ہو تو اسے پورے چہرے پر استعمال کریں۔ مخصوص معاملات میں ریشمی یا سوتی کپڑے کی باریک پٹی استعمال کریں' اس سے ایک طرف تو ماسک کو چہرے پر جمنے میں مدد ملتی ہے اور دوسری طرف اس کے اجزاء

چہرے میں اچھی طرح شامل بھی ہو جاتے ہیں، ضرورت پڑنے پر پٹی تبدیل کرلیں۔

ماسکس میں حسب ذیل اجزا استعمال ہوتے ہیں۔



۱۔رطوبت پیدا کرنے کے لیے گلیسرین۔

۲۔چہرے پر موجود غیر ضروری الکحل یا ایسڈ کے خاتمے کے لیے زنک آکسائڈ۔

۳۔چہرے میں سکڑاؤ اور شدت پیدا کرنے والے عمل کے خاتمے کے لیے میگنیشیم۔

۴۔چکنائی پیدا کرنے والے غدود کو کنٹرول کرنے کے لیے سلفر۔ سلفر کی مدد سے مردار خلیوں کو بھی دور کیا جاسکتا ہے

عرق گلاب روغن بادام اور موسمی کے چھلوں کا عرق بھی ماسک کی تیاری میں عموماً استعمال ہوتا ہے ان تمام چیزوں کی اپنی اپنی خصوصیات ہیں۔

روغن بادام خشک جلد کے لیے مفید ہے نرم جلد کے لیے عرق گلاب بالخصوص استعمال کیا جاتا ہے۔ بازار سے ماسک خریدنے سے قبل اس بات کا جائزہ لے لیں کہ کہیں استعمال کیے جانے والے ماسک کی تاریخ گزر تو نہیں گئی۔ اس صورت میں ان کے استعمال کا یا تو کوئی فائدہ نہیں ہوگا یا پھر بہت کم ہوگا۔ اس بات کا بھی اطمینان کرلیں کہ خریدا جانے والا ماسک آپ کے چہرے کی ضروریات کو پورا کرنے کے قابل ہے یا نہیں۔

منی کیور پیڈی کیور

حُسن صرف چہروں تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ آپ کی پوری شخصیت کی پہچان ہے۔ اسی لیے ماہرین کا خیال ہے کہ چہرے کے ساتھ ساتھ ہاتھوں کی حفاظت بھی بہت ضروری ہے اور خاص کر انگلی اور ناخنوں کو دیکھ بھال سے ایک خوب صورت ہاتھ کا تاثر ذہن میں آتا ہے۔

ہاتھوں کے ساتھ ساتھ پیروں کا کرنا بھی ازحد ضروری ہے۔

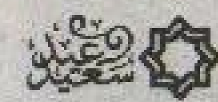
آیئے ہم آپ کو ہاتھوں اور پیروں کی حفاظت کے لیے چند مفید مشورے دیتے ہیں۔

چہرے کی حفاظت کے ساتھ ساتھ ہاتھ اور پیروں کی مناسب دیکھ بھال ضروری ہے۔ ناخن سب سے زیادہ اہم ہیں۔ ناخنوں کی حفاظت کے لیے مختلف چیزیں درکار ہیں۔

۱۔نیل پالش ریموور
۲۔ایمری بورڈ
۳۔ایک چھوٹی پیالی میں ہلکا گرم پانی
۴۔ایک تولیہ
۵۔اورنج اسٹک
۶۔روئی
۷۔کلپر Clippers
۸۔نیل بفر
۹۔نیل برش
۱۰۔کیوٹیکل ریموور
۱۱۔بے رنگ نیل پالش جس کو Base Colour بھی کہا جاتا ہے۔
۱۲۔مختلف شیڈ کی نیل پالش
۱۳۔ٹاپ کوٹ پالش
۱۴۔کنڈیشننگ کریم

مرحلہ نمبر ۱۔ روئی کو پالش ریموور میں بھگو کر ناخنوں پر لگائیں پھر روئی کا ڈھیرے ڈھیرے ناخنوں پر دباؤ ڈالیں۔ یہاں تک کہ پرانی پالش بالکل ہی اتر جائے۔

(باقی آئندہ ماہ)



نظم

عید

یہ جو دیوار کی صورت
ہے جدائی اپنی
عید کے دن بھی یہ دیوار نہ گرپائے گی
کل ہی کی بات ہے
جب تم تھے میرے پاس بہت
صرف نظروں کو نہیں دل کو بھی تھا
قرب کا احساس بہت
کچھ تو بتاؤ مجھے
تم نے کس کو اپنایا ہے
کیوں تم سے یہ محبت مٹی کی کس نے
لوٹ کر کیوں نہیں واپس آتے
عید ہے آئی اب تو لوٹ آؤ
تم نہیں آئے تو ہر ایک تمنا دل کی
اشک بن کر مری پلکوں پہ مچل جائے گی
عید آئے گی
دبے پاؤں گزر جائے گی

عروسہ شہوار......جہلم

غزل

بچپن کے مرے یار تجھے عید مبارک
پردیس میں خوش حال رہے عید مبارک
اے دوست ہو ہر روز ترا روز مسرت
ہر صبح کا خورشید کہے عید مبارک
ہر بزم میں احباب ترے ناز اٹھائیں
دشمن بھی کہیں ہنس کے تجھے عید مبارک
مہندی سے سجے ہاتھ مرا نامہ جو کھولیں
تحریر کا ہر لفظ کہے عید مبارک
شاید نہ مقدر میں ہو پھر عید مسرت
تو پھر نہ مرے لب سے سنے عید مبارک

وہ ہونٹ گلابی جو مرے نامے کو چومیں
اک لفافے پہ بنے عید مبارک
پھولوں سے یہی آس ہے اک شوخ حنا سے
راہی کی ہتھیلی پہ لکھے عید مبارک

برکت راہی......ڈگری

غزل

دل کو دل سے ہمیشہ ملاتے رہو
ایک رستہ وفا کا دکھاتے رہو
بس یہی اک تمنا میرے دل کی ہے
مجھ کو پلکوں پہ اپنی سجاتے رہو
پھول بن کے مہکتے رہو تم سدا
تم جہاں جاؤ بس مسکراتے رہو
عشق کی رہگزر ہو کٹھن کس قدر
اپنے قدموں کو آگے بڑھاتے رہو
نفرتوں کو کہیں دفن کردو میاں
تم محبت کا پرچم اٹھاتے رہو
یوں نہ رانا کو چھوڑ سر رہگزر
اپنا وعدہ ہمیشہ نبھاتے رہو

قدیر رانا......راولپنڈی

بات گرانا کی ہے

بات گرانا کی ہے
یونہی سہی!
تم بھی تن کے رک جاؤ
ہم بھی تن کے رکتے ہیں
ہاں مگر سنو جاناں!
اس قدر تناؤ سے
درمیاں کا رشتہ گر
بے طرح کھنچ جائے
مجھ کو دوش مت دینا

انا شاہ زاد......گجرات

تم سنگ جب عید ہو
سورج اُبھرے پھول کھلیں
اور
پنچھی بھی چہکیں
فضاؤں میں ہو
محبت کی خوشبو
آنکھوں میں ہماری
دیپ ہوں روشن!
مہندی، چوڑی، کنگن
سجنے لگیں سب
خوشبو خوشبو سا بدن
خوشیوں میں گھرے من
سنو ساجن!
تم سنگ جب عید ہو

ایم۔ جے۔ صدا...... سعودی عرب

غزل

وہ میرے ساتھ ہے کیسا ہے سوچتا بھی نہیں
کسی سے گھر کا پتا اس کے پوچھتا بھی نہیں
گناہ چھپ کے جو کرتے ہیں دنیا والوں سے
تمہارا عمل کیا اللہ دیکھتا بھی نہیں؟
متاع و مال جمع کر رہا ہے دنیا میں
بنے گا حشر میں کیا کوئی سوچتا بھی نہیں
وہ بے نیاز ہے دیتا ہے سب کو بن مانگے
وہ بت پرست ہو کہ مسلم وہ جانتا بھی نہیں
دلوں کے چھالے بھی پھوٹے ہیں اشک کی صورت
میں زندہ لاش ہوں کوئی یہ مانتا بھی نہیں
وہ پھول بننے کی چاہت میں مسکرائی کلی
جو پھول شاخ سے ٹوٹا وہ پھر کھلا بھی نہیں
ستم ظریف یوں حالات پہ نہ ہوں بیزار
تُو آخرت کی جزاء کو تو جانتا بھی نہیں
غزل سے دور ہے لیکن اسے ہے اتنا یقین
ہے اس کے تن سے جدا روح سے جدا بھی نہیں

سلمیٰ غزل...... کراچی

غزل

بھول جائیں تمہیں یہ عہد ہم سے مت لینا
اپنی یادوں کے سرمائے ہم سے چھین مت لینا
ہم سوکھے ہوئے پتوں کی طرح شجر پہ باقی
چند جھونکے بہاروں کے ہم سے چھین مت لینا
حوصلہ دیتا ہے تیرے ساتھ گزرا ہوا پل پل
یہ سلسلے حسین خوابوں کے ہم سے چھین مت لینا
مطالبہ تم سے وفاؤں کا کبھی ہم نے نہیں کیا
مگر وعدوں سے بھرا ماضی ہم سے چھین مت لینا
تنویر میرے دکھوں کی شاعری ابھی ادھوری ہے
خیال اپنے غزل جیسے ہم سے چھین مت لینا

سید تنویر کاظمی...... ڈیرہ غازی خان

کیا کروں

تیری چاہ میں میں رہا کروں
تجھے لفظ لفظ ادا کروں
جو نہیں ملا وہ نصیب تھا
میں خود سے کیا اب گلہ کروں
جو وقت تھا وہ گزر گیا
اب کس کو کس سے التجا کروں
کوئی ہے جو زخم دل کو
چپ چاپ ہی بس سہا کروں
کہاں ہے اتنی اوقات کیا
کہ شاد شاد رہا کروں
تجھے لفظ لفظ ادا کروں
اب اس کے سوا اور کیا کروں

سحرش رانا...... پنڈی بھٹیاں

غزل

ہم بھی کتنے پاگل تھے
جو تجھ سے محبت کر بیٹھے
تیری دید کے پیاسے تھے
اور تیری چاہت کر بیٹھے
تجھ کو پانا مشکل تھا
تیرا ملنا ناممکن
تیری ایک جھلک کی خاطر
جانے کیا کیا کر بیٹھے
تارے گن گن رات گئی
دن بھی بے چین رہے
تو ہی بتا اے جانِ جہاں!
تجھ کو کیوں کر اپنائیں؟
تجھ کو پانے کی خاطر ہی
سارے جتن ہم کر بیٹھے

فریدہ جاوید فری...... لاہور

مجھے بھیگ جانے دو

مجھے بھیگ جانے دو
مجھے بھیگ جانے دو
من کی پیاس بجھانے دو
مجھے بھیگ جانے دو
جل رہے ہیں جو یادوں کے الاؤ
بوندوں کو ان پر برس جانے دو
یہ بارش روز روز نہیں ہوتی
یہ خواہش روز روز نہیں ہوتی
میرے دل کو بھی سکوں پانے دو
مجھے بھیگ جانے دو
مجھے بھیگ جانے دو

یاسمین عندلیب...... شورکوٹ کینٹ

غزل

مر کے بھی دوریوں کو مٹاتے رہیں گے ہم
چھپ چھپ کے بن سنور کے آتے رہیں گے ہم
شکوہ کبھی نہ لائیں گے اپنی زبان پر
چپ چاپ آنسوؤں کو بہاتے رہیں گے ہم
ان کو قدم قدم پہ ملے روشنی فقط
یہ سوچ کے ہی دل کو جلاتے رہیں گے ہم
ان کی نگاہِ ناز کی مستی بھی دیکھ لی
اب دھیرے دھیرے ہوش میں آتے رہیں گے ہم
محرومیاں ہیں اپنا مقدر تو کیا ہوا
سب کے لیے ہاتھ اٹھاتے رہیں گے ہم

سید بشارت شاہ...... کراچی

عید کی شام

میرے گھر کے در و بام پہ
عید کی شام اتری تو
میرے وجود پہ اداسی چھا گئی
گزر جائے گی
یہ سہانی سی شام عید کی
اسی سوچ میں بھی گلے شکوے
لبوں پہ ہی دم توڑ گئے
بہت سے آنسوؤں کے موتی
پلکوں کی باڑھ پھلانگ گئے
پھر سے دل میں
کسک سی اٹھی
پنچھی گھروں کو لوٹے
تم بھی لوٹ آؤ
کہیں!
یہ عید کی شام بھی
تیرے بغیر گزر جائے!

عافیہ رفیق عاقی...... مقام نامعلوم

غزل

مدت ہوگئی اس بات کو
اب تک اسے میں بھولا ہی نہیں
سب کچھ اجاڑ کے رکھ دیا زمانے نے
میرے صحن کا مگر اک درخت گرا ہی نہیں
اس کی باتوں سے یوں لگتا ہے اب
جیسے میرے ساتھ کبھی وہ رہا ہی نہیں
بادل آکے میری چھت پر سے گزر گیا
کئی بار ایسا ہوا کہ برسا ہی نہیں
تیز ہوا بھی اور گھر کا دروازہ تھا کھلا
چراغ میرے گھر کا پھر بھی بجھا ہی نہیں
چند دنوں کا کہہ کر گیا تھا گھر سے
کئی بہاریں گزری پھر وہ ملا ہی نہیں
زندگی بہرحال کٹ ہی جائے گی
ایسا میرے ساتھ کبھی کچھ ہوا ہی نہیں

وسیم اختر......راولپنڈی

وقت

وقت کی گردنے
اب کےنظروں کے شفاف شیشے کو بھی
کتنا دھندلا دیا
کل سرِراہ جب وہ ملا
اجنبی کی طرح
اس کی آنکھوں میں
پہچان کی اک رمق تک نہ تھی
میری آنکھوں میں
گزرے ہوئے وقت کے
لمحے زندہ ہوئے
اور پھر مر گئے

عکاشہ سحر......ملتان

غزل

بے وفا یہ جھوٹی دنیا
کیسے ہم تم لوٹی دنیا
تیرے ہجر کے غم میں ساجن
ہم سے اب یہ چھوٹی دنیا
ہم کب اتنے اچھے تھے
غم میں ہمارے روتی دنیا
چھین کر میری نیند آنکھوں سے
چین سے ہے اب سوتی دنیا
سب ہی کچھ تو وار دیا ہے
اب کیا اور میں کھوتی دنیا
ساحل سے میں لگ بھی جاتی
جو تُو نہ مجھے ڈبوتی دنیا
خواہش کیا کروں میں صغیر
جھوٹی' منافق' کھوٹی دنیا

صفیہ......مقام نامعلوم

غزل

"گلاب رُت میں عذاب موسم
کہاں گئے وہ سب خواب موسم
میں ڈوبتی نہیں تو کیوں
کچا گھڑا اور چناب موسم
آؤ کے لوٹ چلیں پلٹ کر
ہیں بارشوں کے خراب موسم
دعا کی ہتھیلی پہ رکھ دیئے ہیں
خواہشوں کے بے حساب موسم
نگاہ میں کن کے جو چھپ گئے ہیں
محبتوں کے تھے گلاب موسم
تیری آنکھوں میں سو گئے
دل کے سب اضطراب موسم"

اُم ثمامہ......جھڈو سندھ

بیاضِ دل

میمونہ تاج

biazdill@aanchal.com.pk

نبیلہ خان......موون
اس عید پر بھی نہ مل سکے تو کیا ہوا
جذبوں میں ہوں خلوص تو عیدیں ہزار ہیں

ساجدہ ...... نسیم یار خان
اب کے بھی حسرتوں میں بیت گئی
مفلسی اب کے بھی یارو جیت گئی
دیتے تو غریب کو عیدی
عیدی دینے کی وہ رسم و ریت گئی

پروین افضل شاہین......بہاول نگر
اونچے محلوں میں پائل چھنکاتی ہے عید
میری گلی میں آتے ہوئے شرماتی ہے عید
زریں کنگن کیسے پہنائیں خوشیوں کو
من کو نت نئی سوچوں میں الجھاتی ہے عید

یاسمین کنول......پسرور
پیش کرتے ہیں تہہ دل سے گلہائے مبارک
اس عید کے موقع پر یہ تحفہ ہے ذرا سا......!

کامران خان......شادی خیل کوہاٹ
آنگن ہمارے آکے یہ تنہائی دور ہو
رونق ہمارے گھر کی بڑھا چاند عید کا
کس سے ملیں گے عید ہمارا کوئی تو ہو
تو ہی ہمیں گلے سے لگا چاند عید کا

فصیحہ آمنہ خان......ملتان
بلالِ عید طرب زا ہی یہ شام مگر
چراغ شوق جلاتے ہوئے لرزتے ہیں
اگرچہ تجھ پہ نگاہیں جمی ہوئی ہیں مگر
دعا کو ہاتھ اٹھاتے ہوئے لرزتے ہیں

تبسم جاوید......کہروڑ پکا
میں ایسے موڑ پر اپنی کہانی چھوڑ آئی ہوں
کسی کی آنکھ میں پانی ہی پانی چھوڑ آئی ہوں
بس اتنا سوچ کر ہی تم مجھ کو اپنے پاس رکھ لو
تمہارے واسطے میں حکمرانی چھوڑ آئی ہوں

سمیرا کاجل صدیقی......جنڈانوالا
جس سے چاند تیرے بام سے ابھرا ہوا
تُو نے اس پل میں اسے غور سے دیکھا ہوگا
عید کارڈ تیری میز پہ بکھرے ہوں گے
اور سرہانے کوئی پھول بھی رکھا ہوگا

شبانہ امین راجپوت......کوٹ رادھا کشن
کوئی تو ہو جسے میں غیر سمجھ کر رولوں
ڈسنے والے تو سبھی یار نظر آتے ہیں

بشریٰ ملک' مارہ ملک......دھاندرہ فیصل آباد
سنو تو صدائیں میری سسکیوں کی
کہتی ہیں کیا تجھ سے فریاد کر کے
روانی بڑی تھی میرے آنسوؤں میں
بہت آج روئے تمہیں یاد کر کے

چندا شیخ......ملتان
میرے خدا نے بہت نواز ہے مجھ کو
میری اوقات کے برابر ملتا تو شاید "تم" نہیں ملتے

ایس عطاریہ......بارہ قطعہ
روز روتے ہوئے کہتی ہے زندگی مجھ سے فراز
صرف اک شخص کی خاطر مجھے برباد نہ کر

مریم منور گل......سمندری
کسی سے ہاتھ کسی سے نظر ملاتے ہوئے
میں بجھ رہی ہوں رواداریاں نبھاتے ہوئے
کسی کو میرے دکھوں کی خبر ہو بھی کیسے

میں ہر کسی سے ملتی ہوں مسکراتے ہوئے
طاہرہ غزل......جتوئی

دل کو اس راہ پہ چلنا ہی نہیں
جو مجھے تجھ سے جدا کرتی ہے
انعم خان......کھلابٹ کالونی

غزل کے بے ترتیب الفاظ اُلجھی تھی میری ذات
سلجھ گئے جب لفظ سارے، بکھر گئی مگر میری ذات
سمیرا اختر یلہ وفا......جھنگڑہ ایبٹ آباد

سلجھا ہوا سا فرد سمجھتے ہیں مجھ کو لوگ
الجھا ہوا سا مجھ میں کوئی دوسرا بھی ہے
طاہرہ ملک......مقام نامعلوم

دن تو اس شہر کی رونق میں گزر جاتا ہے
یاد کچھ لوگ سر شام بہت آتے ہیں
رومان ملک......جھنگ صدر

اب تو اس کے بچھڑ جانے کا بھی ملال نہیں ہوتا
ادا ہر غم ہمیشہ پائیدار نہیں ہوتا
وہ بچھڑ گیا ہے تو یہ تقدیر کا فیصلہ تھا
وفا کے نام پر اب کوئی جذبہ بے دار نہیں ہوتا
راشدہ شریف چوہدری......اوکاڑہ

تو بدلتا ہے تو بے ساختہ میری آنکھیں
اپنے ہاتھوں کی لکیروں سے الجھ جاتی ہیں
مسکان اکبر شیرازی......اوچ شریف

تم سے ملے بھی تو جدائی کے موڑ پر
کشتی ہوئی نصیب تو دریا نہیں رہا
کہتے تھے اک پل نہ جئیں گے تیرے بغیر
ہم دونوں رہ گئے ہیں وہ وعدہ نہیں رہا
سعدیہ ملک......جلال پور

وہ زہر دے کے مارتا تو دنیا کی نظروں میں آ جاتا
سو اس نے یوں کیا محبت کی اور مجھے چھوڑ دیا
آمنہ امداد......سرگودھا

بہت دشوار ہوتا ہے کسی کو یوں بھلا دینا
کہ جب وہ شخص شامل ہو رگوں میں خون کی مانند
سائرہ لنگڑیال......سیال موڑ

اس موم سی لڑکی کے حوصلے تھے بہت
جب ہی تو دکھ اسے عمر بھر ملے تھے بہت
وہ جو اک برف سی لڑکی مجھ میں رہتی ہے
اس لڑکی سے مجھے گلے تھے بہت
ساجدہ زید......ویرووالا چیمہ

کبھی تم نے خود بھی سوچا کہ یہ پیاس ہے تو کیوں ہے
تجھے پا کے بھی میرا دل اداس ہے تو کیوں ہے
مجھے کیوں عزیز تر ہے یہ دھواں دھواں سا موسم
یہ ہوائے شام ہجراں مجھے راس ہے تو کیوں ہے
خواجہ ماہ رخ تاج......جتوئی

کبھی ٹوٹا نہیں میرے دل سے تیری یاد کا رشتہ
گفتگو جس سے بھی ہو خیال تیرا ہی رہتا ہے
نائیلہ اشفاق......کوٹ غلام محمد

اگر وہ پوچھ لیں ہم سے تمہیں کس بات کا غم ہے
تو پھر کس بات کا غم ہے اگر وہ پوچھ لیں ہم سے
مسکان وفا......جتوئی

ڈوبی ہیں میری انگلیاں میرے ہی لہو میں
یہ کانچ کے ٹکڑوں پہ بھروسے کی سزا ہے
آمنہ امداد......سرگودھا

کاش مجھے معلوم ہو جائے تیری سوچ کا محور
تو میں خود کو تراشوں تیرے انداز نظر سے
ولی اسلام......گوجرانوالہ

اس کو محسوس کبھی نہ ہونے دیا
یوں کہانی کو ہم نے موڑ دیا
ملنے جلنے میں کمی کی پہلے
پھر اسے رفتہ رفتہ چھوڑ دیا
ارسہ عرفان......مقام نامعلوم

چلو پھر آج کوئی بچپنے کا کھیل کھیلیں ہم
بڑی مدت ہوئی بے ساختہ ہنس کر نہیں دیکھا
مدیحہ اشفاق......گجرات

وہ دن وہ محفلیں وہ شگفتہ مزاج دوست
موج زمانہ لے گئی جانے کہاں کہاں
تسنیم چوہدری......آکسفورڈ یوکے

یہ دل تو روز پہنچ جائے تیرے پاس یوں ہی
مگر یہ راہ میں جو اک زمانہ پڑتا ہے
کیا ضروری ہے کہ تیر کمان ہاتھ میں ہو
کبھی تو خود ہی نشانے پر آنا پڑتا ہے
...ی ناز......لنگڑیال

خوشبو کی طرح ہواؤں سے نہیں ملتے کچھ لوگ
موسم کی اداؤں سے نہیں ملتے کچھ لوگ
مل جائیں تو جیون کو سجا دیتے ہیں لیکن
کھو جائیں تو دعاؤں سے نہیں ملتے کچھ لوگ
ساجدہ زید......ویرووالہ چیمہ

عید کا چاند نظر آئے گا جس دم مجھ کو
میں تیرے وصل کی اے دوست دعا مانگوں گا
میں جو مدت سے ہوں تنہائی کے صحرا میں مقیم
اب تیرے عہد رفاقت کی گھٹا مانگوں گا
شمع شکیل......کراچی

کاش اس عید سعید کے حسین لمحوں میں
میری ذات گمشدہ بھی تجھے یاد آئے
سحرش رانا......پنڈی بھٹیاں

کی ہم سے محبت تھی تو کچھ تو پاس رکھنا تھا
ہمیں اپنی نگاہوں میں کچھ تو خاص رکھنا تھا
کر دیا دل سے دور غم یہ نہیں محسن
پر کبھی تو اپنی یادوں میں ہمیں بھی یاد رکھنا تھا
خواجہ عرفانہ محبوب......جتوئی

کون اپنا تھا یہاں کس پہ عنایت کرتے
ہم کو حسرت ہی رہی ہم بھی محبت کرتے
اس نے سمجھا نہیں ہم کو کسی قابل ورنہ
اس سے ہم عشق میں اس کی عبادت کرتے
ظل ہما......فیصل آباد

ہمارے لب محبت میں سلے تھے
وگرنہ تم سے تو کتنے گلے تھے
اسے کیا معلوم ہم اس کی خاطر
چراغوں کی طرح شب بھر جلے تھے
نرجس رانی......ساہیوال

ہمارے لب پر نہ اس کی زباں پر حرف کوئی
مگر نگاہوں میں لکھی حکایتیں تھیں بہت
اداس ہم تھے تو وہ بے قرار کم تو نہ تھا
ہمارے پیار میں حامد صداقتیں تھیں بہت
تعبیر جہاں......جلالپور پیروالہ

میری آنکھوں کے خواب کچے تھے
آدھے ادھورے تھے پر سچے تھے
کانچ سے نازک سارے سو بکھر گئے
وہ خواب جو میری حیات کا حاصل تھے
ماورا شاہ......مانسہرہ

ہر جھکا ہوا سر حیا کا نہیں ہوتا
ہر اُٹھا ہوا ہاتھ دعا کا نہیں ہوتا
بجھ جاتے ہیں اکثر دیے یونہی
ہر بار قصور ہوا کا نہیں ہوتا
نظیرہ ملک......ڈی آئی خان

محسن جو کہتے تھے مجھ کو جان اپنی
آج وہ شخص مجھ کو بے جان کر گیا

عید سعید